www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

فہرست

سفر سوات کا

بادشاہوں کے دلوں کو خوشی سے بھرنے والی ---- وادیٔ سوات!	7
نیلی کار جی ٹی روڈ پر جاتی ہے!	14
پتھر کے شہر میں ---- ہاتھیوں پر سواری کا فن!	24
درّہ مالاکنڈ اور چرچل چوکی!	28
وہ لمحہ، جس کے لئے مہاتما بُدھ نے تپسیا کی تھی!	33
منگورہ اور پورے چاند کی بھاری پتنگ!	41
بُت کدہ اور چپ ابابیلیں!	46
میاندم میں شبِ برات!	58
مٹہ کلفام ---- کلام تک!	72
مالم جبہ میں تین سنو مین!	89
اچھا ہوا ہم نے سوات دیکھ لیا!	97

سفر خنجراب کا

آفریدی استقبال اور ایبٹ آباد!	101

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

وادیٔ مانسہو---- جس کے گیت کسی نے نہیں گائے! 112

بشام میں شام پئی بن شام 116

شاہراہِ قراقرم اور پتھر کے شیر 124

گلگت سے وادیٔ نلتر کی تنہائی میں 135

راکاپوشی سے ماسٹر حقیقت کے پسّو تک---- 156

نارڑ جھیل؟ 173

بتورا گلیشیئر کی سیاہ برفیں 183

مارخون کی رات میں---- ہیلو! 189

درّہ خنجراب' سولہ ہزار دو فٹ بلند 197

گل مت سے قرلیں تک 209

گڈبائے مسٹر ہارپر! 214

ہنزہ کی رات میں دیئے جلتے تھے---- 226

ہاں ابو---- بوڑھے کو گھر جانے دیں۔ 235

سفرِ سوات کا

بادشاہوں کے دلوں کو خوشی سے بھرنے والی---- وادیٔ سوات!

میرے سامنے فنِ گندھارا کا جو نمونہ ہے وہ اُس عظیم سٹوپا کا ایک حصّہ تھا جس میں مہاتمابُدھ کی خاک دفن کی گئی تھی۔

میرے سامنے بُھربُھرے پتھر کا ایک قدیم ٹکڑا ہے جو پونے دو ہزار برس پُرانا ہے شاید دو ہزار برس بھی---- اس نمونے میں ایک کہانی بیان کی گئی ہے درمیان میں مہاتمابدھ کا شائبہ ہوتا ہے۔ شائبہ اس لیے کہ یہ پتھر سینکڑوں برس زمین میں دفن رہا اور اس پر زہریلے نمکیات اور پانیوں کا اثر ہوا اور یوں خوبصورت مجسّمے ریزہ ریزہ ہونے لگے۔ مہاتمابدھ کا سر نہیں ہے' یہ کسی شخص نے ثواب کمانے کی خاطر توڑ دیا ہو گا---- کہانی یہ ہے کہ مہاتمابُدھ گیا کہ جنگلوں کے کسی غار میں گیان دِھیان میں گم ہیں اور ہندوؤں کا دیوتا اِندر اپنے مضراب نواز کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تاکہ ان سے روحانی راہنمائی حاصل کر سکے۔ اس کہانی کو "اِندرا سالا" یعنی اندرا کی غار بھی کہا جاتا ہے۔

میرے سامنے جو پتھر ہے وہ ختم ہو رہا ہے---- اس کے کناروں پر ایک خوش نما کنگری ہے۔ مہاتمابُدھ کے گرد ایک پھولدار بیل ہے جس کا ایک پھول اب بھی نظر آتا ہے اور نیچے ایک پہاڑی بکری بیٹھی ہوئی ہے۔ مضراب نواز کا ہیر سٹائل بہت

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ماڈرن ہے اور وہ شاہانہ لباس میں ہے۔ اس کے پیچھے دیوتا اندر ہے۔ ان کے بدن تو تقریباً محفوظ ہیں لیکن چہرے اتنے صاف نہیں ہیں۔ کل چھ چھوٹے چھوٹے مجسمے ہیں جن میں سے دو تو بالکل تباہ ہو چکے ہیں' ایک کسی حد تک ٹھیک ہے اور باقی تینوں کو ہم بہتر کہہ سکتے ہیں۔ پتھر کی یہ کہانی حضور صلعم کی پیدائش سے کئی سو برس پیشتر کسی بُدھ مجسّمہ ساز نے عبادت کے طور پر بنائی تھی اور اب وہ میرے سامنے ہے۔ ایک ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو اپنی قدامت کی وجہ سے انسان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کسی بھی تہذیب کی ترقی اور تنزل اور پھر اس کی مکمل تباہی اور ان تمام اقدار کا مکمل طور پر خاتمہ جو اس تہذیب کی نمائندگی کرتی تھیں۔ یوں لگتا ہے جیسے قدرت ہر ہزار دو ہزار برس کے بعد مکمل تبدیلی چاہتی ہے اور اس تبدیلی پر ہمارا بہت کم اختیار ہوتا ہے۔ ایسی تہذیبیں جو باہر کی قوتوں کے چیلنج کا سامنا نہیں کر سکتیں اور ان سے مُنہ چھپاتی ہیں اور اپنے آپ کو ماضی کی بنیاد پر اور دوسروں کو حقیر گردانتے ہوئے زندہ رہنا چاہتی ہیں دراصل اپنے تابوت میں لیٹ چکی ہوتی ہیں۔

پتھر کی یہ کہانی مجھے سوات میں ملی تھی' شنگردر سٹوپا کے آس پاس یہ پتھر کا ٹکڑا مجھے اتفاقاً ملا تھا اور تب میں اسے نہیں جانتا تھا لیکن لاہور واپس آ کر اس نے مجھے بہت تنگ کیا' اس پر سفید مٹی کی ایک تہہ تھی اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ اندر کیا ہے' میں کئی روز تک اسے نہایت احتیاط سے صاف کرتا رہا اور پھر دھیرے دھیرے اس کے نین نقش اُبھرنے لگے۔ یہ گھر میں جس کمرے میں بھی ہوتا وہاں جاتے ہوئے میں جھجکتا --- میں اسے دیکھتا تو وقت اور کائنات کا مسئلہ میرے ذہن میں سر اُٹھانے لگتا۔ یہ اپنی قدامت کی بناء پر بہت کچھ جانتا تھا' پونے دو ہزار برس کی عمر کم نہیں ہوتی --- پھر میں اسے لاہور میوزیم کے سیف الرحمٰن ڈار صاحب کے پاس لے گیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا

"یہ وہ ہے جس کی آپ کو خبر نہیں۔" وہ اسے غور سے دیکھ کر بولے۔ "بہرحال نقلی نہیں ہے سو فیصد اصلی ہے۔"

ڈار صاحب ٹیکسلا کے بارے میں ایک نہایت اعلیٰ پائے کی کتاب لکھ چکے ہیں اور جب کبھی ہمیں قبل از مسیح جانے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو ہم ڈار صاحب کی خدمت میں پیش ہو جاتے ہیں۔ اس روز انہوں نے مجھے مزید معلومات کے لیے حمیرہ اور شہباز خان کے سپرد کر دیا۔ حمیرہ نے اس ٹکڑے کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں ایک چمک آئی "یہ تو اندرا سالا ہے۔"

"کیا ہے؟" میں نے چونک کر کہا۔

تب انہوں نے مجھے اندرا کے مضراب نواز اور گوتم بدھ کی کہانی سنائی --- شہباز خان کام کے آدمی نکلے' وہ سوات پر بہت سا کام کر چکے تھے اور میں سوات کے کام آ گیا تھا یعنی کُشتۂ سوات تھا۔ کہہ لیجئے کہ مجھے ان دنوں سوات ہو گیا تھا جیسے لوگوں کو عشق ہو جاتا ہے ایسے ہی مجھے بھی کسی مقام کے ساتھ آشنائی کے بعد کچھ ہو جاتا ہے' کبھی ہنزہ ہو جاتا ہے کبھی دریائے گھاگرا ہو جاتا ہے تو جیسے اِن دنوں مجھے نانگا پربت ہو چکا ہے اُن دنوں سوات ہو گیا تھا ـــــــ شہباز خان نے میرے زخموں پر مرہم رکھا اور سوات کے بارے میں انہوں نے جو تحقیق کی تھی وہ میرے سامنے رکھ دی --- لیکن ہوا یہ کہ سوات کی طرف سے افاقہ ہوا تو مجھے گندھارا ہو گیا --- اس کا علاج بہت سارے لوگوں نے کیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ شہباز خان یہاں بھی میرے کام آئے بلکہ اپنے کیمسٹ وسیم احمد کے ساتھ بھی ملاقات کروائی جو اس وقت اپنی لیبارٹری میں چند قدیم تلواریں صاف کر رہے تھے۔

میں پچھلے موسم بہار میں سوات گیا تھا۔

اور میں سوات کے بارے میں قطعی طور پر کوئی سفرنامہ وغیرہ لکھنے کا ارادہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

نہیں رکھتا تھا کیونکہ کون ہے جو سوات نہیں گیا اور منگورہ مدین .بحرین اور کالام وغیرہ کے ناموں سے واقف نہیں۔ دراصل سوات کبھی بھی میرے لیے دل کو یکدم روک دینے والا نام نہیں رہا۔ یہ کبھی میری زندگی میں شامل نہیں رہا۔ میں نے کبھی اس کے خواب نہیں دیکھے یا اسے دیکھنے کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی کیونکہ مجھے آج تک کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر تم نے سوات نہیں دیکھا تو شکل پر ہر وقت بارہ بجے رہتے ہیں تو اگر تم سوات دیکھ لو تو خوبصورت ہو جاؤ وغیرہ --- سوات کو کسی نے "ریکمنڈ" نہ کیا' ہر شخص کاغان اور سیف الملوک اور نتھیا گلی اور چترال وغیرہ کے گیت گاتا تھا اور سوات کا نام لبوں تک نہ لاتا تھا یہی کہا جاتا کہ بھئی سوات --- بھی ٹھیک ہے --- دریائے سوات ہے اور بس ٹھیک ہے یا ادھر گرمی ہے بہت ہوتی ہے ذرا سوچو تو سہی کہ انسان لاہور کی گرمی میں جلتا بھنتا جائے اور دو دن کے سفر کے بعد کہاں پہنچے؟ منگورہ --- اور منگورہ میں بجلی کے پنکھے چل رہے ہوں تو لعنت ہے ایسے ہل سٹیشن پر ---

"یعنی وہاں باقاعدہ بجلی کے پنکھے چلتے ہیں منگورہ میں؟" میں پریشان ہو جاتا۔

"ہاں اور بازار میں ٹھنڈی بوتلیں اور شربت اور جناب دہی کی لسی۔" مجھے بتایا جاتا۔

"یار کچھ تو ہو گا وادیٔ سوات میں" --- میں تنگ آ کر کہتا۔

"سنا ہے کہ کالام کے آگے والا حصہ خوبصورت ہے پر وہاں قبائلی لوگ ہوتے ہیں اور ان دنوں افغان پناہ گزین بھی گھومتے ہیں ---"

آپ ہی فیصلہ کیجئے اس قسم کی ریپوٹیشن والے پہاڑی مقام پر کون جائے چنانچہ یہی ہوتا کہ میں نے ہمیشہ سوات کو سات سلام کئے اور کسی اور جانب نکل گیا پھر یہ ہوا کہ میں شاید پورے لاہور میں واحد فرد تھا جس نے سوات نہیں دیکھا تھا اور

جب بھی میں اعتراف کرتا تو "اوئے سوات بھی نہیں دیکھا" --- کے نعرے لگتے۔

ایک شام فلم ڈائریکٹر ایس سلیمان کے ہاں ایک دعوت تھی۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو آرام دہ اور جدید صوفوں کے علاوہ چند سیاہ رنگ کے قدیم پیڑھوں پر نظر پڑی جو انتہائی دیدہ زیب تھے پوری شام میں ان پر کھدے ہوئے نقش و نگار اور ان کی بناوٹ میں کھویا رہا۔ کھانے کے بعد جب ہم باہر نکلے تو میں نے سلّو سے پوچھا

"یار بدتمیزی تو ہے لیکن یہ پیڑھے کہاں کے ہیں؟"

"ہیں؟" سلّو کا منہ کھل گیا۔ "کیا تمہیں پسند آئے ہیں؟"

"کمال کی چیزیں ہیں ان سے تو نظر نہیں ہٹتی۔"

"شکر ہے یار کسی کو تو پسند آئے --- دراصل دس بارہ برس پہلے میں سوات گیا تھا' آؤٹ ڈور کے سلسلے میں تو وہاں سے خرید کر لاہور لے آیا یہاں آیا تو تمہاری بھابھی نے خوب مذاق اڑایا کہ یہ کیا کاٹھ کباڑ اٹھا لائے ہو۔ اتنے برس سے اندر پڑے ہوئے تھے اب کہیں جا کر ڈرائنگ روم میں ان کو جگہ ملی ہے ---"

میں جانے لگا تو پیچھے سے سلّو نے پھر نعرہ لگایا "یار تھینک یو --- کم از کم تمہیں تو یہ پیڑھے پسند آئے۔"

میں نے اسی لمحے سوچ لیا تھا کہ میں اب سوات جاؤں گا صرف یہ پیڑھے خریدنے کے لیے۔

تو اب میرے سامنے پونے دو ہزار برس پرانے چند ٹوٹے ہوئے مجسمے ہیں۔

اور میرے ڈرائنگ روم میں سوات کے بنے ہوئے ڈھائی تین سو برس پرانے پیڑھے ہیں اور ایک قدیم جائے نماز ہے جس پر لکڑی کا کام ایسا شاندار ہے کہ اس کی کیا تعریف ہو --- اور ہاں کسی مسجد کا اک ستون ہے لکڑی کا اور پھول بوٹوں سے مزین --- دھوئیں کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہے اور اس کا بالائی حصہ ایک دراڑ لیے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہو سکتا ہے اور مسجد کا یہ ستون میرے ڈرائنگ روم میں ایستادہ ہے۔

سوات میں ہزاروں مسجدیں ہیں --- ان مسجدوں کو اب ماڈرن کیا جا رہا ہے --- عام طور پر چھت منقش ستونوں پر ڈالی جاتی تھی جو آٹھ فٹ بلند ہوتے تھے اب یہ ہے کہ مسجدوں کو پختہ کرنے کے لیے لینٹر کی چھت ڈالی جاتی ہے جو دس فٹ پر ڈالتے ہیں چنانچہ یہ ستون --- لکڑی کے یہ خوبصورت اور قدیم ستون نکال کر پھینک دیئے جاتے ہیں، کچھ جلانے کے کام آتے ہیں اور چند ایک غیر ملکی سیاح اپنے ملکوں کو لے جاتے ہیں اور سوات کا یہ فن یورپ اور امریکہ میں منتقل ہوتا جا رہا ہے۔

چنانچہ میرے سامنے فن گندھارا کا جو نمونہ ہے وہ اُس عظیم سٹوپا کا ایک حصہ تھا جس میں مہاتما بدھ کی خاک دفن کی گئی تھی --- اور کسی قدیم مسجد کا ایک ستون ہے اور لکڑی کا ایک جائے نماز ہے جو سوات سے آئے ہیں --- اصل میں سوات کی یہ کہانی بالکل مکمل ہے سٹوپا کے مجسموں سے لے کر مسجد کی چوبی ستون تک ---

آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کسی نہ کسی بہانے آپ کو سوات کا سفر نامہ سنانا چاہتا ہوں --- اس لیے کہ میرے سامنے جو قدیم مجسمے ہیں اور کونے میں مسجد کا جو ستون ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سرزمین کا قصہ ضرور سنایا جائے جس کے بارے میں خوشحال خان خٹک نے کہا تھا کہ وادئ سوات بادشاہوں کے دلوں کو خوشی سے بھر دیتی ہے --- جہاں سے سکندر اعظم اور محمود غزنوی کا گزر ہوا اور جسے فتح کرنے کی آس میں اکبر اعظم کا نورتن بیربل اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا --- چینی سیاح فاہیان تو یہاں تک کہتا ہے کہ مہاتما بدھ اپنی کسی زندگی میں یہاں تشریف لائے تھے --- "فاہیان کے سفر (۴۱۴ سے ۳۹۹ء تک) یا بدھ سلطنتوں کے مندرجات" چینی زبان سے انگریزی میں کیمرج یونیورسٹی کے چینی زبان کے پروفیسر ایچ اے جائلز نے ترجمہ کیے ہیں ان میں صفحہ گیارہ پر فاہیان لکھتا ہے "دریائے سندھ عبور کرنے کے

بعد زائرین اودیانہ کے ملک میں داخل ہوئے جو ہندوستان کے شمال میں واقع ہے۔ مرکزی ہندوستان کی زبان یہاں بھی بولی جاتی ہے --- بدھ مذہب یہاں ترقی پذیر ہے۔ جن عمارتوں میں بھکشو رہتے ہیں انہیں راہب خانے یا اجتماع کے باغ کہا جاتا ہے۔ یہاں کم از کم پانچ سو کے قریب ایسے راہب خانے ہیں۔ جب کبھی خانہ بدوش بھکشو ادھر آ نکلتے ہیں انہیں تین دن تک ہر چیز مہیا کی جاتی ہے اور اس کے بعد انہیں وہاں سے رخصت ہو جانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ روائت ہے کہ جب مہاتما بدھ شمالی ہندوستان میں تشریف لائے تو وہ یہاں بھی آئے اور اپنے پاؤں کا ایک نشان چھوڑا، جس شخص کے اندر جتنا مذہبی جذبہ ہوتا ہے اسی حساب سے اسے وہ نشان چھوٹا یا لمبا دکھائی دیتا ہے۔ وہ پتھر جس پر بدھ نے اپنے کپڑے سکھائے اور وہ مقام جہاں اس نے ایک عفریت کو تائب کیا تھا اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہ پتھر چودہ فٹ اونچا اور بیس فٹ چوڑا ہے اور ایک جانب سے بالکل صاف ہے --- "فاہیان نے اودیانہ یعنی گلستان کے بارے میں بس یہی کچھ لکھا ہے اور پھر وہ مرکزی ہندوستان کی طرف نکل گیا جہاں اسے بدھ مقدس مقامات کی زیارتیں کرنا تھیں۔

سوات تاریخ میں بہت طاقتور تھا لیکن جن لوگوں سے میری میل ملاقات رہی تھی ان میں بہت کمزور تھا --- بس جی ایک دریائے سوات ہے اس کے ساتھ ساتھ چلتے جاؤ اور بس یہ ہے سوات --- سوات میں دو چار گاؤں ہیں اور سوکھی پہاڑیاں ہیں جن میں بکریاں پھرتی ہیں چھوڑو جی سوات کو --- دھول اور گرمی --- اور پنکھے ---

"بھاجی مری جاؤ مال روڈ کی سیریں اور بارشیں --- اور کمروں میں بادل ---"

لیکن میں نے سوچا کہ خوشحال خان خٹک بھی تو کچھ ٹھیک کہتا ہو گا اور فاہیان نے آخر اسے اودیانہ --- ایک باغ کیوں کہا --- جب ایک جنگجو پختون اور بدھ بھکشو کسی وادی کے بارے میں ایک ہی بات کہیں تو ان کی بات پر کان دھرنا چاہیے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

نیلی کار جی ٹی روڈ پر جاتی ہے!

موسم بہار کی چھٹیاں تھیں اور بچہ لوگ سارا دن بیزار پھرتے تھے۔ فرج کھول کر اسے خالی کرتے تھے اور میرے کان کھاتے تھے۔

میں بھی کاغذ کالے کرتا کرتا تنگ آ چکا تھا۔ ان کاغذوں نے مجھے جھلا کر دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے کالی روشنائی کی بجائے ایسے رنگ ہوں جو فان گوگ اور ڈیگاس استعمال کرتے تھے --- اور میں اپنے کمرے میں بیٹھا کالم کہانیاں سفرنامے اور ڈرامے لکھتا لکھتا زندگی کے رنگوں کو بھول چکا تھا کہ وہ کیسے ہوتے ہیں اور کہاں ہوتے ہیں۔

میں نیلی کار کو مکینک کے پاس لے گیا۔ "اس نے پہاڑوں پر چڑھنا ہے اسے جو کچھ کر سکتے ہو کر دو۔"

"اس کی تو بریکیں ہی نہیں ہیں خاص طور پر ہینڈ بریک۔" مکینک کہنے لگا۔

"اور پہاڑوں پر غالباً بریکوں کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔" میں نے سر کھجا کر کہا۔

"جی ہاں --- غالباً ---"

اس نے نیلی کار کی ہینڈ بریک ایسے درست کی کہ اس کے لگتے ہی کار باقاعدہ منجمد ہو جاتی ---

موسم بہار کے آخر میں ایک نیلی کار جی ٹی روڈ پر جاتی ہے' اس کے کیریئر پر مختصر سا سامان بندھا ہے تاکہ وہاں سے وہ پیڑھے لاد کر لائے جا سکیں جن کے لیے ہم وہاں جا رہے تھے' کار کا ڈرائیور یہ فقیر ہے' فقیر کے ہمراہ اس کی بیگم ہے جو ہرگز فقیرنی نہیں ہے بلکہ اس کے بڑے ٹھاٹھ ہیں اور پچھلی نشست پر تین بچے براجمان ہیں جو اس فقیر کے اور بیگم صاحبہ کے مشترکہ ہیں اور ہم --- سوات جا رہے ہیں۔

سٹوپا کے مجسموں سے لے کر مسجد کے چوبی ستون تک ---

کالا شاہ کاکو کی ہواؤں میں جو کیمیائی بُو تھی وہ کار کے اندر آئی تو بچوں نے ناگواری کے اظہار کے لیے اپنی اپنی سیدھی اور تیکھی ناکیں چڑھائیں اور کھڑکیوں کے شیشے چڑھائے ---

سادھوکے آیا تو اس کے آس پاس پھیلے وسیع تالابوں میں سفید کنول کے ہزاروں پیالے تیرتے تھے۔ ان تالابوں کو آپ جوہڑ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ انگلستان میں بھی ذرا وسیع قسم کے جوہڑ ہیں جنہیں ہم لوگ بڑی عقیدت سے جھیلیں کہتے ہیں اور ان کے کنارے کی جانے والی شاعری پر جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔ میں بھی ان پاکستانی ادیبوں میں سے ایک ہوں جو اپنے ملک کے موسموں' پھولوں' درختوں اور ان میں رہنے اور اڑنے والی مخلوق سے بے خبر ہیں۔ ہم ایران' انگلستان اور ہندوستان کے زمینی جغرافیے سے تو واقف ہیں لیکن پاکستان کے کس خطے میں گندم کب سنہری ہوتی ہے اور ان دنوں گندم کی بالیوں میں کس قسم کی مہک ہوتی ہے اس بارے میں مکمل طور پر لاعلم ہیں --- بڑا ادب صرف زمین اور اس کے باسیوں کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے اور اگر آپ انہیں نہیں جانتے تو قلم نہ اٹھانا زیادہ بہتر ہے --- انہی دنوں اپریل کے مہینے میں پنجاب کے دیہات میں اک وسیع

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

گھیرے والا گھنا درخت "برنا" پھولوں پر آتا ہے اور اس کی خوشبو کی دھوم سے راہی راستہ بھولتے ہیں۔ دور سے وہ ایک زرد سنہرے بادل کی طرح امڈ کر آتا نظر آتا ہے اور پاس آئیں تو اس کا رنگ ایک الاؤ کی طرح دہکتا ہے --- ہم میں سے کتنے ہیں جو اسے جانتے ہیں اور اپنی تحریر میں اس کا نام لیتے ہیں۔ ہاں چنار اور بیدِ مجنوں کے حوالے ضرور ملیں گے ---

ویسے بھی شاید سادھوکے میں کھلنے والے کنول اس لیے مار کھا جاتے ہیں کہ وہ کسی رومانوی نام والے قصبے کی بجائے غریب سادھوکے میں بہار دکھاتے ہیں ---

ہم نے چناب کا پل پار کیا تو دھوپ تیز تھی اور بچہ لوگ بھوک بھوک کرتے تھے --- کسی سفری سیانے نے بتایا تھا کہ جی ٹی روڈ پر بہترین اور سستی خوراک ٹرک ہوٹلوں سے ملتی ہے چنانچہ گجرات سے گزرنے کے بعد بائیں ہاتھ پر جب ہم نے درجن بھر ٹرک کھڑے دیکھے اور ایک ڈرائیور ہوٹل کے باہر بڑی بڑی چارپائیاں بچھی دیکھیں تو میں نے کار روک لی۔

تین چار "چھوٹے" چارپائیوں پر براجمان ڈرائیور حضرات اور ہوٹل کے اندر واقع تنور کے درمیان روٹیاں اٹھائے بھاگ رہے تھے۔ ہوٹل کا مالک خوراکوں کے دیگچوں کے درمیان بیٹھا اپنی ڈوئی سے ان پر جلترنگ بجا رہا تھا۔ میں نے اپنی تسلی کے لیے کہ کہیں یہ خوراکیں ہمارے پیٹ میں جا کر گڑبڑ نہ کریں جب مالک سے دو چار سوال پوچھے تو وہ کہنے لگا۔ "باؤ جی آپ جا کر بیٹھو کھانا پسند نہ آئے تو مجھ پر پیسے حرام ہیں۔"

"پکا کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جو بھی پکا ہے سامنے آ جائے گا۔" وہ بولا۔

ہم سڑک کے کنارے شیشم کے ایک درخت کی چھدری چھاؤں میں دری بچھا

کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد ایک چھوٹا ایک بڑی ٹرے اٹھائے بھاگتا آیا --- بھنڈیاں --- دال --- اور گوشت ---

"اوئے ہم بھنڈیاں نہیں کھاتے۔" سلجوق نے منہ بنا کر کہا۔

"اور یہ کیا ہے؟" میں نے ایک پیالے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ جی ملائی ہے --- اسے تنور کی روٹیوں پر لگا کر کھائیں سواد آ جائے گا۔"

"ویسے ابو ---" سمیر کہنے لگا۔ "کھانا دیکھنے میں تو اچھا ہے ---"

عینی نے روٹی پر ملائی لگا کر دال میں سے ایک نوالہ لیا اور سر ہلا کر بولی۔ "اور کھانا کھانے میں بھی اچھا ہے۔"

ہم نے یقینی طور پر اتنی اچھی اور سستی خوراک کبھی نہیں کھائی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ شہر کے ہوٹلوں والے تو چور ہیں۔" میمونہ نے دری جھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہم سب چور ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا اور کار میں بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے شیشے میں سے دیکھا تو پچھلی نشست پر پبلک خراٹے لے رہی تھی۔ جہلم کے پل پر سے گزرتے ہوئے اطمینان سے پھیلے ہوئے پانیوں کی ٹھنڈک کار کے اندر آئی کچھ دیر رکی اور جب ہم پل کے پار ہوئے تو جیسے آئی تھی ویسے چلی گئی۔

آگے ہبی کی خشک پہاڑیاں جنگلی جھاڑیوں کے سبزے سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ چند ماہ پیشتر یہ ننگی تھیں اور ان کے پتھر موسم سرما کی دھوپ میں ٹھنڈے رہتے تھے پر اب بہار کے باوجود یہ گرم ہوتے تھے اور ان کی گرمی سبزے میں سے نکل کر سڑک پر دوڑتی کار کے اندر آتی تھی --- ہبی کے اندرون میں جنگلی بلے عام پائے جاتے ہیں اور ایک زمانے میں یہ ویران علاقہ مفرور مجرموں کی پناہ گاہ تھا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بچے پچھلی نشست پر ایک دوسرے سے الجھے ہوئے سو رہے تھے۔ میمونہ بے دھیانی سے سڑک کو تکتی تھی اور میں اپنی طرف سے بہت ہی دھیان سے کار چلا رہا تھا اور ان دنوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جب مجھے ہر ہفتے ٹیلی ویژن کا ایک پروگرام لکھنے کے لیے بدھ کے روز صبح کی ریل کار سے راولپنڈی جانا ہوتا تھا --- کئی ماہ کے مسلسل سفر کی وجہ سے مجھے لاہور سے راولپنڈی تک کی ہر وہ شے جو ٹرین کی پٹڑی کے اردگرد پائی جاتی تھی "منہ زبانی" یاد ہو گئی تھی --- مجھے راستے میں پڑنے والے گھر یاد تھے اور ان میں رہنے والوں کو پہچانتا تھا --- تقریباً ایک برس کے سفر کے دوران میں نے پوری لینڈ سکیپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے بدلتے دیکھا --- سادھوکے ریلوے سٹیشن سے آگے کنول کی سفیدی کے دو کلومیٹر' گوجر خان کے نواح میں کئی کلومیٹر میں پھیلی اور پھولتی سرسوں کا زرد آسمان جو زمین پر پڑا ہوتا۔ پھر پانی لگے کھیتوں میں جنوروں کی طرح مشقت کرتے کسان جو دھان کی پنیری پکڑے گھٹنوں تک کیچڑ میں ڈوبے دکھائی دیتے اور پھر وہیں سے چند ہفتے بعد گزرتے ہوئے دھان کی حبس آلود رکی ہوئی باس ٹرین میں آجاتی اور پھر کچھ عرصے کے بعد وہ دھان کاٹ کر وہیں کوٹ رہے ہوتے اور انہیں کھیتوں کو مٹی سے لیپ کر اسے پھیل کر دھوپ میں سکھاتے نظر آتے --- راولپنڈی سے میں اگلے روز پچھلے پہر کی ریل کار سے واپس لاہور آجاتا --- ایک دفعہ ٹرین پتہ نہیں کہاں رک گئی آبادی سے ادھر --- اور میں نے ایک چھوٹے سے کمرے میں لالٹین کی مدھم روشنی میں ایک وحشی لڑکی کو دیوانوں کی طرح رقص کرتے دیکھا۔ ٹرین میں سے صرف اس کا بیتاب بدن حرکت کرتا دکھائی دیتا تھا اور خاص طور پر اس کے کھلے بال جو وہ جھٹک جھٹک کر پھیلاتی تھی --- اور وہاں موسیقی نہ تھی اگر تھی تو مجھے سنائی نہ دیتی تھی --- اور وہ اس کمرے سے کچھ فاصلے پر تاریکی میں رکی ہوئی ٹرین سے بے خبر تھی --- پھر کچھ

مسافروں نے اسے دیکھ لیا --- چند خاموش رہے اور کچھ نے لعن طعن کے کلمات بڑبڑائے کہ بس قیامت نزدیک ہے --- ہاں وہ خاصی نزدیک تھی --- اور ٹرین جیسے رکی تھی ویسے چل دی --- اس سفر میں پوری لینڈ سکیپ کا اس طرح آشنا ہوا کہ جب کبھی کسی قبرستان میں نئی ڈھیری ابھرتی تو وہ ہزاروں قبروں میں الگ ہو کر میرے سامنے آتی اور میں جانے والے کے لیے دکھ محسوس کرتا --- اس مسافت میں کچھ ایسے منظر بھی تھے جنہیں ہر ہفتے دیکھ دیکھ کر میں اکتایا نہیں بلکہ خصوصی طور پر ان کا منتظر رہتا --- راوی کے پانیوں میں گھری بارہ دری --- گکھڑ منڈی کا نارمل سکول جہاں میں کبھی تختی لکھا کرتا تھا۔ وزیر آباد میں شیخوں کی حویلی کے آسیب زدہ جھروکے --- جہلم کے کناروں میں سے ریت نکالنے والے --- دینہ کی وہ کھٹارا بسیں اور ویگنیں جنہیں دیکھ کر مجھے کبھی یقین نہیں آیا کہ یہ دو قدم بھی چل سکتی ہیں۔ یہ بوڑھی اور بے دانت بسیں گاڑی کی کھڑکی میں سے دکھائی دیتیں تو میں مسکرانے لگتا --- ترکی کا وہ موڑ جس پر ٹرین مڑتی چلی جاتی ہے اور ترکی کے سٹیشن پر جنگلی چٹان میں ایستادہ ایک پرانا مقبرہ دکھائی دینے لگتا ہے --- اور پھر مانکیالا کی توپ --- جی ہاں توپ --- اسے میں نے بہت عرصہ بعد دیکھا --- وہ پٹڑی سے ہٹ کر کھیتوں کے درمیان نظر تو آتی تھی پر میں نے اسے دیکھا بہت دیر بعد --- ایک گاؤں کچھ دور اور کھیت اور ان میں ایک گول اور بلند حجم --- میں نے جب بھی کسی سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو جواب ملا۔ "توپ ہے جی" ---

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا ---

"وہ ایسے کہ جی اس کا منہ دیکھیں ناں آسمان کی طرف ہے تو یہ گول منہ کی توپ ہے ---"

ایک شام شکرپڑیاں کے لوک میلہ میں لاہور میوزیم والے ڈار صاحب سے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ملاقات ہو گئی تو میں نے پوچھا کہ جناب وہ مانکیالا کے کھیتوں میں جو توپ ہے وہ کس کی توپ ہے؟"

"توپ؟" انہوں نے سر کے اوپر جتنے بھی بال تھے ان پر ہاتھ پھیرا "وہ توپ تو نہیں --- مانکیالا کا عظیم سٹوپا ہے --- کوئی دو ہزار برس پرانا۔"

اگلے ہفتے جب میں نے ٹرین کی کھڑکی سے اس "توپ" کو کھیتوں میں سے گزرتے دیکھا تو ایک مختلف نظر سے دیکھا --- یہ سٹوپا صرف دو منٹ کے لیے نظر آتا اور پھر اوجھل ہو جاتا اور ہر بار ایک مختلف تصویر میرے ذہن میں بنتی --- ریلوے پھاٹک سے ایک سکوٹر اس راستے پر دھول اڑاتا جا رہا ہے جس کے آخر میں سٹوپا کھڑا ہے --- سکوٹر' آج --- اور سٹوپا' دو ہزار برس پہلے۔ دونوں آمنے سامنے' کبھی اذان کی آواز قریبی گاؤں میں کھیتوں پر پھیلتی اور ساتھ ہی سٹوپا کا عظیم ڈھیر ایک چُپ اور متروک خدا کی طرح نظر آ جاتا --- ایک بار میں نشست نہ ملنے کی وجہ سے ڈبے کے دروازے کے ساتھ سامان پر بیٹھا اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ایک ملنگ تھا جو بری امام کے عرس میں شریک ہونے کے لیے پنڈی جا رہا تھا۔ وہ ہر چند منٹ بعد کوئی نعرہ لگاتا اور ڈبے کے مسافر چونک جاتے --- جب مانکیالا قریب ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ ملنگ اور کھیتوں میں سے گزرتا سٹوپا ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ملنگ کا ناک نقشہ موجودہ زمانے کا نہیں لگتا تھا پھر اس نے باہر دیکھا اور جیسے سٹوپا کو دیکھ کر کچھ بولا اور پھر ایک نعرہ لگایا --- یہ ملنگ کون تھا؟ کسی بھکشو کا کوئی انگ ساک جو ایک طویل مسافت کے بعد یہاں پہنچا ہے اور مانکیالا کے عظیم سٹوپا اور اس کے گرد ایستادہ بدھ عبادت گاہوں کو دیکھ کر ایک نعرہ بلند کرتا ہے ---

مانکیالا کے سٹوپا نے بھی مجھے بہت تنگ کیا --- میں ریل کار میں سوار ہوتا تو وہ میرے اعصاب پر سوار ہو جاتا۔ میں اس کے کھیتوں میں سے ابھرنے کا منتظر رہتا --- اور جب وہ دکھائی دیتا تو زندہ دکھائی دیتا اور میں وقت اور کائنات کے مسئلہ میں الجھنے لگتا --- مانکیالا ان دنوں کیسا ہو گا جب یہ سٹوپا تعمیر کیا جا رہا ہو گا --- اس کے معمار کون سے کپڑے پہنتے ہوں گے اور وہ کام سے فارغ ہو کر تفریح کے لیے کیا کرتے ہوں گے اور اس کا آرکیٹیکٹ کیسا ہو گا جو جانتا ہو گا کہ اتنے بڑے حجم کے لیے اتنا مصالحہ درکار ہے۔ وہ مجسمہ ساز کہاں بیٹھتے ہوں گے جنہوں نے اس کے گرد کھڑی عبادت گاہوں اور اس کے سٹوپا کے لیے ہزاروں مجسمے تراشے ہوں گے --- اور اگر وہ سب لوگ نظر اٹھا کر ادھر دیکھتے اور یہاں اس زمانے میں یہی ریل کار گزر رہی ہوتی تو کیا وہ اسے ایک کینہ اژدھا سمجھ کر سب بیہوش نہ ہو جاتے --- میں اس سٹوپا کے پاس جانا چاہتا تھا لیکن کبھی موقع نہ ملا ---

پھاٹک کھلا تھا اور جی ٹی روڈ میں سے ڈھلتی ہوئی ایک چھوٹی سی سڑک پر ایک تانگہ سواریوں میں ڈوبا ہوا اترتا تھا اور میں اس تانگے کو اوورٹیک کر کے دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتا ہوں اور کار کی بریک ذرا زور سے لگاتا ہوں تو پچھلی نشست پر اونگھتے بچے لوگ بیدار ہو جاتے ہیں۔

"کیا یہ سوات ہے؟" عینی باہر نکل کر توپ کو دیکھتی ہے اور آنکھیں ملتی ہوئی کہتی ہے۔

"یہ سوات نہیں --- بلکہ یہ سٹوپا ہے۔"

"سٹوپڈ ہے ابو ---" عینی حیران ہو کر کہتی ہے۔

"نہیں بیٹے سٹوپڈ نہیں --- سٹوپا --- بدھ لوگ ہوتے تھے ناں تو یہ ان کی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

مسجد تھی ---"

مانکیالا کا یہ سٹوپا اتنا بڑا ہے کہ اگر دور سے دیکھا جائے تو ہماری نیلی کار اس کے حجم کے ساتھ لگی ایک نیلی مکھی لگتی ہے --- کہیں کہیں پرانی تعمیر کے نشان باقی ہیں۔ عظیم ستونوں کے پاؤں رہ گئے ہیں۔ پچھلی صدی میں انگریز صاحب بہادر نے اس کی مرمت کروائی اور یقینی طور پر اس پر سجے ہوئے مجسمے اور چینل اور پھول اور دیگر زیبائش انگلستان بھجوا دیئے۔ اب یہ مٹی کا ڈھیر ہے بڑے بڑے پتھروں کا ایک گول اہرام ہے اور یہ کسی اہرام سے کم نہیں' پتھروں میں سے گھاس لٹکتی ہے اور ہوا کے ساتھ جھولتی ہے' دھوپ کی وجہ سے ہم اس کے گرد چکر مکمل نہ کر سکے --- جیسا کہ بدھ زائرین کیا کرتے تھے۔

مانکیالا سٹوپا اس اعتبار سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ڈبلیو ذوالف کی کتاب "گندھارا کی عبادت گاہوں" میں شائع شدہ نقشے کے مطابق افغانستان روس تک پھیلے ہوئے گندھارا علاقے کی آخری سرحد مانکیالا کا سٹوپا تھی۔

سٹوپا کے ساتھ ایک ڈیرہ تھا' ایک شخص لکڑی کاٹ رہا تھا۔ ایک کوٹھے کے اندر چند چارپائیاں تھیں اور ان پر کچھ لاپرواہ سے نوجوان لیٹے ہوئے تھے' قریب ہی ایک کنواں تھا اور ہم پانی کے لیے اس کے قریب ہوئے۔

"کیوں جناب یہ کیا چیز ہے؟" میں نے ایک نوجوان سے پوچھا۔

"یہ؟ --- یہ پتہ نہیں --- کیوں؟ ---"

"کوئی تاریخی جگہ ہے؟"

نوجوان نے برا سا منہ بنایا اور کروٹ بدل کر پھر لیٹ گیا۔

لکڑیاں کاٹنے والے نے بتایا کہ یہ اِن لوگوں کا ڈیرہ ہے۔ مالک ہیں --- اس سٹوپا کا آرکیٹیکٹ یہیں اس ڈیرے کی جگہ پر بیٹھ کر یہ سوچتا ہو گا کہ یہ عظیم معبد

رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور جب تک کائنات قائم ہے اس کی پرستش جاری رہے گی کیونکہ یہی ایک راستہ ہے اور مہاتما بدھ کے سوا اور کوئی نہیں --- مذہب صرف ہمارا ہے جو سچا ہے اور باقی سب جھوٹ ہے --- اور اب اس جگہ پر دو ہزار برس بعد ایک شخص کہتا ہے کہ یہ پتہ نہیں کیا ہے --- اور وہ شخص وہاں کا رہنے والا ہے ---

"اس قسم کے سٹوپے سوات میں بھی ہیں۔" میں نے بچوں کا علم بڑھانے کی خاطر کہا۔

"آپ وہ بھی ہمیں دکھائیں گے۔" سمیر نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں --- یہ تو تمہاری مرضی ہے --- بہرحال ---"

"بہت اچھا سٹوپا ہے ابو۔" سلجوق نے بیزار ہو کر کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اب چلیں؟"

تھوڑی دیر بعد نیلی کار پھر جی ٹی روڈ پر رواں تھی --- اور اس پر رواں ایئرکنڈیشنڈ کاروں کی پچھلی نشست پر براجمان انسان سب نہیں تو ان میں سے زیادہ تر اسی زعم میں مبتلا تھے کہ موت صرف دوسروں کو آئے گی اور ہم تو ہمیشہ رہیں گے --- اور وہ ایک نظر اٹھا کر مانکیالا کے سٹوپا کے پتھروں میں اگی ہوئی گھاس کو نہیں دیکھتے تھے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

پتھر کے شہر میں ---- ہاتھیوں پر سواری کا فن!

لاہور کے شور کے بعد پنڈی میں وقت تھما ہوا لگتا ہے اور اس کی مال روڈ پر اب بھی برطانوی راج کے آخری دنوں کا سایہ لمبا ہوتا ہے ---- یہاں ہم نے چوہدری مستعصم محمود وڑائچ کے ہاں قیام کیا ---- اس خالہ زاد بھائی سے مل کر مجھے بے حد مسرت ہوتی ہے کہ کم از کم میرا نام اس کے مقابلے میں اتنا مشکل نہیں ---- ویسے یہ بھائی اپنی ذات میں بہت مشکل ہے اس میں جاٹوں کی روایتی مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اتنی زیادہ بھری ہے کہ انسان عاجز آ جاتا ہے ---- بھائی جان لال کرتی سے بھنا ہوا گوشت بہت اچھا ملتا ہے ---- مال کے کباب ---- راجہ بازار سے کڑھائی لے آؤں ---- پشاور موڑ سے چھتر کباب ---- لسی پئیں گے ---- صدر کی سکنجبین تو ہر صورت پلا کر لاؤں گا ---- اگر آپ تمام تر سنجیدگی سے اسے مطلع کریں کہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اگر سکنجبین کا ایک گھونٹ پیو گے تو فوت ہو جاؤ گے تو وہ اتنی ہی سنجیدگی سے کہے گا۔ "آپ ایک گھونٹ کی بجائے دو تین گلاس پیجئے گا بھائی جان ---- کچھ نہیں ہو گا" ---- اس رات ہم بے حد تھکے ہوئے تھے لیکن وہ ہمیں بھیڑوں کی طرح آگے لگا کر اسلام آباد کی صنعتی نمائش دکھانے لے گیا ---- بھائی جان بو تلیں ---- قصہ مختصر اس نے ہماری خوب خاطریں کیں ----

ٹیکسلا کے پتھر سے اب مجسمے نہیں تراشے جاتے بلکہ اس سے گملے اور مصالحہ

گھوٹنے کے لیے کونڈیاں تیار کی جاتی ہیں اور آپ ان کی قطاروں میں سے گزرتے جاتے ہیں ---- بدھ تاریخ دانوں کے مطابق ٹیکسلا مہاتما بدھ کی زندگی میں گندھارا کا صدر مقام تھا ---- اور گندھارا کیا ہے؟

گندھارا صوبہ سرحد کے ایک حصے کا نام ہے ---- بدھ ازم یہاں تیسری صدی قبل از مسیح میں آیا ---- یہ چھوٹا سا علاقہ اپنی شاندار تہذیب اور پر امن ثقافت کے اثرات روس کے دریا آمو تک لے جاتا ہے اور ادھر چین کے سرحدی علاقوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں ---- ۵۱۸ قبل مسیح کے ایک ایرانی کتبے میں اسے گندھارا کہا گیا ہے۔ آتش پرست ایرانی یونانی اور بدھ اسے اپنا مقدس وطن کہتے تھے۔ فن مجسمہ سازی میں گندھارا کی الگ پہچان ہے۔ گندھارا کے مجسمے یونانی اثرات میں گندھے ہوئے ہیں ---- کہا جاتا ہے کہ پہلے مہاتما بدھ کا مجسمہ نہیں بنایا جاتا تھا اور اس کی پرستش کرنے کا رواج نہ تھا ---- پھر کنشک نے بدھ ازم کی چوتھی کونسل بلائی جو کشمیر کونسل بھی کہلاتی ہے اور اس میں کئی اہم فیصلے کیے گئے ---- کہا گیا کہ روم اور یونان کے دیوتاؤں کی طرح مہاتما بدھ کے مجسمے بھی تراشے جائیں تاکہ مجسمے کو دیکھ کر خوبصورتی اور امن کا احساس ہو نہ کہ بد ہیئتی اور کراہت کا۔ چنانچہ روایت ہے کہ یونان سے چند مجسمہ سازوں کو بھی بلایا گیا تاکہ وہ مقامی مجسمہ سازوں کو اپنے طریق کار سے آگاہ کر سکیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گندھارا کا مہاتما بدھ دراصل یونانی دیوتا اپالو کی کاپی ہے ---- لیکن میں سمجھتا ہوں کہ گندھارا کا یونانی سنگ تراشی سے میل جول تو ہوا لیکن اس کے اثرات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے ---- عجائب گھروں میں مجھے رومی اور یونانی مجسمے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ---- ان میں وہ پوتر تا اور وہ امن مفقود ہے جو گندھارا کے تراشیدہ مجسموں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گندھارا کا بُت تراش تفصیل میں جاتا ہے اور ناخن برابر پتھر سے ایک شاہکار تخلیق

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کر لیتا ہے جبکہ یونانی بڑے بڑے اور اونچے مجسمے بنانے پر یقین رکھتے ہیں یہ نہیں کہ گندھارا عہد میں بڑے بڑے مجسمے نہیں بنائے گئے --- بامیان کے عظیم بدھ مجسمے بھی اس دور کی یادگار ہیں اور ٹیکسلا کے دھرم راجیکا سٹوپا میں ایک مجسمے کی بلندی چالیس فٹ کے قریب تھی۔ چینی بھکشو فاہیان ظاہر ہے ادھر بھی آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

"چنانچہ اس مقام سے مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے ہم پانچ روز میں گندھارا کے ملک میں پہنچے جہاں بادشاہ اشوک (غالباً اشوک اعظم نہیں) کا بیٹا فا آئی حکمران تھا یہی وہ جگہ ہے جہاں بدھ نے ایک پچھلے جنم میں ایک ساتھی انسان کے لیے اپنی آنکھوں کی قربانی دے دی تھی پھر یہیں پر چاندی اور سونے سے مرصّع ایک پگوڈا تعمیر کیا گیا تھا --- اس مقام سے مشرق کی جانب سات روز کے سفر کے بعد تاکشاسیلا کا ملک ہے جس کا چینی زبان میں مطلب ہے "سر قلم کرنا" جب بدھ ایک پچھلے جنم میں بدھستوا کے روپ میں تھا تو اس نے یہاں پر اپنے ساتھی انسان کی خاطر اپنا سر قلم کر دیا تھا اور اسی لیے یہ نام تاکشاسیلا---"

ایک اور روایت کے مطابق ٹیکسلا "پتھر کے شہر" کو کہتے ہیں --- یوں بھی ٹیکسلا کے کئی شہر تھے۔ بھیر ٹیلہ جہاں راجہ امبی نے سکندر اعظم کا استقبال کیا اور اسے تین ماہ تک اپنا مہمان رکھا --- سرکپ کا یونانی شہر جس کے شمالی دروازے کے سامنے ایک عظیم یونانی مندر جنڈیال تعمیر کیا گیا تھا اور جہاں اشوک کے بیٹے کنالا کو اس کی سوتیلی ماں نے اندھا کر دیا تھا --- اور پھر سرسُکھ جسے کشان بادشاہ کنشک نے تعمیر کروایا تھا --- ان تینوں شہروں کے ناموں میں ایک حیرت انگیز مماثلت ہے جس کے بارے میں پتہ نہیں کسی محقق نے غور کیا ہے یا نہیں --- یہ تینوں نام پنجابی زبان

میں ہیں --- بھیڑ ٹیلہ یعنی ایسا ٹیلہ جہاں لوگ بہت ہوں۔ سرکپ --- یعنی جہاں سر کو کاٹا گیا --- پنجابی میں کپنا کاٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور سرسُکھ --- یعنی وہ جو سر کو سُکھ دے ---

ٹیکسلا کی درس گاہوں کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور ان میں ہندوستان کے مختلف حصوں کے علاوہ چین منگولیا اور افغانستان اور روس سے بھی طالب علم آتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے نصاب میں قانون و تاریخ اور فلسفہ وغیرہ کے علاوہ صرف ایک مضمون ایسا ہے جو آج کل کی یونیورسٹیوں میں نہیں پڑھایا جاتا اور وہ ہے "ہاتھیوں پر سواری کا فن"---

نیلی کار پشاور روڈ پر یکساں رفتار سے رواں تھی اور ہم سوات جا رہے تھے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

درّہ مالاکنڈ اور چرچل چوکی!

مانسہرہ سے کچھ فاصلے پر ایک عجیب قبرستان دکھائی دیا وہاں قبروں کے ڈھیر تو کب کے زمین کے ساتھ لگ چکے تھے لیکن ان کی نشانیاں ہزاروں پتھر ایک وسیع علاقے میں بکھرے ہوئے نظر آتے تھے --- اور ہر پتھر کی اپنی ایک الگ شخصیت تھی جیسے اس کے نیچے مٹی میں مٹی ہوئے انسان کی کچھ شکل اس میں ڈھل گئی ہو اور یوں وہ سب لگتے یہی تھے کہ شائد کبھی زندہ تھے اور اب پتھر ہوئے اور خاموش ہوئے پر وہ سب --- ہزاروں کی تعداد میں ادھر دیکھتے تھے جدھر ہماری نیلی کار سوات کو جاتی تھی۔

اٹک خورد میں ہم سڑک سے نیچے زمین میں پوشیدہ ہوتی ایک قدیم عمارت کو دیکھ کر رکے کہ یہ کیا ہے جو اتنی عالی شان ہے اور جسے ہم نے ٹورازم والوں کے کسی کتابچے میں آج تک نہیں دیکھا --- یہ بہرام کی بارہ دری تھی۔ بچے میرے منع کرنے کے باوجود سڑک سے اتر کر ایک محرابی دروازے کے راستے اس کے وسیع صحن میں چلے گئے اور وہاں سے مجھے ہاتھ ہلا ہلا کر نیچے آنے کو کہا۔

"بہرام کی بارہ دری دیکھ آئیں؟" میں نے میمونہ کی طرف دیکھا۔

"دکھائی تو دے رہی ہے۔" وہ کہنے لگی۔

"چلو بچو ---" میں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں پکارا --- وہ بھاگتے ہوئے

واپس آئے اور کار میں سوار ہو گئے۔

اٹک کا شاندار اور پر ہیبت قلعہ --- دو دریاؤں کے دو رنگ پانی پہلو بہ پہلو۔ سڑک کے کنارے پھولوں کی دکانیں سجی تھیں اور دوکاندار گلاب کے ہاروں پر پانی چھڑکتے تھے ---

"یہاں پھول کون خریدتا ہو گا ---" ذہن میں آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک بورڈ نظر آگیا۔ "خوشحال خان خٹک کا مزار" ایک راستہ دور تک جاتا تھا لیکن میں فی الحال ادھر نہیں جا سکتا تھا کیونکہ جہاں میں جا رہا تھا وہاں خوشحال خان خٹک ہی تو مجھے بھیج رہا تھا --- وادیٔ سوات بادشاہوں کے دلوں کو خوشی سے بھر دیتی ہے ---

کنڈ کے مقام پر پتھر کے بنے ہوئے بے شمار گھر دکھائی دیئے۔

نوشہرہ میرے اندازے سے بہت بڑا شہر نکلا --- یوں لگا کہ نو شہر ہیں --- یہاں میرا چھوٹا بھائی میجر مبشر حسین تارڑ آرمی کا کوئی کورس اٹینڈ کر رہا تھا اس کے ساتھ ملاقات بہت مختصر ہوئی کہ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور میں نے ایک انجانے راستے پر جانا تھا جہاں شام نہیں ہونی چاہئے تھی۔ مجھے کسی نے مشورہ دیا تھا کہ کچھ بھی ہو درہ مالاکنڈ دن کی روشنی میں عبور کرنا چنانچہ ہم نے اپنا وہ کھانا جو ہمیں وہیں کھا لینا چاہئے تھا پیک کروایا اور نوشہرہ سے پشاور جانے والی شاہراہ پر بنے ہوئے پل کو کراس کر کے رسالپور کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں رشکئی آیا جسے پاکستان بھر کی خواتین رشک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں کیونکہ یہاں غیر ملکی اشیاء کی ایک بہت بڑی مارکیٹ ہے۔ میری خاتون خانہ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے میاں کی جیب میں جتنی رقم ہے اس سے یا تو غیر ملکی کپڑے کے چند جوڑے خریدے جا سکتے ہیں اور یا پھر سوات کی سیر ہو سکتی ہے --- مردان شہر میں سے ہوتے ہوئے ہم گجر گڑھی میں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

سے گزرے۔ یہاں سڑک کی حالت ناگفتہ بہ تھی اور ہمیں باقاعدہ رینگنا پڑا کیونکہ دیوزاد ٹرکوں کے دھول اور کنکر اڑاتے ٹائروں کے سامنے نیلی کار کی کیا حیثیت تھی جو دراصل ان کے ٹائروں کے سائز سے قدرے بڑی تھی --- یہ لینڈ سکیپ میرے لیے بالکل اجنبی تھی --- تخت بائی کا قصبہ آیا تو سہی لیکن ہم رک نہیں سکتے تھے شام ہونے والی تھی اور ہمیں درہ مالا کنڈ عبور کرنا تھا۔ تخت بائی کی پہاڑی پر واقع بدھ عبادت گاہ کے وسیع کھنڈر ابھی میرا انتظار کر سکتے تھے --- دو ہزار برس میں ایک آدھ برس اور سہی --- اور ہم رکے بغیر آگے چلے گئے۔ تخت بائی کے بعد بے شمار چھوٹے چھوٹے قصبوں سے گزر ہوا جن میں خوشحالی ایک مشترک خوبی تھی۔ ان میں کچھ تو "آباد" تھے یعنی حکیم آباد' قیصر آباد وغیرہ ایک دو "گڑھ" تھے یعنی شیر گڑھ اور کچھ "کلے" تھے --- مثلاً جان خان کلے اور حاجی غالنہ کلے وغیرہ --- اس پر سب بچہ لوگ نے خوب شور مچایا کہ دراصل یہ سب لوگ باکسر محمد علی کلے کے نزدیکی عزیز ہیں اس لیے ناموں کے ساتھ "کلے" لکھتے ہیں --- درگئی سے ذرا آگے گئے تو مالا کنڈ کا خشک درہ شروع ہو گیا --- ایک خشک اور بے شکل سلسلہ کوہ میں ایک سڑک اوپر اٹھتی تھی --- میں نے پوری توجہ ہاتھ اور پاؤں کی بریکوں میں منتقل کی اور ہم اس سڑک کے ساتھ ساتھ اوپر اٹھنے لگے۔ ٹریفک بہت کم تھی البتہ ہر سو قدم پر اینٹوں سے لدا ہوا ایک ٹرک دھواں اگلتا اور نزع کے عالم میں خرخراتا نظر آتا اور ہم اسے آسانی سے اوورٹیک کر لیتے --- ایک موڑ پر ایک صاحب کھڑے ہاتھ ہلاتے جا رہے تھے۔ یہ ایک ایسے دوکاندار تھے جن کی دوکان تو سڑک سے اوپر ایک چٹان کے سائے میں تھی اور وہ خود سڑک پر کھڑے ہو کر دوکانداری کر رہے تھے ہم نے کار روک دی۔

"کیا چاہئے صاحب؟" وہ قریب آ گیا۔

"آپ کے پاس کیا ہے؟"

اس نے فوراً فہرست سنا دی چنانچہ ہم نے چیونگم کے ایک پیکٹ کا آرڈر دے دیا وہ غریب کوہ پیماؤں کی طرح چٹان پر چڑھتا گیا اور پہنچ کر چیونگم جیب میں ڈالی اور پھر لڑھکتا ہوا نیچے آ گیا۔

"چیونگم صاحب --- تین روپے۔"

میں نے رقم ادا کی اور پوچھا۔ "آپ دوکان ادھر سڑک کے کنارے کیوں نہیں بنا لیتے؟"

اس نے سر کھجایا اور کہنا لگا' ایک شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ "کبھی خیال ہی نہیں آیا۔"

ہم پھر پر پیچ سڑک میں گھومنے لگے۔

مالا کنڈ کی چڑھائی ختم ہو گئی ٹاپ پر ایک بازار تھا اور اوپر انگریزوں کے زمانے کا قلعہ ---

ہم دوسری جانب وادی سوات میں اترنے لگے --- بائیں طرف درختوں اور کھیتوں میں گھری ایک سیدھی سڑک دیر اور چترال کی طرف جا رہی تھی --- ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا لیکن مالاکنڈ پاس کا بیشتر حصہ چھاؤں میں آ چکا تھا --- سڑک جیسے نیچے بیٹھتی گئی اور جب یہ بالآخر ہموار ہوئی تو ہم بٹ خیلہ کے قصبے میں سے گزر رہے تھے --- بٹ خیلہ ایک بڑی آبادی والا اور شہری سہولتیں رکھنے والا قصبہ تھا۔ اس کی وسعت میرے لیے حیران کن تھی --- یہاں کے سول ہسپتال میں میرے ایک دوست ڈاکٹر ارشد محمود تاجک تعینات تھے اور میں ان سے ملنا بھی چاہتا تھا لیکن وقت کم تھا اور ڈوبتے سورج کے ساتھ مقابلہ سخت اور میں نے رفتار اور تیز کر دی --- آبادی ختم ہوئی اور سڑک کے آس پاس کھیت اور باغ ظاہر ہونے لگے۔

سامنے چرچل چوکی نظر آئی ---

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"بچوں برطانیہ کا وزیراعظم ونسٹن چرچل وہ سامنے والی برجی میں بیٹھ کر اس درے پر پہرہ دیا کرتا تھا۔"

"سچ ابو؟" سمیر کی آنکھیں حیرت سے کھلیں "برطانیہ کا وزیراعظم تھا اور اس چھوٹی سی برجی میں رہتا تھا --- یہاں سے روزانہ برطانیہ کیسے جاتا تھا؟"

آج کل کے بچوں کے ساتھ ایک بڑی پرابلم ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ آپ کی ٹانگ کھینچ رہے ہیں یا معصومیت سے کوئی سوال پوچھ رہے ہیں ---

"بھئی وہ اس وقت تو ایک عام برطانوی سپاہی تھا وزیراعظم تو بعد میں بنا ---" میں نے ذرا منہ بنا کر جواب دیا "ذرا سوچو کہ اگر چرچل بھی بیشتر انگریزوں کی طرح کسی پٹھان نوجوان کی گولی کا نشانہ بن کر یہیں مالاکنڈ کے کسی گورا قبرستان میں پڑا ہوتا تو انسانی تاریخ کتنی مختلف ہوتی ---"

"مثلاً؟" سلجوق نے صرف میرا دل رکھنے کے لیے پوچھا ورنہ اسے چرچل وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔

"مثلاً یہ کہ اسرائیل کبھی وجود میں نہ آتا اور شاید انگریز دوسری جنگ عظیم ہار جاتے --- اور کیا تم جانتے ہو کہ چرچل پٹھانوں کے حملے سے اتنا خوفزدہ تھا کہ یہیں پر اس نے برانڈی پینی شروع کی تھی ---"

"یہ برانڈی کیا ہوتی ہے ابو۔" عینی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "دیکھتی نہیں کہ میں مالاکنڈ جیسے خطرناک پاس میں ڈرائیونگ کر رہا ہوں۔ چپ ہو کر بیٹھو۔"

"یا تو آپ بچوں کو لیکچر نہ دیا کریں۔" میمونہ نے عینی کو تھپک کر کہا "اور اگر اتنا شوق ہے تو دیکھ لیا کریں کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا ---"

وہ لمحہ، جس کیلئے مہاتما بدھ نے تپسیا کی تھی!

یکدم خاموشی سی ہو گئی۔ جیسے وقت رواں ہو اور ہماری کار رک گئی ہو۔

اور پھر ہم پانچوں کو کچھ ہوا ---

ہم شاید اس سفر کے علاوہ کسی اور سفر میں چلے گئے اور ہم دور تک چلتے گئے یہاں تک کہ ہم نے اپنے آپ کو بھی پیچھے چھوڑا اور ہمارے گرد ایک نئی دنیا ظاہر ہونے لگی جسے ہم نہیں جانتے تھے۔ ہم وہ مسافر تھے جو جانے کتنی صعوبتوں اور دکھوں کے بعد سوکھے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے ایک عجیب وادی میں پہنچے تھے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ جب ہم یہاں پہنچیں گے تو ہمارے سامنے یہ وادی ہو گی --- ہماری آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی اور ہمارے جسم زندہ اور ہلکے ہو رہے تھے --- ہمارے وہم میں نہ تھا اور ہمارے گمان میں نہ تھا کہ اگر اپریل کے مہینے میں انسان لاہور سے مالاکنڈ تک سفر کرے اور پھر ڈوبتے سورج کے ساتھ وادی سوات میں اترے تو اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے --- وہ کیسے ایک ایسے طلسم کے گھیرے میں آ جاتا ہے کہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھلنے لگتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ بس یہی وہ لمحہ ہے جس کے لیے گوتم بدھ نے اتنی تپسیا کی ---

نیلی کار آہستہ ہوتی گئی۔

پہلے وادیٔ سوات کی ایک خوشبو کار کے اندر آئی اور یہ خوشبو بہت ہی اجنبی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اور ہر لمحہ پھیلتی ہوئی تھی شاید یہ سفید پھولوں کے ان گچھوں میں سے پھوٹتی تھی جو سڑک کے دو رویہ کھڑے درختوں سے چینی لالٹینوں کی طرح لٹکتے تھے اور شام کی ہوا میں جھومتے تھے --- یا ان کھیتوں اور باغوں میں سے فرار ہوتی تھی جو دور تک --- وہاں تک جہاں افق پر دھندلاتے پہاڑوں پر برف سفید تھی وہاں تک جاتے تھے اور یہ سب کے سب ڈوبتے سورج کی زرد کرنوں سے زرد اور پر امن ہوئے جاتے تھے۔ ہوا میں خوشبو تیرتی تھی اور پھیلتی تھی اور اس میں وہ آسودہ ٹھنڈک تھی جو گرمی سے جلے ہوئے جسموں کو آسودگی عطا کرتی ہے۔

میں نے کار روک دی۔

ہم سب باہر آئے تو ہمارے سائے لمبے ہوتے گئے اور پوری لینڈ سکیپ زرد ہو رہی تھی اور اس میں بچوں کے چہرے بھی زرد دکھائی دیتے تھے اور میمونہ کا سفید دوپٹہ جیسے بسنتی ہو رہا تھا --- سب کچھ ٹھہرا ہوا تھا ہم سانس بھی لیتے تو آہستہ آہستہ اور ہم دیر تک آپ ہی آپ مسکراتے رہے اور اپنے آپ میں مگن رہے --- اور وہ نامانوس مہک ہمارے آس پاس تیرتی ہمارے بدنوں میں سرایت کرتی تھی --- ہمیں کسی نے بھی اس منظر اور اس کے مکمل زرد افق کے لیے تیار نہیں کیا تھا اسی لیے ہم اور بھی حیرت زدہ تھے کہ لوگ کیا اس طلسم کو دیکھتے نہیں --- یا شاید سوات صرف اپریل کے آخر میں ایسا ہوتا ہے --- میں تو اس لمحے کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ ایک آسمانی احساس تھا جو ہم میں اترتا تھا اور وہ زرد ٹھنڈک والی دھوپ جو دور تک ہر رنگ پر غالب آتی تھی --- سڑک کے ساتھ کھیتوں کے بیچ ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی بچے نیچے اتر کر پانی پینے لگے ---

"اچھا ہوا ہم نے سوات دیکھ لیا ---"

میمونہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور وہ سرد ہوتی ہوا میں چہرہ اونچا

کیے اس تیرتی خوشبو کو اپنے بدن میں اتارتی تھی۔ بچے واپس آئے تو ان کے گریبان تر بتر تھے۔ "بہت زبردست پانی ہے ابو --- فرج سے بھی ٹھنڈا ---" عینی ہنستی ہوئی کہہ رہی تھی اور اس لمحے اس کا چہرہ بہار کی زردی سے پیارا ہوتا تھا۔

"ہمیں آج تک کسی نے کیوں نہیں بتایا کہ سوات اتنا خوبصورت ہے؟" میمونہ کہنے لگی۔

"شاید یہ نہیں ہے اور ہمیں دکھائی دیتا ہے۔" میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی کتابیں پڑھتے ہوئے کچھ ایسے مقام آتے تھے جب میں سوچتی تھی کہ آپ رنگ آمیزی کر رہے ہیں اور منظر کو چمکیلا اور خوبصورت کرنے کی خاطر یہ زبان استعمال کرتے ہیں ---" میمونہ کہہ رہی تھی "لیکن --- وہ منظر بھی ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔"

"ہاں ---" میں نے سر ہلایا "پر ان سب میں یہ مہک نہیں تھی جو ہماری کار کے لوہے میں بھی سرایت کرتی جاتی ہے۔"

میں کار بے حد آہستہ آہستہ چلا رہا تھا اور کئی بار سڑک پر میرے سامنے اپنی ہی کار کا سایہ طویل ہونے لگتا --- تب عینی نے سمیر کے کان میں سرگوشی کی کہ ہم سب نے ناشتے کے بعد اب تک کچھ نہیں کھایا اور نوشہرہ سے پیک کروائے ہوئے چپلی کباب ابھی تک ٹوکری میں رکھے ہیں --- ہم نے سوچا کہ کسی مناسب جگہ پر رکیں گے لیکن اس کے بعد ہم پانچوں کو پھر کچھ اور ہو گیا اور ہم پھر ایک اور سفر کے اندر ایک اور سفر میں چلے گئے --- پھلوں کے باغ سڑک کے ساتھ آ گئے اور پھر شاید سڑک غائب ہو گئی کیونکہ ہر جانب باغ ہی باغ تھے اور ان کے کچے پھلوں کی خوشبو تھی اور ہماری کار ان میں راستہ بناتی ہوئی چلتی تھی اور صرف گھنے باغ ہی نہ تھے بلکہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ان کے اندر گلابوں کے جنگل کھلے ہوئے تھے۔ یہ جنگلی گلاب درختوں کی چوٹیوں تک جا کر لٹکتے تھے اور گھاس میں بکھرے ہوئے تھے اور گھروں کی چھتیں بنے ہوئے تھے اور باغوں کی چار دیواریاں ڈھکے ہوئے تھے۔ ڈھلتے سورج کی زردی ان کے آگے بے بس تھی اور وہ اپنے رنگ میں گلاب ہی دکھائی دیتے تھے --- بچے حیران تھے کہ کیا اتنے پھول بھی ممکن ہیں اور میں حیران تھا کہ کسی نے مجھے آج تک گلابوں کے اس جنگل کے بارے میں کیوں نہیں بتایا جو بہار رت میں یہاں کھلتا ہے --- سڑک کے کنارے کہیں کہیں چٹے گورے سواتی بچے نظر آتے اور وہ ہمیں اپنے ہاتھوں میں پکڑے گلابوں کے ہار بلند کر کے دکھاتے --- میرے بچے جواب میں ہاتھ ہلاتے --- یہ ایک عجیب خواب ناک سفر تھا جس میں ہم سب تھے --- روشنی کم ہو رہی ہے کسان کھیتوں سے گھروں کو لوٹ رہے ہیں، نیلی کار بالکل سلوموشن میں چل رہی ہے اور اس پر جنگلی گلابوں کا جنگل جھکا ہوا ہے اور کہیں کوئی بچہ ہاتھوں میں ہار جھلاتا ہوا ہمیں دیکھتا ہے ---

"اچھا ہوا ہم نے سوات دیکھ لیا ---" میمونہ نے پھر کہا۔

ایک بہت ہی گلابی بچی سڑک کے کنارے گلاب لئے کھڑی تھی میں نے بریک پر پاؤں رکھ دیا اور وہ بھاگ کر ہمارے قریب آ گئی وہ گلابوں میں گلاب ہوتی تھی بچوں نے اس سے ہار لے کر کار میں لٹکائے اور بچی کو دو روپے دے دیئے ---

"یہاں قریب ہی اگر کوئی ہوٹل ہو تو میں کم از کم ایک رات یہاں بسر کرنا پسند کروں گا --- کیا خیال ہے؟" ---

"میرا تو خیال ہے کہ جتنے دن رہنا ہے یہیں رہ جائیں اس سے زیادہ خوبصورت جگہ اور کہاں ہو گی۔"

اور یہ حقیقت ہے کہ سارا سوات ایک طرف اور ماہ اپریل کا تھانہ ایک طرف

کیونکہ اس علاقے کا نام تھانہ تھا --- چند کسان کچھ بوریاں اٹھائے کھیتوں میں سے نکل کر سڑک پر آئے تو میں نے کار روک لی اور آس پاس کسی ہوٹل کے بارے میں دریافت کیا۔

"ہوٹل؟" وہ سوچ میں پڑ گئے۔

"صاحب ادھر قصبے میں ہوٹل تو ہے ---" ایک بوڑھا داڑھی سنوارتا ہوا بولا "لیکن آپ کا پوزیشن کا نہیں ہے۔"

"خان صاحب ہماری پوزیشن کوئی خاص نہیں ---" میں نے ہنستے ہوئے کہا" آپ نام بتائیں۔"

"نام تو نہیں صاحب --- بس آپ کو چارپائی وغیرہ مل جائے گا --- صاحب آپ منگورہ جاؤ ---"

میں نے ان کے وطن کی تعریف کی اور پھر شکریہ ادا کر کے کار دوبارہ سٹارٹ کر دی --- تھانہ کے باغ ذرا کم ہوئے اور وادی پھیلنے لگی اور کہیں کہیں دریائے سوات بھی دکھائی دینے لگا اور وہ اتنا قریب نہ تھا۔ ہم خاصے گم سم تھے اور باہر دیکھتے جاتے تھے۔ کھیتوں میں سرسوں پھولی تھی اور ان میں جنگلی گل لالہ کے چھینٹے ہر جگہ تھے۔

درختوں کے ایک جھنڈ کے ساتھ ایک قبرستان دکھائی دیا اور وہاں ساری قبروں پر کاسنی رنگ کے بڑے بڑے پھول سینکڑوں کے حساب سے کھلے ہوئے تھے --- ہم پاس سے گزر گئے لیکن اگلے قبرستان میں ہمیں رکنا پڑا کیونکہ وہ اپنے پھولوں کی بہتات سے ہمیں روکتا تھا کہ اتنی جلدی بھی کیا ہے پل بھر کے لیے آرام کر لو پھر بعد میں ہمیشہ کے لیے تو آنا ہی ہے۔ ہم نے کھانے کی ٹوکری نکالی اور کار مقفل کر کے قبرستان میں چلے گئے --- اس کے ساتھ ہی سیبوں کا ایک باغ تھا جس کی گھاس میں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

پتیاں کم تھیں اور چھوٹے چھوٹے پاپی یعنی گل لالہ زیادہ تھے --- سیب ابھی کچے نہیں تھے --- ہم نے کھانا نکال کر گھاس پر رکھا کیونکہ وہ ہمارے کسی بھی دستر خوان سے زیادہ صاف اور خوشبودار تھی اور کھانے لگے --- سیب کے درختوں کے اندر شام تھی سوائے آخر میں ایک دیوار پر جہاں ابھی تک زرد کرنیں پڑتی تھیں اور پھر ہمارے سامنے وہ دیوار بھی شام میں ہوئی اور ہم اٹھ بیٹھے۔ قبرستان میں ایک بوڑھا شخص گھٹنوں کے بل ایک قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس پر اگنے والی گھاس کو اکھاڑ رہا تھا قریب سے گزرتے ہوئے میرے بچوں نے حسب عادت "بابا جی السلام علیکم" باری باری کہا تو وہ بے حد خوش ہوا اور وعلیکم السلام کہتا ہوا سر ہلانے لگا ---

"بابا جی یہ قبر کس کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ --- یہ میری اماں جی کی ہے۔" وہ بولا۔

"آپ کی والدہ کی؟"

"جی ---" وہ جیسے بچہ بن گیا۔ "میری اماں جی کی ---"

اس کی والدہ کی قبر پر بھی کاسنی پھولوں کے ڈھیر کھلے ہوئے تھے۔

"ان قبروں پر آپ پھول خود لگاتے ہیں؟"

"جی --- یہ ان کا گنڈا ہوتا ہے --- پیاز کی طرح تو ہم قبر کے اوپر لگاتے ہیں تو پھر یہ خود بخود زیادہ ہو جاتا ہے ہر سال ---"

میں جانتا تھا کہ یہ پھول اور اتنے بڑے سائز کے صرف بلبوں سے اگائے جا سکتے ہیں۔

"آپ قبروں پر پھول کیوں لگاتے ہیں؟"

"کیوں؟ ---" اس نے میری طرف دیکھا کہ کیا سوال ہے اور پھر اپنی والدہ کی قبر کے پاس بیٹھ کر کہنے لگا۔ "صاحب یہ مرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں' اللہ

تعالیٰ کی ثناء کرتے ہیں۔"

میں نے میمونہ کی طرف دیکھا لیکن وہ بڑے غور سے بابے کی باتیں سن رہی تھی۔

"کیسے دعا کرتے ہیں --- اور ثناء کرتے ہیں؟"

"صاحب یہ پھول خوبصورت ہیں ناں --- تو ہر شے جو خوبصورت ہے وہ بنانے والے کی ثنا کرتی ہے کہ دیکھو مجھے کس نے بنایا --- اور جب کوئی قبرستان کے قریب سے گزرتا ہے اور پھولوں کو دیکھتا ہے تو وہ رکتا ہے اور پھر مرنے والے کے لیے دعا کرتا ہے --- اگر پھول نہ ہوں تو وہ کیسے رکے گا' خالی قبر کو دیکھ کر کون رکتا ہے ---"

بابے نے کیا زبردست بات کی تھی ہر خوبصورت شے بنانے والے کی ثناء کرتی ہے کہ دیکھو بنانے والے نے مجھے کیسا بنایا۔

"اس علاقے کا نام کیا ہے؟"

"منڈاکے۔"

میں نے قبرستان کی ایک تصویر بنائی اور ہم فرداً فرداً بابا جی کو سلام کر کے باہر آ گئے --- سورج غروب ہو چکا تھا اور ابھی ہم سفر میں تھے ---

غالیگے کے قریب ایک بہت بڑا پاغ تاریکی میں گم ہو رہا تھا یہیں کہیں چٹان میں مہاتما بدھ کا کوئی مجسمہ تھا جس کے خدوخال ہزاروں برس کی ہواؤں میں ریزہ ریزہ ہو چکے تھے لیکن اس کے زانو ابھی تک قائم تھے ---

بریکوٹ پہنچے تو شام گہری ہو چکی تھی اور میں نے کار کی لائٹس روشن کر دیں۔ تاریکی کے باوجود سامنے پہاڑوں پر جمی برف کی سفیدی دکھائی دے رہی تھی

---

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اوڈے گرام کا قصبہ بھی قریب ہی تھا۔۔۔ بریکوٹ اور اوڈے گرام وہ دو مقام ہیں جن کے بارے میں قیاس ہے کہ ان کے یونانی نام بزیرہ اور اورا تھے اور ۳۲۷ قبل مسیح میں سکندر اعظم نے ذاتی طور پر ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا تھا۔۔۔ اریَن نے بھی لکھا ہے کہ وادی بُنر اور بزیرہ میں سکندر اعظم اپنی فوج کی کمان خود کر رہا تھا۔۔۔

منگورہ اور پورے چاند کی بھاری پتنگ!

منگورہ کے آثار شروع ہو گئے۔۔۔ ہاں ذرا اُدھر سڑک کے دائیں طرف ایک باغ کے پار پہاڑی کے دامن میں ایک سٹوپا نظر آیا جسے میں نے واپسی کے لیے سنبھال لیا۔

منگورہ کی جو خیالی تصویر میرے پاس تھی اس میں ایک خشک پہاڑی پر پھیلا ایک چھوٹا سا قصبہ نما گاؤں ہے جو شام ڈھلے تاریکی میں ڈوب جاتا ہے' کتے بھونکنے لگتے ہیں اور لوگ کنڈیاں چڑھا کر سو جاتے ہیں اور ہاں ایک جانب والئی سوات کی کوٹھی ہے اور پولیس کے چند سپاہی پرانی وردیوں میں ملبوس اونگھ رہے ہیں۔۔۔ اور جو منگورہ میں نے دیکھا اس نے مجھے شرمندہ کر دیا کہ یہاں پاکستان میں ایک اتنا بڑا اور ایک وسیع علاقے میں پھیلا ہوا جدید شہر ہے اور میں اس کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا تھا' دس کلو میٹر اُدھر چلے جائیں تو منگورہ اور دس کلو میٹر اِدھر چلے جائیں تو منگورہ۔۔۔ رکشے چل رہے ہیں اور تانگے رواں ہیں روشن اور طویل بازار بسوں کے اڈے اور ریستوران ہوٹل۔۔۔ وہی پیکڈ فروٹ جوس' دہی اور آئس کریم وغیرہ جو آپ کو لاہور میں ملتے ہیں۔۔۔ میرے لیے اس شہر کا بڑا ہونا ایک صدمے سے کم نہ تھا۔۔۔ گلابوں کے جنگل اور زرد ٹھنڈک کی مہک تو پیچھے رہ گئی اور سامنے کاروں اور ویگنوں کی ٹل لائٹس تھیں۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

پل کے پار "پامیر ہوٹل" تھا --- ایک دوست نے اس ہوٹل کے بارے میں تعریفی کلمات کہے تھے اور کہاں تھا کہ آنکھیں بند کر کے چلے جانا --- ہم آنکھیں بند کر کے گئے تو سامنے ایک فلی ایئر کنڈیشنڈ چار سٹار ہوٹل کی نئی نکور اور جدید عمارت کو پایا اور ہماری سٹی گم ہو گئی کہ ہم تو غریب غرباء تھے اور یہ ہوٹل ہماری جیب سے باہر دکھائی دیتا تھا --- بہرحال سوچا یہ کہ کم از کم ایک شب تو گزاری جائے پھر دیکھا جائے گا --- ہوٹل کے اندر گئے تو حواس مزید گم ہوئے کہ لاؤنج بھی نہایت اعلیٰ درجے کا تھا، رنگین ٹیلی ویژن چل رہا تھا اور مہمان حضرات کوئی انگریزی فلم دیکھ رہے تھے میں نے سوچا یا وحشت یہ تو ویرانے میں بہار آئی ہے۔ استقبالیہ پر جو صاحب کھڑے تھے وہ نہایت محبت کے ساتھ پیش آئے اتنی دیر میں ہوٹل کے مالک کے بیٹے اقبال خان آ گئے --- اقبال صاحب نہایت گورے چٹے اور تنو مند نوجوان تھے اور انہوں نے ہماری آمد پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا --- ہوٹل کے رجسٹر پر نام پتے کا اندراج کرتے ہوئے میں نے اقبال صاحب سے کہا کہ جناب آپ کے ہوٹل کا آرام چھوڑ کر کہیں جانے کو جی تو نہیں چاہے گا لیکن ہم ذرا مختصر بجٹ کے ساتھ آئے ہیں اس لیے شاید کل کوچ ہو جائے اس پر اقبال صاحب ذرا ناراض ہو گئے اور کہنے لگے "آپ ہمارے بھائی ہیں اور اتنی دور سے ہمارے پاس آئے ہیں --- آپ ہمارے مہمان ہیں اس لیے آپ بھول جائیے کہ آپ کو کرایہ بھی ادا کرنا ہے ---" اس دوران بڑے خان صاحب عزیز الرحمٰن خان صاحب بھی آ گئے انہیں دیکھ کر اقبال صاحب مودب ہو گئے۔ بڑے خان صاحب نے بھی بے پناہ محبت کا اظہار کیا اور کہنے لگے کسی قسم کا فکر نہ کریں آرام سے سوات دیکھیں --- چنانچہ مجھے کچھ تسلی ہوئی کہ ان خالص اور محبت کرنے والے پختونوں کی موجودگی میں مجھے کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں --- مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوئی کہ اگر بڑے خان صاحب یہ

ہوٹل منگورہ کی بجائے اسلام آباد یا کراچی میں بناتے تو شاید بے پناہ فائدے میں رہتے لیکن ان کا کہنا تھا کہ ٹھیک ہے یہاں فائدہ تو زیادہ نہیں لیکن کم از کم ہم سوات کی خدمت تو کر رہے ہیں اور اپنے بھائیوں کی مہمان نوازی کر رہے ہیں --- انہوں نے ہمارے آئندہ پروگرام کے بارے میں دریافت کیا اور پورے سوات کے نقشے میز پر پھیلا کر منصوبہ بندی میں ہماری مدد کی ---

"پامیر ہوٹل" کی دوسری منزل پر واقع کمرے کی ایک بڑی کھڑکی منگورہ پر کھلتی تھی اور منگورہ پر رات اتر چکی تھی۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جیسے بے شمار جگنو چمٹے ہوئے جگمگا رہے تھے --- سب سے پہلے تو غسل خانے کا آزادانہ استعمال ہوا اور پھر کپڑے بدلنے کے بعد ہم ایک مرتبہ پھر نیچے استقبالیہ کے سامنے آ گئے ---

"آپ اس وقت کہیں جا رہے ہیں؟" اقبال صاحب ہمیں دیکھ کر لاؤنج سے باہر آ گئے۔

"آپ اس وقت ہمیں جہاں بھیجیں گے چلے جائیں گے --- ہم ذرا منگورہ بائی نائٹ سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔"

"یہاں ایک خوبصورت پارک ہے فضا گھٹ وہاں چلے جائیے۔"

"کیا گھٹ؟"

"فضا گھٹ ---" اقبال صاحب نے کاغذ پر لکھ کر دکھایا۔ "فضا --- گھٹ --- دریائے سوات کے کنارے ہے ---"

ہم ہوٹل سے باہر آئے تو اکا دکا دکانیں کھلی تھیں --- چوک سے دائیں ہاتھ مڑ کر ہم ایک ویران بازار سے گزرے، ٹریفک کا ایک سپاہی چوک کے درمیان میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا میں نے اس سے فضا گھٹ کا راستہ پوچھا تو وہ سر کھجانے لگا --- شاید میرا تلفظ درست نہ تھا پھر اس نے ایک راہگیر کو بلایا کہ خو ادھر آؤ مہمان

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہے کہیں جاتا ہے اسی راہگیر نے آکر پوچھا کہ کدھر جاتا ہے میں نے پھر فضا گٹ کا نام لیا ---

"تو پھر جاؤ۔" وہ کہنے لگا۔

"پر کدھر؟"

"جدھر جاتا ہے جاؤ" --- وہ پھر کہنے لگا۔

دراصل وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ بھائی جان آپ جدھر جا رہے ہیں ادھر ہی چلے جائیں ---

یکدم منگورہ کی آبادی ختم ہو گئی' آگے تاریکی تھی اور دریا کا شور تھا۔

"میرا خیال ہے واپس چلیں --- بچے ساتھ ہیں اور ---" میمونہ نے آہستہ سے کہا۔

ہم ذرا آگے گئے تو شور قریب ہوا اور سڑک کے ساتھ ایک پولیس چیک پوسٹ نظر آئی ---

سڑک بھی لکڑی کے بیریئر سے بلاک کی گئی تھی۔ میں نے کار روک دی "فضا گٹ؟" انہوں نے بیریئر اٹھاتے ہوئے تاریکی کی طرف اشارہ کیا۔

"ادھر کوئی خطرہ وغیرہ تو نہیں بچے ساتھ ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"وہ بچوں کے لیے ہے جہاں آپ جاتا ہے ---" پولیس والا کہنے لگا۔

بیریئر سے چند فرلانگ کے فاصلے پر فضا گٹ تھا جو نیم اندھیرے میں تھا۔ یہ ایک پرفضا پارک تھا جو دریائے سوات کے کنارے پر تعمیر کیا گیا تھا' ہم اس کے راستوں اور سیڑھیوں پر چلتے تھے اور چڑھتے تھے لیکن وہاں اندھیرا گہرا تھا اور دریا کا شور سروں میں جاتا تھا اور ایک تیز ہوا چلتی تھی اس لیے ہم لطف اندوز تو ہوتے تھے پر اس میں ڈر زیادہ تھا کہ یہ ہم کہاں رات کے وقت ایک انجانی جگہ پر بچوں کو

ساتھ لے کر سیر کر رہے ہیں۔

چنانچہ دس منٹ بعد ہم منگورہ واپس آ رہے تھے ---

راستے میں ہم نے ایک پٹھان کیفی میں بہت مزیدار اور عمدہ کھانا کھایا اور اس کے ساتھ جو روٹیاں تھیں ان کی لذت اور گرم مہک ہم اب تک یاد کرتے ہیں بلاشبہ ایسی روٹی کے ساتھ کسی سالن کی ضرورت نہیں بلکہ اسے روکھا ہی کھایا جائے تو لطف آتا ہے اور ہاں اس کیفی کا نام "کہکشاں کیفی" تھا --- اور کیفے کی بجائے وہ کیفی اس لیے تھا کہ پختون بھائی مونث کو مذکر اور مذکر کو مونث بنانے میں بڑے ماسٹر ہیں --- اگرچہ وہ اکثر مذکر کو ترجیح دیتے ہیں' اپنا اپنا رواج ہے ---

ہم ہوٹل واپس لوٹ رہے تھے تو ایک ویران بازار میں سے نکلتے ہی چاند کا زرد تھال نیلی کار کی چھوٹی سی ونڈ سکرین کے ساتھ آلگا اور اسے بھر دیا اور اتنی جگہ نہ چھوڑی کہ میں راستہ دیکھ سکوں --- جب ہم "پامیر ہوٹل" سے نکلے تھے تو منگورہ کی سیاہ پہاڑیوں کے اوپر کچھ ہلکی سی روشنی تھی اور اب وہ دھیرے دھیرے اوپر ہوتا تھا اور اتنا بڑا تھا کہ لگتا تھا کہ یہ اپنے وزن کی وجہ سے مزید اوپر نہیں اٹھے گا بلکہ کسی بڑی اور بھاری پتنگ کی طرح یکدم نیچے گر جائے گا --- کمرے میں پہنچ کر میں نے پردے ہٹائے تو کھڑکی میں سے منگورہ شہر ہلکی روشنی میں نہایا ہوا نظر آنے لگا لیکن وہ زرد تھال دوسری جانب رہ گیا تھا ---

آج چاند کی چودھویں تھی اور پرسوں شب برات تھی --- منگورہ کی نیم سیاہ پہاڑیوں میں کہیں کہیں ایک آدھ پھلجھڑی چھوٹتی تھی۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بُت کدہ اور چپ ابابیلیں!

"بُت کدہ؟" میں نے لائبریری کے قریب کھڑے ایک بابا جی سے پوچھا ---

بابا جی نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور پھر مجھے اور کار میں بیٹھے ہوئے تمام خواتین و حضرات کو خشمگیں نظروں سے گھورتے جواب دیئے بغیر چلے گئے ---

"بڑا خوفناک بابا ہے جواب ہی نہیں دیتا ---" سمیر کہنے لگا ---

میں نے بریک پر سے پاؤں اٹھا لیا اور ہم ایک مرتبہ پھر بُت کدہ تلاش کرنے لگے --- سڑک کے ساتھ فٹ پاتھ پر دو نوجوان بچوں کی طرح آپس میں چہلیں کر رہے تھے میں نے کار روک لی "کیوں بھئی یہ بُت کدہ کدھر ہے؟"

"ایک ذرا نیچے جھکا اور کہنے لگا۔ "ادھر جہاں ایک سپاہی کھڑا ہے وہاں سے بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی گلی جاتی ہے ادھر ---"

"بہت بہت شکریہ ---" میں نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے شہر کے لوگ تو راستہ ہی نہیں بتاتے۔"

"آپ بت کدہ کہتے ہیں اس لیے ---" وہ بھی مسکرانے لگا "بزرگ کہتے ہیں کہ اس گل کدہ کہو کیونکہ ہم اپنے درمیان میں ایک بت کدہ یا مندر کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔"

"لیکن وہ تو بُدھ لوگوں کا بُت کدہ ہے ہمارا تو نہیں ---"

"بہر حال آئندہ راستہ پوچھنا ہو تو گل کدہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

ہم اس چھوٹی سی گلی میں مڑ گئے جہاں راستہ کچھ اچھا نہ تھا اور گندی نالیاں کیچڑ سے بھری ہوئی تھیں میں نے سوچا یہ نہ ہو ہم غلط گلی میں مڑ گئے ہوں ذرا چیک کر لینا بہتر ہے چنانچہ ایک سٹور کے پاس کھڑے ہو کر میں نے پوچھا۔ "کیوں بھائی صاحب گل کدہ ادھر ہی ہے؟"

"نہیں ---" وہ کہنے لگا۔ "ادھر تو بت کدہ ہے۔"

"وہی وہی۔" بچے چلائے ---

گلی کے خاتمے پر بائیں ہاتھ پر کھیت تھے اور ان میں ایک کچا راستہ اترتا تھا اس پر کار اتری تو آٹھ دس بچے بھی ساتھ ساتھ بھاگنے لگے اور وہ "بُت کدہ بُت کدہ" کے نعرے لگا رہے تھے۔ کچا راستہ ختم ہوا تو میں نے کار روک لی۔ آگے برسیم کے کھیت تھے اور ایک باغ تھا --- اتنی دیر میں ہمارا پیچھا کرنے والے بچے پہنچ گئے اور ہمیں گھیر لیا۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ ہمارے گائیڈ کے فرائض سنبھال لے --- یہ بچے بہت خوش شکل تھے اور یقیناً پروفیشنل تھے یعنی ٹورسٹ حضرات کو پہچان کر ان کا پیچھا کرتے تھے۔

"چلو بھاگ جاؤ۔" میں نے گرج کر کہا اور وہ ڈرنے کی بجائے قہقہے لگانے لگے ثابت یہ ہوا کہ آپ کی گرج سے اگر آپ کے بچے ڈرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ وہ آپ کا لحاظ کرتے ہیں۔

"بھئی ان کا کیا کریں۔" میں نے میمونہ سے کہا۔

"دیکھو کتنی پیاری بچیاں ہیں --- اور یہ والی کتنی خوبصورت ہے --- ہیلو۔" میری بیوی ان کے حسن سے متاثر ہو رہی تھی۔

"ہیلو ---" ان سب نے نعرہ لگایا اور پھر ایک بچی انگریزی میں کہنے لگی "ون

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

روپی ---"

میں نے کہا "دیکھو یہاں تعلیم کتنی عام ہے بچے بھی انگریزی بولتے ہیں۔"

"یہاں ٹورسٹ عام ہے اسی لیے بچے بھی انگریزی بولتے ہیں۔" میمونہ اس صورت حال سے بے حد لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"کیا کرتا ہے ون روپی؟" میں نے بچی سے پوچھا تو دوسری کہنے لگی "ون روپی فار چیونگم --- ون روپی فار چیونگم ---" تب وہ سارے کے سارے کورس الاپنے لگے کہ ون روپی فار چیونگم --- ہم ان کے گھیرے میں کھڑے سوچتے تھے کہ اب کریں کہ باغ کی جانب سے ایک ڈانگ والا بابا نکلا جسے دیکھ کر سارے بچے پرے ہو گئے ---

"میں چوکیدار ہوں ---" بابا ڈانگ کہنے لگا۔ "ادھر کار کھڑا کرو ہم خیال کرے گا ---"

"اور بُت کدہ کدھر ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اپنی ڈانگ ایسے اٹھائی جیسے میرا سر پھاڑ دے گا۔ "بُت کدہ ادھر ہے۔" اس نے ایک پگڈنڈی کی طرف اشارہ کیا۔

کار پارک کرنے کے بعد ہم اس پگڈنڈی پر ہو لیے --- ہمارے ایک جانب سیبوں کا باغ تھا اور دوسری طرف بریسم کی ہریاول تھی۔ تھوڑی دور جا کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بچہ لوگ بھی پیچھے پیچھے آتے تھے۔ سیبوں کے باغ کے خاتمے پر پتھروں کے کچھ ڈھیر دکھائی دیے جن کے گرد خار دار تار کی ایک حفاظتی باڑ تھی --- بت کدہ کی پہلی جھلک تو انتہائی مایوس کن تھی --- خار دار تار کے آخر میں ایک دروازہ تھا جہاں سے ٹورسٹ اندر جا سکتے تھے ہم اندر داخل ہوئے تو بچے باہر رہ گئے اور وہ ابھی تک "ون روپی فار چیونگم" کے نعرے لگا رہے تھے۔

درختوں کا ایک ذخیرہ تھا اور ان کے سامنے ایک بڑے میدان میں پتھروں کے

وہ ڈھیر تھے جنہیں بُت کدہ کہا جاتا ہے۔

بُت کدے میں خاموشی بہت تھی شاید یہ دو ہزار برس سے زیادہ کی خاموشی تھی اس لیے ایک وزن کی طرح بوجھ ڈالتی تھی۔ کھنڈروں کے آغاز میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں سے ایک صاحب فوراً برآمد ہوئے اور ہمارے ساتھ چلنے لگے "شکریہ --- ہم خود دیکھ لیں گے۔" لیکن وہ ساتھ ساتھ چلتے رہے ہم کوئی پرانا بُت دیکھنے کے لیے جھکتے تو وہ بھی جھک جاتے اگر یونہی آسمان دیکھتے تو وہ بھی جیسے نقل اتار رہے ہوں آسمان کی طرف دیکھنے لگتے --- ان کا نام خالد تھا اور یہ صاحب گویا ہماری نگرانی کر رہے تھے کہ ہمیں کہیں بت کدے کا کوئی بت یا پتھر وغیرہ نہ لے اڑیں --- معلوم ہوا کہ ایسا ہوتا ہے اس لیے نگرانی ضروری ہے --- میں نے ایک ستون کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو انہوں نے بھی فوری طور پر تسلی کی کہ کہیں میں نے ستون جیب میں تو نہیں ڈال لیا ---

آج سے تقریباً دو ہزار تین سو برس پیشتر اشوک اعظم نے یہ معبد تعمیر کروایا۔ مرکز میں ایک عظیم سٹوپا تھا اور اس کے گرد دو سو چالیس چھوٹے سٹوپے اور عبادت گاہیں تھیں۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پیشتر اس میں تین مرتبہ توسیع ہوئی اور پھر یہ بُت کدہ تیرہ سو برس تک آباد رہنے کے بعد وحشی حملہ آوروں کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔

لیکن سٹوپا کیا ہے؟

اسے بُدھ کی قبر بھی کہا جاتا ہے۔

لیکن اتنی لاتعداد قبریں؟

کہا جاتا ہے کہ مہاتما بدھ کی خاک یا ہڈیاں آٹھ سٹوپوں میں محفوظ کی گئیں۔ اشوک اعظم نے ان بُدھ آثار کو سٹوپوں سے نکال کر سلطنت کے تمام بڑے بڑے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

صوبوں اور شہروں میں بھجوایا اور حکم دیا کہ وہاں شاندار سٹوپے تعمیر کر کے انہیں دفن کیا جائے یوں یہ خاک تقریباً چوراسی ہزار سٹوپوں میں محفوظ ہوئی --- چنانچہ سٹوپا کو بُدھ کی قبر بھی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ بدھ کے پیروکاروں اور بزرگ ہستیوں کو بھی سٹوپوں میں دفن کیا جاتا اور فاہیان نے ایک ایسے سٹوپے کا ذکر کیا ہے جو مہاتما کے کشکول کے اوپر بنایا گیا تھا۔ شکرانے کے طور پر امیر شخص بھی سٹوپے بنواتے تھے --- زائرین سٹوپے کے گرد طواف کرتے تھے اور اس کے ساتھ سٹوپے کی گولائی پر نظریں جمائے اس پر آویزاں ان مجسموں کو دیکھتے جاتے تھے جن میں مہاتما بُدھ کی زندگی کے مختلف ادوار بیان کئے جاتے تھے' یہ سٹوپے مہاتما بُدھ کی زندگی کے بارے میں ایک پتھریلی کتاب تھے۔

بُت کدے کے مرکزی اور بڑے سٹوپے کا کچھ حصّہ باقی ہے' کچھ خوبصورتی اور اداس مجسمے ---

سٹوپے کے گنبد پر ہمیشہ سات چھتریاں ہوتی تھیں جو سات آسمانوں کو ظاہر کرتی تھیں پتھر کی دو تین چھتریاں اب بھی بت کدے کے فرش پر پڑی ہیں اور اکثر لوگ انہیں کسی بڑے چکی کے پاٹ سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے درمیان میں سوراخ بھی ہیں۔ بت کدے کا سب سے مشہور "کردار" چونے یا نرم پتھر کا وہ شیر ہے جو نورازم کے ہر کتابچے پر کھڑا نظر آتا ہے --- فوٹو گرافر نے اس کی تصویر ایک ایسے زاویے سے اتاری ہے کہ وہ شیر پورے بُت کدے پر حاوی نظر آ رہا ہے لیکن اصل شیر تو بلی سے بھی چھوٹا ہے اور بالکل چوہا دکھائی دیتا ہے۔ اکثر سیاح اسے دیکھ کر اتنے مایوس ہوتے ہیں کہ بُت کدے کو دیکھے بغیر واپس چلے جاتے ہیں ---

بُت کدہ اب گل کدہ ہو چکا ہے ---

مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بُت کدہ میں جا کر آپ نے کیا محسوس کیا تو میں یہی

کہوں گا کہ دو ہزار برس سے زیادہ کی خاموشی ---

بُت کدہ کے پتھروں کے پس منظر میں ایک باغ ہے اور اس کے پیچھے برف پوش پہاڑ دکھائی دیتے ہیں --- کبھی اس کے در و دیوار انسانوں سے بلند ہو کر آسمانوں سے چھوتے تھے اور اب وہ میرے بچوں کے قدموں میں تھے --- اور "ون روپی فار چیو نگم --- ون روپی فار چیو نگم ---"

ہم جن کھنڈروں میں سے نکلے انہیں اگرچہ بت کدہ کہا جاتا ہے لیکن یہ درست نہیں' وہ صرف "کدہ" ہے کیونکہ بت چند ایک تو سوات میوزیم میں ہیں اور باقی اطالیہ کے شہر روم میں ہیں' کہا جاتا ہے کہ اطالوی مشن جس نے بت کدہ کو ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۱ء تک کھودا بہترین اور مکمل مجسمے تو اپنے ساتھ لے گیا اور چند ایک اشک شوئی کے لیے سوات میوزیم کو دے گیا۔ کہنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ گندھارا کا سب سے اعلیٰ کام روم میں ایک اطالوی پروفیسر کے ذاتی گھر کی زینت ہے --- بہرحال ہم ویران بُت کدہ سے نکلے اور سوات میوزیم میں چلے گئے۔ یہ نہیں کہ بت کدہ سے نکلے تو میوزیم میں چلے گئے بلکہ ان کے درمیان کچھ فاصلہ بھی ہے --- سوات میوزیم میں دنیا کے اکثر عجائب گھروں کی طرح مرمت اور صفائی وغیرہ کا کام ہو رہا تھا۔ اس کے صدر دروازے کے عین سامنے ایک ایسا مجسمہ ہے جو بُت کدہ میں سے نکلا تھا۔ کسی دوشیزہ کا دکھائی دیتا ہے' بلکہ مجسمہ کم اور دوشیزہ زیادہ دکھائی دیتی ہے اور یوں بھی جو بھی نوجوان اندر داخل ہوتا ہے وہ ادھر ادھر نگاہ ڈال کر اس کے سر پر اور دیگر حصّوں پر ایک عدد تھپکی ضرور دیتا ہے یوں "دیگر حصے" باقی مجسمے کی نسبت زیادہ شفاف ہو گئے ہیں۔ میوزیم کے نگران اگر اس دوشیزہ کو نوجوانوں کے ہاتھوں سے بچانا چاہتے ہیں تو کسی شیشے کے شوکیس میں سجا کر رکھیں یا ایسی جگہ ایستادہ کریں جہاں ہاتھ پہنچ نہ سکیں اگرچہ ان دنوں زیادہ تر لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہو

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

چکے ہیں --- سوات میوزیم میں گندھارا کے بارے میں نوادرات تو ہیں لیکن وہ متاثر نہیں کرتے۔ البتہ مہاتما بدھ کی خاک کی دو ڈبیاں دیکھ کر انسان ایک لمحے کے لئے ٹھٹک ضرور جاتا ہے۔ ان میں کچھ سفوف سا بھی موجود ہے جو ہو سکتا ہے مہاتما کا ہوا اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔ دراصل مہاتما کی خاک بہت جگہ پہنچی۔ اشوک اعظم نے اسے اپنی سلطنت کے تمام بڑے بڑے راجوں کو بھیجا اور انہوں نے اسے سنبھالنے کو اس پر عظیم سٹوپے بنوائے --- اسی لیے سٹوپا کو بدھ کی قبر بھی کہا جاتا ہے لیکن تمام سٹوپے اس مقصد کے لیے استعمال نہیں ہوتے تھے۔ ٹیکسلا کا سٹوپا دھرمارا جیکا اور منگورہ کا شنکر در ایسے سٹوپا ہیں جن کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان میں مہاتما بدھ کی خاک تھی۔ اس خاک کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح ہم آب زم زم کے ایک گلاس کو ایک ٹب پانی میں ملا کر تبرکاً تقسیم کرتے ہیں شاید اسی طرح مہاتما بدھ کی خاک کی ایک چٹکی کو مٹی کے ڈھیر میں ملا کر پوری سلطنت میں تقسیم کیا گیا کیونکہ ناتواں مہاتما کی خاک اتنی زیادہ تو ہو نہیں سکتی کہ اسے تقریباً چوراسی ہزار سٹوپوں میں دفن کیا جا سکے۔

میرے بچے مہاتما بدھ اور گندھارا وغیرہ سے خاصے بیزار ہو چکے تھے اور اپنے تئیں ایک پہاڑی مقام پر چھٹیاں منانے آئے ہوئے تھے اور وہاں انہیں کھنڈر اور بت دیکھنے کو مل رہے تھے چنانچہ ہم سوات میوزیم سے نکلے تو اس راستے پر چلے جو سیدو شریف سے نکل کر پرے ایک وادی کو جاتا تھا اور جہاں مرغزار تھا۔

مرغزار کے راستے میں بھی سوات کی ہریاول اور شادابی تھی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا' ایک مقام پر پہاڑ قریب ہوئے راستہ تنگ ہوا اور کسی پہاڑی نالے کا شور قریب آیا تو معلوم ہوا کہ مرغزار آگیا ہے والئی سوات کا گرمائی محل ---

"اتو یہ تو کوئی پرانی کوٹھی ہے۔" عینی کہنے لگی "محل تو نہیں۔"

مرغزار ایک اداس اور فراموش کردہ گھر تھا جس کے باسی جا چکے تھے اور انہوں نے کبھی واپس نہیں آنا تھا یہاں پہاڑ کی اوٹ تھی اور اندھیرے کے ساتھ ٹھنڈک کی ملاوٹ تھی۔ سیدو شریف کی نسبت آب و ہوا قدرے بہتر تھی اور بس --- چونکہ یہ مقام ہر کوئی جو سوات آتا ہے دیکھتا ہے اس لیے ہم نے بھی دیکھا اس کے لان میں بیٹھ کر چائے پی۔ ایک قیمتی پتھر بیچنے والے بابے سے سو کنڈ ٹوپاز خریدنے کے لیے بھاؤ تاؤ کیا لیکن وہ بھاؤ کم کرتا تھا اور تاؤ زیادہ کرتا تھا۔

مرغزار ایک ہوٹل ہے جہاں جوڑے ہنی مون منانے جاتے ہیں پتہ نہیں اس اداس اور گہرے ڈر والی جگہ پر وہ کچھ منا سکتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے بھی ایک لحظہ کے لیے یہ سوچا کہ واپسی پر وہاں ایک شب قیام کیا جائے لیکن وہاں کچھ چپ زیادہ تھی اس لیے واپسی پر اس نے ہمیں بلایا نہیں بلکہ ڈرایا۔ اور ایک زمانے میں یہاں والئی سوات کا قیام تھا۔ میں چونکہ ایک کسان گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں اس لیے مجھے بادشاہوں اور راجے مہاراجوں سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ وہ میرا قبیلہ نہیں اور نہ ہی میں ان سے زیادہ متاثر ہوتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بادشاہتیں لوگوں کے سروں کا مینار بنا کر ہی قائم رکھی جاتی ہیں لیکن سوات میں میں نے ایک عجیب بات دیکھی' وہاں کے لوگ اپنے والی کو محبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں' وہ ایک داستانوی شخصیت بن چکے ہیں اور ان کے حسن عدل کے قصے زبان زد عام ہیں۔ کسی ایک شخص نے بھی ان کے بارے میں ذرا سے شک کا بھی اظہار نہیں کیا' تقریباً تیس برس پیشتر معروف تاریخ دان آرنلڈ ٹائن بی نے ان علاقوں میں کچھ دن گزارے تھے اور ان تجربات پر مبنی مشاہدات کو ۱۹۶۱ء میں "بٹوین آکسس اینڈ جمنا" نامی سفرنامے میں قلمبند کیا تھا۔ ٹائن بی نے بھی والئی سوات کا ذکر حیرت سے کیا ہے وہ لکھتے ہیں اور میں ان کا حوالہ دے رہا ہوں --- "والئی سوات ایک تاریخ دان کو اٹھارہویں صدی کے کسی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

روشن دماغ یورپی حکمران کی یاد دلاتے ہیں۔ انقلاب فرانس سے قبل یورپ میں سوات کے رقبے جتنی کئی ریاستیں تھیں جہاں عوام کے فائدے کے لیے آمرانہ انداز میں حکومت کی جاتی تھی والئی سوات کا چیف سیکرٹری گوجرانوالہ کا ایک پنجابی ہے اور ان کا تعلق ایک کلرک خاندان سے ہے۔ دراصل وہ سوات کے مشہور اخوند کے پوتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں ایک جدید ریاست کے وجود کے بارے میں کیسے احساس ہوا۔ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ دنیا کی تاریخ ایک ایسے مقام پر پہنچ چکی ہے جہاں پشتونوں کے لیے ایک جدید ریاست کا قیام ضروری ہے۔ یہ مکمل منصوبہ صرف ایک اکیلے آدمی کے ذہن میں آیا۔ اس پورے منصوبے کی سوچ اور اس پر عمل درآمد کرنا صرف ایک جینئس کے بس کی بات تھی۔ میں نے انہیں پوچھنے کی جسارت کی تھی کہ انہوں نے اس میں کیسے کامیابی حاصل کی۔ ان کا جواب تھا صرف ایک لفظ تھا "صبر" والئی سوات نے نہ صرف یہ کہ سیاسی الجھاؤ میں سے ایک جدید ریاست کا ڈھانچہ کھڑا کر دیا بلکہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد حکمرانی چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ سارا سال ماہ رمضان کی طرح صبح سے شام تک روزہ رکھتے اور قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے اب انہیں روزے رکھنے سے منع کر دیا ہے لیکن قرآن حکیم کا مطالعہ جاری ہے اور قرآن پر جھکتے ہوئے ان کے ذہن میں کیا خیال آتے ہیں؟"

مرغزار سے نیچے آتے ہوئے بیگم نے ایک پھلدار درخت کی ٹہنی پکڑ کر کہا۔

"اس پر خوبانیاں کیوں نہیں ہیں؟"

"اس لیے کہ یہ خوبانی کا درخت نہیں ہے" میں نے عرض کیا۔

بیگم نے مجھے گھورا جیسے یہ بھی میرا قصور ہو۔

اور منگورہ میں پھر وہی ہوا جو پچھلی شب کو ہوا تھا۔ چاند کا زرد تھال بوجھل

دھیرے دھیرے شہر کے پس منظر میں سیاہ پہاڑیوں میں سے نکلتا تھا اور نیلی کار کی ونڈ سکرین کو بھرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے دیکھا کہ پہاڑیوں میں سے روشنی ہوتی ہے جیسے پھلجھڑیا چھوٹتی ہوں۔۔۔

"دیکھو بچو۔۔۔" میں نے تھکے ہوئے بچوں سے مخاطب ہو کر کہا "یہ پہاڑیوں میں جو روشنی کے جھماکے ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے پھلجھڑیاں چھوٹ رہی ہوں حالانکہ یہ کچھ اور ہو گا۔۔۔"

یہ جاننے کے لیے کہ یہ کیا ہے میں نے کار ٹریفک کے ایک سپاہی کے قریب روک دی "کیوں جناب یہ سامنے پہاڑوں میں یہ روشنی کیسی ہے؟"

"صاحب یہ پھلجھڑیاں چل رہی ہیں۔" اس نے جھک کر کہا "کل شب برات ہے۔"

"اچھا تو یہ کچھ اور ہے ابو؟" سمیر کی آواز آئی۔

اسی شام کھانے کے بعد ہم منگورہ میں گھومنے کے لیے نکلے۔ گلی کوچوں میں سے پٹاخوں کی آوازیں آ رہی تھیں ایک گلی کے آخر میں بچے پھل جھڑیاں چلا رہے تھے۔

"ابو ہمیں بھی شُرلیاں پٹاکے لے دیں۔" سمیر بولا۔۔۔

"ہم سوات میں شُرلیاں چلانے کے لیے نہیں آئے ہوئے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔۔۔

"ہاں"۔۔۔ سمیر نے سر ہلایا۔ "سٹوپے دیکھنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

مسلم چوک روشن تھا اور خوب گہما گہمی تھی۔۔۔ ایک دکان پر لسی بک رہی تھی جو ہم نے پی کہ ہم لاہور کا یہ مشروب دیکھ کر رہ نہ سکے۔۔۔ اس کا ذائقہ لاہوری تو ہرگز نہ تھا لیکن منگوری ضرور تھا۔ لسی کی دکان سے باہر نکلے تو اوپر بجلی کے کھمبے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کے ساتھ اس میں سے نکلتی تاروں کا ایک عجیب منظر تھا۔ پہلی نظر میں یوں لگا جیسے شادی بیاہ کے لیے کسی نے بازاروں میں جھنڈیاں لگا رکھی ہوں' دائیں بائیں اور سامنے تاحد نظر جہاں تک بجلی کی تاریں تاریکی میں اترتی تھیں وہاں تک ان تاروں پر ہزاروں کی تعداد میں سفید سفید پرندے جڑ کر بیٹھے ہوئے تھے ایسے کہ جیسے پتھر کے ہوں پر کبھی کبھی ہلتے ہوں جیسے پرندے نہ ہوں ان کی بڑی تصویر ہو۔

میں نے لسی والے دوکاندار سے ان کے بارے میں دریافت کیا۔

"یہ ابابیل ہے صاحب۔" وہ سر اٹھا کر بولا ــــ "گرمیوں میں چلے جاتے ہیں اور بہار تک یہاں آتے رہتے ہیں اب چند روز اور آئیں گے پھر چلے جائیں گے۔"

میرے سوا بازاروں میں کوئی شخص اوپر نہیں دیکھتا تھا۔ انہیں شاید ان کی موجودگی کی عادت ہو چکی تھی اور یہ ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں ابابیلیں اتنے اطمینان سے بجلی کی تاروں پر براجمان تھیں اور بالکل ساتھ ساتھ اور کئی سو گز تک میں انہیں دیکھ سکتا تھا۔ اوپر نیچے آٹھ دس تاریں تھیں جو ان سے بھری ہوئی تھیں۔ ان کی کوئی آواز نہ تھی وہ صرف ذرا سی ہلتی تھیں بولتی نہ تھیں شاید گونگی ابابیلیں تھی اور شاید اس لیے نہ بولتیں تھیں کہ ان کی چونچوں میں کنکر تھے لیکن کس کے لیے؟ ہاں ان لاکھوں ابابیلوں کی چونچوں میں اگر صرف ایک ایک کنکر بھی ہو تو وہ پوری تہذیب کی تباہی کے لیے کافی تھے۔ ایسا ہی ہوتا ہے' ہم اوپر نہیں دیکھتے' ہم اپنے آپ میں مگن ہوتے ہیں اپنے تکبر میں اتنے ڈوبے ہوتے ہیں ہم موت کو یاد نہیں رکھتے اور کبھی اوپر نہیں دیکھتے ہم انصاف اور سچ کے کھیت برباد کرتے چلے جاتے ہیں' انسانوں کو دکھ دیتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں اور کبھی اوپر نہیں دیکھتے کیونکہ اگر ہم اوپر دیکھیں گے تو وہاں لاکھوں ابابیلیں منتظر ہیں' وہ بولتی نہیں کہ ان کی چونچوں میں کنکر ہیں شاید قدرت بھی ہم سے تنگ آ چکی ہے اور وہ پھر ایک بڑی تبدیلی چاہتی ہے جس

پر ہمارا کوئی اختیار نہ ہو گا اور ہم اوپر نہیں دیکھتے جہاں لاکھوں ابابیلیں پہلو بدل رہی ہیں۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

میاندم میں شبِ برات!

نیلی کار منگورہ سے نکل کر فضا گھٹ کے قریب سے گزر رہی تھی یہاں دریائے سوات ایک وسیع گزر گاہ میں پھیلا ہوا تھا اور اس کے کناروں پر سرسبز اور ہموار کھیت تھے جو دور تک جاتے تھے دریا مختلف حصوں میں منقسم ہوتا پھر مجتمع ہو کر تیزی سے بہتا چلا جاتا تھا یہاں احتیاط بہت ضروری تھی کیونکہ موڑ بہت تھے اور نیچے دریا تھا۔

منگور کا قصبہ تو ایک طرف رہ گیا اور ہم ایک پل عبور کر کے دوسری جانب چلے گئے۔ خوازہ خیلہ کے قصبہ سے گزر ہو رہا تھا کہ یکدم ایک دکان کے اندر سامنے سواتی پیڑھے بجے دکھائی دیئے "واپسی پر خریدیں گے۔" میں نے کہا۔

"لیکن ایک نظر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" بیگم نے کہا ----

میں نے کار روک دی۔ یہ تاج الملوک کی دوکان تھی اس کے برابر میں اس کا چچا کی دوکان تھی' یہاں سوات کا پرانا فرنیچر اور نوادرات ملتے تھے۔ تاج مجھے اپنے سٹور میں لے گیا۔ یہاں پرانے پلنگ' صندوق اور پیڑھے وغیرہ پڑے تھے کچھ پرانے تھے اور کچھ پُرانے کر لئے گئے تھے۔ یہاں بھی الہ دین کے چراغ والا قصہ دہرایا جاتا ہے۔ کاروباری حضرات کے نمائندے دور افتادہ دیہات میں جاتے ہیں اور "پرانے سامان کے بدلے میں نیا سامان" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ پرانا پیڑھا دے کر نیا لے لو پرانا

صندوق دو اور ہم آپ کو نئے طرز کا صندوق دیتے ہیں بابا" اور یوں کئی سو برس پرانا گھریلو سامان نیچے بازاروں میں آ جاتا ہے اور ہم جیسے سیاح اسے منہ مانگے دام ادا کر کے لے جاتے ہیں اور اپنے ڈرائنگ روموں میں سجا کر اپنے اعلیٰ ذوق اور کلچر دوستی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ خوازہ خیلہ کے بعد ہم فتح پور میں رکے کیونکہ یہاں سے ہمیں راستہ بدلنا تھا۔ یہ جو سیدھی اور شاندار سڑک تھی تو یہ مدین کے راستے بحرین جا رہی تھی اور وہاں سے کالام ---- اور ہمیں میاندم جانا تھا جو یہاں سے دائیں ہاتھ پر دس کلو میٹر کے فاصلے پر کہیں اوپر تھا۔

ہوٹل پامیر کے عزیز الرحمان خان صاحب جب ہمیں میاندم میں واقع پامیر ریسٹ ہاؤس کے انچارج کے نام خط لکھوا کر دے رہے تھے تو وہ خط لکھنے والے کو بار بار ہدایت کرتے کہ ان مہمانوں کی عزت مزت ضرور کرو۔ دو تین سطروں کے بعد پھر پوچھتے کہ ہاں عزت مزت کا لکھا ہے چنانچہ اوپر دس کلو میٹر میاندم تھا اور کہا یہ گیا تھا کہ خوبصورت مقام ہے اور ہمیں ہر صورت وہاں جانا چاہئے اور ہم وہاں جا رہے تھے چنانچہ نیلی کار دائیں ہاتھ مڑ گئی اور پھر آہستہ آہستہ میں اسے چوتھے گیئر سے تیسرے میں لایا اور تیسرے سے اکثر دوسرے میں آنا پڑا ---- سڑک بل کھاتی ہوئی اوپر ہی اوپر جا رہی تھی اور شام ہو رہی تھی۔ سڑک کے ساتھ اکثر باغات دیکھنے میں آئے جہاں اب بھی بہار ٹھہری ہوئی تھی کیونکہ یہ باغ سفید پھولوں سے بھرے ہوئے تھے۔ نیچے دریائے سوات کے آس پاس پھُول پھل بن چکے تھے لیکن یہاں ابھی ہوا میں خنکی تھی ایسی خنکی جو پھولوں کو تر و تازہ رکھتی ہے اور ذرا دیر کے بعد اسے پھل بننے دیتی ہے۔

سورج غروب ہو چکا تھا جب ہم میاندم کے قصبے میں پہنچے۔ پہلے ایک ہوٹل آیا پھر ہم ایک قبرستان کے پہلو میں سے پل کے پار گئے اور ایک اوپر اٹھتی ہوئی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

سڑک پر ہم بھی اٹھتے ہوئے شام کی تاریکی میں گم ہوتے ایک پہاڑی نالے کے قریب واقع پامیر ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔ ریسٹ ہاؤس کے عقب میں ایک پہاڑ بلند تھا جس پر برف ابھی ٹھہری ہوئی تھی۔ انچارج خیر اللہ نے خان صاحب کا خط پڑھا اور ہمیں خوب عزت مزت دی۔ اعلیٰ قسم کی چائے پی کر ہم ذرا آس پاس کا جائزہ لینے کے لیے باہر آگئے۔

میاندم ایک مختصر جگہ ہے۔ وہ سامنے پہاڑی پر ٹورازم والوں کا ہوٹل ہے۔ نیچے بازار میں چند دوکانیں ہیں' ایک سکول ہے ایک پل ہے اور کچھ پانی ہے اور اوپر پہاڑوں پر برف ہے۔ شام اتر چکی تھی اور ہمارے ارد گرد آہستہ آہستہ گہری ہوتی تھی۔ ریسٹ ہاؤس سے دائیں ہاتھ پر ایک تنگ راستہ پہاڑی نالے کے ساتھ ساتھ کہیں جاتا تھا۔ ہم اس پر ذرا آگے گئے تو پانی کی یخ بستگی شام کی تاریکی کے ساتھ گھل کر بدن میں اترنے لگی۔ اس کے ساتھ ہوا بھی سرد تھی' چونکہ راستہ اب کم کم دکھائی پڑتا تھا اس لیے ہم نے عافیت اسی میں جانی کہ واپسی کا قصد کیا جائے۔ ریسٹ ہاؤس کے قریب پہنچے تو پہاڑی نالے کی جانب سے دو جوڑے لڑکھڑاتے ہوئے اور رتے پڑتے اترتے تھے۔ ان کی چال میں جو لڑکھڑاہٹ تھی اس کا سبب ان کی جوانی نہ تھی بلکہ نئی دلہنوں کے وہ ہائی ہیل شوز تھے جو انہوں نے پہاڑی مقام پر بھی پہن رکھے تھے۔ بار بار ان کے گھٹنے کپکپاتے اور وہ اپنے نئے نویلے خاوندوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو توازن میں رکھتیں۔ میاندم کی شام میں دو دولہا اور دو دلہنیں جن کی چمک ابھی ماند نہیں پڑی تھی' قریب آنے پر ان سے سلام دعا ہوئی وہ یہاں ہنی مون منانے کے لئے آئے ہوئے تھے۔

ریسٹ ہاؤس سے نیچے بازار تھا اور بازار کے اوپر پی ٹی ڈی سی کا موٹل تھا۔ یکدم سامنے والی پہاڑی پر روشنی سی ہوئی پھر پٹاخے چھوٹنے لگے اور بازار کے

تاریک چوک میں پھلجھڑیوں کی روشنی ستاروں میں پھوٹی تو ان کے پیچھے بچوں کے چہرے دکھائی دیے۔ میرے خیال میں ایک انار یا ایک پھلجھڑی کی روشنی جب بچے کے چہرے پر پڑتی ہے اور تاریکی میں پڑتی ہے تو اس سے خوشنما منظر اور کوئی نہیں ہوتا۔

آج شب برات تھی۔

"ابو پھُلجھڑیاں پٹاکے"۔ سمیر پھر کہنے لگا "دیکھیں سارے بچے چلا رہے ہیں یہاں تو ملتے ہوں گے۔"

ہم ان بچوں کے پاس گئے جن کے چہرے گلنار ہو رہے تھے۔

"دیکھو" سمیر نے ان سے مخاطب ہو کر کہا اور اس کے بعد اس نے جو کچھ کہا وہ میرے لیے حیران کن تھا کیونکہ میں اس کے لفظوں کو نہیں سمجھتا تھا لیکن میاندم کے بچے سمجھتے تھے اور انہوں نے جواب میں کچھ کہا اور پھر سب بچے ہنسنے لگے اور ہم ان سب کو ہنستا دیکھ کر بہت بیوقوف محسوس کر رہے تھے کیونکہ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ وہ کیوں ہنس رہے ہیں۔

"ابو یہ بچے کہہ رہے ہیں ادھر اوپر ایک دوکان سے پٹاخے مل جائیں گے۔" سمیر نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"سنو ---" میں نے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر پوچھا "یہ تم ان کے ساتھ کیسے گفتگو کر لیتے ہو۔"

"وہ ابو میں نے راستے میں بچوں سے پشتو کے مختلف فقرے پوچھ لیے تھے پھر انہیں لکھ کر یاد کر لیا کرتا تھا اور اب مجھے تھوڑی سی پشتو آتی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

تب میں تھوڑا سا شرمندہ ہوا کہ مجھ میں اتنی عقل نہیں ہے کہ میں اپنے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

وطن کی ایک زبان کو تھوڑا سا سیکھ لوں۔ میں اپنے وطن میں بھی بے زبان پھرتا ہوں اور میری خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہر شخص وہ زبان بولے جو مجھے آتی ہے اور یوں میں ان سے الگ تھلگ ہو جاتا ہوں ان کے قریب نہیں جا سکتا۔۔۔ اور میرے بیٹے نے دو دن کے اندر اندر یہ جان لیا ہے کہ اگر اس نے سوات کے بچوں کے قریب آنا ہے تو اسے ان کی زبان کے چند فقرے سیکھنے چاہئیں۔ اور ہم سب پاکستانی چالیس برس سے یہ نہیں جان سکے۔

اوپر وہ دوکان جہاں سے شُرلیاں پٹاخے مل سکتے تھے بند ہو چکی تھی۔

ہم ریسٹ ہاؤس میں واپس آ گئے۔ کمرے کی کھڑکی میں سے میاندم کی تاریکی اندر آتی تھی اور اس کے ساتھ اس کی شدید سردی بھی اور اس تاریکی میں شب برات کی روشنی کبھی کبھار ظاہر ہوتی تھی اور تھوڑی دیر بعد کسی پٹاخے کی آواز ہم تک سفر کرتی ہوئی پہنچ جاتی۔ پہاڑی نالے کے شور کے عین اوپر ایک مقام ایسا تھا جہاں کوئی بچہ مسلسل پھلجھڑیاں روشن کر رہا تھا اور ان کی روشنی سے وہ پورا پہاڑ مدھم مدھم دکھائی دینے لگتا۔

ابھی صرف ساڑھے آٹھ بجے تھے اور ہم جان چکے تھے کہ میاندم کی رات بے حد سرد ہو گی۔ ہیٹر کے باوجود ایک سرد اور یخ کر دینے والی موجودگی کا احساس ہوتا تھا۔

رات کے کھانے کے ساتھ خیر اللہ آیا تو کہنے لگا۔ "صاحب آپ کتنے روز ٹھہریں گے؟"

"پتہ نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "صبح اٹھ کر دیکھیں گے کہ یہاں کیا دیکھنے کو ہے اور پھر فیصلہ کریں گے۔"

"دیکھنے کو تو صاحب یہاں کچھ نہیں۔" وہ ذرا جھینپ کر بولا۔ "ہماری تو سمجھ

میں نہیں آتا کہ آپ لاہور جیسے شہر کو چھوڑ کر ادھر کیوں آتے ہیں' لاہور سنا ہے بہت بڑا شہر ہے۔"

"ابو۔" رضائی میں گچھا مچھا ہو کر دبکی ہوئی عینی کی آواز آئی۔ "آپ نے کہا تھا کہ برف دکھائیں گے۔"

"ہاں۔" میں نے سر ہلایا۔ "خیر اللہ ادھر سے برف کتنی دور ہے؟"

"کون سی برف صاحب؟ ادھر پانی تو بہت ٹھنڈا ہوتا ہے آپ برف کو کیا کرو گے؟"

"ہم برف کو کچھ نہیں کریں گے صرف دیکھیں گے۔ اور دوکان پر بکنے والی برف کی بات نہیں ہو رہی تھی۔ ہمیں پہاڑوں پر پڑی ہوئی برف چاہئے' مل جائے گی؟"

خیر اللہ سوچ میں پڑ گیا "یہ ادھر آس پاس کے پہاڑوں پر برف تو ہے لیکن دور ہے' پہاڑوں پر چڑھنا پڑے گا۔"

"چڑھ جائیں گے۔" عینی کی آواز آئی۔

"تو پھر۔۔۔؟" میں نے خیر اللہ سے پوچھا۔

"صبح انتظام ہو جائے گا۔" اس نے سر ہلایا اور کمرے سے جانے سے پیشتر کہنے لگا۔ "صاحب غسل خانے کا پائپ خراب ہے اس لیے دو بالٹی پانی بھر کر رکھ دیا ہے۔"

ہم نے روشنی گل کر دی تو سردی اور بڑھ گئی' ہیٹر کی مدھم روشنی بھی جیسے جمتی جا رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشے میں سے کبھی کبھار کوئی روشنی پھلجھڑی پھر پٹاخے کی آواز آتی اور پل بھر کے لیے پورا پہاڑ مدھم سا دکھائی دینے لگتا۔ میاندم میں یہ پہلی رات تھی اور شب برات تھی۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ابھی دھوپ نیچے نہیں آئی تھی۔

ریسٹ ہاؤس کے مختصر باغیچے میں چنار کے ایک چھوٹے سے پودے کے قریب صبح کی سردی میں سیاہ کمبلوں میں ملفوف دو سایہ دار کردار یعنی شیڈی کریکٹر براجمان تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان لگتا تھا اور دوسرا اپنی نرم رو داڑھی کے باوجود ذرا وحشی لگتا تھا اور مجھے یہ لگتا تھا کہ یہ دونوں بردہ فروش قسم کے حضرات ہیں جو میرے بچوں کی بُو پا کر ادھر آ نکلے ہیں۔ میں نے انہیں ایک شک کی نظر سے دیکھا۔

اور کمرے میں جہاں میمونہ بچوں کو غسل خانے میں دھکیل رہی تھی اور وہ اسے کمرے میں دھکیل رہے تھے اور ان کا سٹینڈ یہ تھا کہ اس وقت منہ ہاتھ اس لیے دھویا نہیں جا سکتا کیونکہ بالٹیوں میں پانی کی بجائے برف ہے۔

"یہ تو فضول بات ہے۔" میں گرمی کھا گیا۔ "منہ ہاتھ کیسے نہیں دھویا جا سکتا۔" میں اسی گرمی میں اور سردی میں غسل خانے کے اندر گیا اور بچہ لوگ میرے پیچھے پیچھے کندھوں پر چڑھے آتے تھے۔ میں نے جھک کر بالٹی میں ہاتھ ڈالا' پانی برف ہرگز نہیں ہوا تھا صرف اس میں کرنٹ آ گیا تھا جس کی وجہ سے مُنہ ہاتھ دھونے میں دشواری پیش آ رہی تھی چنانچہ سب نے ایک ایک انگلی بھگو کر آنکھوں میں سرمہ لگایا اور باہر آ گئے۔

خیر اللہ ناشتہ لگوا رہا تھا۔ "صاحب سفر لمبا ہے اس لیے آپ جلد از جلد میاندم سے نکل جاؤ' ادھر میاندم کے پیچھے جو پہاڑ ہے اس پر چڑھ جاؤ۔"

"اس پر کیسے چڑھ جاؤ؟" میں نے ذرا غصے سے کہا کیونکہ صرف انگلی پانی میں ڈبونے کے باوجود میری کپکپی کم نہیں ہو رہی تھی۔

"اس پر صاحب آپ کو روبیا خان اور شیر خان لے جائے گا۔" وہ اطمینان

سے بولا۔

"اور یہ کون صاحبان ہیں؟"

"باہر بیٹھے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھا وہ والے۔" میں نے گھبرا کر کہا "وہ تو کچھ مخدوش قسم کے کردار نہیں ہیں؟"

خیر اللہ کے پلّے نہ پڑا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں لیکن اس نے مجھے یقین دلایا کہ یہ دو حضرات پورے علاقے کو جانتے ہیں اور وہ مجھے اور بچہ لوگ کو بہ حفاظت برف تک لے جائیں گے اور ظاہر ہے واپس بھی لے آئیں گے۔ کسی بھی علاقے کو اور خاص طور پر کسی پہاڑی علاقے کو جاننے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسے کسی صبح چھوڑا جائے اور نزدیک ترین اوپر کو اٹھتی ہوئی بلندی کو جاتی ہوئی پگڈنڈی پر قدم رکھ دیا جائے اور پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اگرچہ کبھی کبھار انسان اس نامعلوم سفر کی وجہ سے کچھ ذلیل بھی ہو جاتا ہے لیکن اکثر اوقات اسے ایسے تجربے ہوتے ہیں جو عام سیاحوں کے نصیب میں نہیں ہوتے۔ ہم بھی میاندم کو چھوڑ کر بلند ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ ایک چھوٹی سی مہم تھی جس کی کوئی منزل نہ تھی کوئی مقصد نہ تھا سوائے اس کے کہ فلاسک میں ڈالی ہوئی چائے کو وہاں ادھر بلندیوں پر جا کر پیا جائے اور ٹوکری میں رکھے ہوئے سینڈوچ اور دیگر خوراک برفوں کے قریب بیٹھ کر کھائی جا سکے۔ ہم نے اپنے آپ کو اس چھوٹی سی ٹریکنگ مہم کے لیے مناسب لباس میں کیا اور پامیر ریسٹ ہاؤس سے باہر آ گئے۔

ابھی دھوپ نیچے نہیں اتری تھی۔ میاندم کے پل کے پہلو میں واقع قبرستان کے ایک کتبے تک آئی تھی پل پار کر کے بازار کی چڑھائی پر نہیں آتی تھی۔

ہم گہرے سانس لیتے تو ہمارے بدن تیز اور شفاف ہوا سے بھر جاتے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہمارے گائیڈ روہیا خان اور شیر خان آگے آگے چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ہم میانڈم سے اوپر ہونے لگے اور ہمارے سانس بھی ذرا اوپر ہونے لگے۔ اکثر کھیتوں میں لوگ جھکے ہوئے تھے' یہ کھیت آلو کی کاشت کے لیے تیار کیے جا رہے تھے۔ ان کھیتوں سے پرے پہاڑی کی اوٹ میں ایک اور وادی تھی اور ہم اس کی جانب جا رہے تھے۔ یہاں راستے کچھ دشوار تھے اور ان پر ہمارے جوگر شوز پھسلتے تھے بلکہ ایک مقام پر اگر روہیا خان ہمیں سہارا نہ دیتا تو ہم پھسلتے اور دور تک پھسلتے اور یوں ہماری نظروں میں روہیا خان ذرا معتبر ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ اس برس اس نے میٹرک کا امتحان دیا ہے۔ ایک حادثے کی وجہ سے وہ چارپائی پر پڑا تھا اور اٹھ کر کئی کلومیٹر دور امتحانی مرکز میں جانا اس حالت میں ناممکن تھا چنانچہ روزانہ اس کے دوست اور رشتہ دار اس کی چارپائی کندھے پر اٹھا کر مرکز تک لے جاتے وہاں روہیا خان پرچہ حل کرتا اور اسے پھر اٹھا کر واپس لے آتے۔ تعلیم کے لیے اس تگ و دو کی وجہ سے بھی وہ ہماری نظروں میں اور معتبر ہو گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ بچوں کے ساتھ گھل مل کر باتیں کر رہا تھا اور سمیر اس پر اپنی پشتو آزما رہا تھا۔ شیر البتہ چپ تھا کیونکہ وہ اردو بالکل نہیں جانتا تھا۔

پہاڑی کی اوٹ سے بلند ہو کر جب ہم دوسری جانب پہنچے تو نیچے گہرائی میں ایک ندی تھی اور اس کے آس پاس سرسبز اور تہہ در تہہ زینہ بہ زینہ بلند ہوتے کھیت تھے اور ان میں خوشنما مکان تھے۔ ہمیں دیکھ کر مکینوں نے حیرت کا اظہار کیا کیونکہ ادھر بہت کم لوگ آتے تھے۔ آہستہ آہستہ ہم اوپر ہوتے گئے اور پھر یہ ہوا کہ جو برف پوش پہاڑ ہم میانڈم میں دیکھتے تھے اور سر اونچا کر کے دیکھتے تھے ہم ان کے برابر آ چکے تھے اور وہ ہماری سطح پر تھے۔ ہمارے پیچھے جو پہاڑ تھا اسے گناہگار پہاڑ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر ہم بمشکل چلتے تھے اور نیچے دیکھتے ہوئے ہمیں بے پناہ خوف محسوس ہوتا تھا۔ اس وادی کے لوگ مجموعی طور پر بے حد خوشحال تھے۔ بجلی تقریباً ہر جگہ پر پہنچی ہوئی تھی اور ان کے مکان کم از کم باہر سے پختہ اور آرام دہ دکھائی دیتے تھے۔

ایک آبادی میں کسی شادی کی تیاریاں تھیں ہمیں بھی شرکت کے لیے دعوت دی گئی لیکن ابھی اس تقریب سعید میں ایک ہفتہ باقی تھا اس لیے ہم نے معذرت کر لی۔ خواتین جن کے زیور اور ملبوسات انتہائی دیدہ زیب تھے مکانوں کی صفائی میں مصروف تھیں۔ ایک خاتون ایک بڑی دیوار پر پھول اور بوٹے بنا رہی تھی اور وہ اتنے خوبصورت تھے کہ ان سے نظر نہ ہٹتی تھی۔ یہ شادی کے لیے اہتمام تھا۔

راستے میں دو حضرات ایسے ملے جو اوپر کسی گاؤں سے بیل خریدنے جا رہے تھے۔

اس بلند پہاڑی راستے پر چلتے ہوئے گھاس کا ایک چھوٹا سا قطعہ نظر آیا جس میں جا بجا سال خوردہ لکڑی کے منقش پائے گڑے ہوئے تھے۔ قریب ہی سیب کے گھنے درختوں کی ٹہنیاں شگوفوں سے بھری ہوئی تھیں ہم یہاں ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ نیچے بہت نیچے ندی دکھائی دیتی تھی اور گناہگار پہاڑ کی برفیں دھوپ میں چمکتی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ بچے لوگ اس قسم کی مشقت آمیز مہم کو ناپسند کریں گے لیکن وہ خوش تھے اور اس نئے تجربے کی مسرت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہاں وہ تھوڑے سے تھک چکے تھے۔

راستے پر کوئی شخص چلا آ رہا تھا فوجی جیکٹ پر متعدد تمغے اور ایک صاف ستھری پی کیپ سر پر جھکائے وہ قریب آیا اور ہمیں دیکھ کر بالکل اٹینشن ہو گیا اور اردو میں کہنے لگا "آپ کہاں سے آئے ہو؟"

"لاہور سے"۔۔۔۔ بچوں نے کورس میں جواب دیا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"دیکھو میں دوسری جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر تھا اور مجھے وہاں سے یہ تمغے ملے تھے۔"

اس نے ہم سب کو ایک زبردست سلیوٹ کیا۔ مجھے اس کے تمغوں پر کچھ شک تھا لیکن اس کا چہرہ ایسا نہ تھا جو جھوٹ بولتا ہو۔ وہ اٹینشن کھڑا تھا اور اس کے پس منظر میں گناہگار پہاڑ کی برفیں تھیں۔ قبرستان میں لکڑی کے کتبے جھکے تھے اور ان پر سیب کے شگوفے گرتے تھے--- یہ ایک عجیب منظر تھا۔

سوات کے بلند حصوں میں کہیں کہیں پرانے قبرستان ایسے ہیں جن کی قبریں تو بارشوں اور آندھیوں نے ہموار کر دی ہیں البتہ ان پر نصب نشان یا کتبے بھربھرے اور سال خوردہ ہونے کے باوجود قائم ہیں۔ ان پایہ نما نشانوں کو "خزی" کہتے ہیں۔ ان کی شکل اور بناوٹ ہمیں اس دور کی یاد دلاتی ہے جب ان خطوں میں عجائب قدرت کی پرستش ہوتی تھی۔ میاندم واپسی پر میں نے ایک کاریگر سے رابطہ قائم کیا تاکہ وہ مجھے لاہور لے جانے کے لیے یہ خزی بنا دے---

"آپ خزی کو کیا کرے گا؟" وہ بولا۔

"ہم ان کو اپنے ڈرائنگ روم میں سجائے گا کہ دیکھو سوات سے آیا ہے۔"

"اپنے گھر میں رکھے گا؟--- خو یہ تو قبر کے واسطے ہوتا ہے گھر میں اچھا نہیں ہے۔"

"چلو یوں سمجھ لو کہ ہم اس پر مضمون لکھے گا۔" میں نے جان چھڑانے کی غرض سے کہا۔

"سو روپے میں بنے گا---"

"ایک؟"

"نہیں دو ایک سرہانے کے لیے' ایک پاؤں کے لیے ویسے ہم اپنے گاؤں

والوں سے کبھی بھی خزی کے لیے پیسے نہیں لیتے لیکن تمہارے لیے میں کل اوپر پہاڑ میں جاؤں گا جہاں خزی کے لیے سرخ لکڑی ہو گی جس پر بارش اور برف کا زیادہ اثر نہیں ہوتا--- اور پرسوں شام بنا دوں گا۔"

"تم پہاڑ پر مت جاؤ اور عام لکڑی سے خزی بنا دو کیونکہ میں کل صبح یہاں سے جا رہا ہوں۔"

وہ باقاعدہ ناراض ہو گیا کہ کیا بولتے ہو خزی تو صرف اور صرف سرخ لکڑی سے بنتا ہے عام لکڑی سے کیسے بنا دو---" چنانچہ ہم خزی خرید نہ سکے---

بچے تھک رہے تھے اور سچ پوچھئے تو میں بھی اتنا تازہ دم نہ تھا۔ بلندی کی وجہ سے فضا میں آکسیجن بھی کم تھی اور ہمیں عادت بھی نہ تھی--- شیر اور روہیا خان راستے میں ملنے والوں سے اور کھیتوں میں کام کرنے والے اکا دکا کسانوں سے پوچھتے جاتے کہ جنگل کتنی دور ہے' جنگل کے اوپر برف دکھائی دے رہی تھی---

اب ہم ہر چند لمحوں کے بعد رک جاتے اور آرام کرتے--- وہ ندی جو پہلے گہرائی میں بل کھاتی تھی اب قریب آ رہی تھی اور بالآخر ہم اس کے کناروں پر تھے۔ دوسری جانب چٹان کے ساتھ چمٹا ہوا ایک تنگ راستہ تھا جو اوپر جنگل کو جاتا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا مسئلہ درپیش تھا یعنی اس خوفناک آواز دیتی ہوئی جھاگ اڑاتی اور پتھروں کو اڑاتی ندی کے اوپر تقریباً بیس فٹ کی بلندی پر کوئی پل نہ تھا بلکہ دو بڑے شہتیر ساتھ ساتھ رکھے ہوئے تھے--- ان شہتیروں کی چوڑائی بہت تھی اگر وہ ہموار زمین پر رکھ دیے جائیں تو--- لیکن وہ چیختے چنگھاڑتے پانیوں کے اوپر معلق تھے اور بال سے باریک لگتے تھے۔ ہمیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ندی کو پار کرنا ہے یا نہیں--- فیصلہ فوراً ہو گیا کہ نہیں بہت خطرناک ہے خاص طور پر سِمِیں بہت چھوٹی ہے ندی میں گر گئی تو منگورہ سے پہلے ہاتھ نہیں آئے گی--- لیکن شیر خان اور روہیا خان نے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہمیں ویٹو کردیا "نہیں نہیں کوئی خطرہ نہیں یہاں سے تو بچے سارا دن گزرتے ہیں اور بہت کم گرتے ہیں وہ سامنے جنگل ہے آپ ہمت کرو۔"

اور ہم ہمت کر گئے --- نیچے نہیں دیکھا اگر دیکھتے تو گئے تھے ---

دوسری جانب ہم بلندی کی جانب رواں تھے اور اس کے ساتھ آبادی ختم ہوئی! ندی کا شور پیچھے رہ گیا' بڑے بڑے تناور درخت دیودار اور چیڑ کے قریب آتے گئے اور وہ اتنے گھنے اور تاریک تھے کہ ان کے اندر پرندے اڑتے نہیں تھے بلکہ شاخوں پر پھدکتے تھے اور ان کی آوازیں ہم تک آتی تھیں --- ایک چھوٹا سا نالہ اب بھی ہمراہ تھا --- اوپر برف پگھل رہی تھی اور بالآخر ہم نے ایک صاف ستھرے اور کنوارے گلیشیر کو دیکھ لیا جو ہمارا انتظار کر رہا تھا ---

یہ بچوں کی پہلی برف تھی اس لیے وہ بے حد خوش ہوئے اور اسے ہاتھوں سے کھودنے لگے اور کھانے لگے --- ذرا اوپر سے ایک ننھی منی آبشار گر رہی تھی اور اس کے کناروں پر گیلی مٹی میں سے الپائن پھولوں کے رنگ دکھائی دیتے تھے' خاص طور پر چھوٹے نرگس نما سفید اور پیلے پھول۔ کہیں کہیں گلابی لڑیاں چٹانوں سے لٹکتی تھیں۔ میں ذرا آگے چلا گیا اور آگے بالکل خاموشی تھی اور برف کی سفیدی آنکھوں کو بند کرتی تھی اور کانوں میں پرندوں کے چہکنے کی آوازیں مسلسل آتی تھیں۔ میں کچھ دیر اس مکمل اکلاپے اور خاموشی میں بیٹھا اور پھر گھبرا گیا --- میرے بچے جنگل میں تھے اور اکیلے تھے۔ میں واپس آیا تو وہ ابھی تک برف سے کھیل رہے تھے۔ میمونہ دسترخوان سجا رہی تھی اور ہمارے گائیڈ جنگل کے اندر جا کر ایک عدد چڑیا مار لائے جسے وہ نالے کے پانی سے صاف کر رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ اس جنگل میں ریچھ ہوتے ہیں لیکن وہ صرف رات کے وقت ادھر آتے ہیں اور بندر تو وہ ابھی دیکھ کر آئے تھے --- کھانے کے بعد ہم بھول گئے --- کہ ہم کہاں ہیں --- ہوا میں جو

سرد تازگی تھی اور خوراک میں جو آسائش اور گرمی تھی اس نے ہمیں تھوڑی دیر کے لیے بے پرواہ کردیا اور ہم چٹانوں پر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کرلیں --- لیکن یہ وقت آنکھیں بند کرنے کا نہیں تھا ہم میاندم سے بہت دور تھے اور ہمیں شام تک واپس پہنچنا تھا ---

واپسی کا سفر بھی خوشگوار تھا۔ میمونہ نے سواتی گھروں میں جھانک کر اندر چھپی ہوئی خواتین سے گپیں لگائیں --- ایک جگہ پر ایک خاتون کو دیوار پر مصوری کرتے دیکھا اور اس کے فن کی داد دی --- ایک کھیت میں چند کسان پتھر چن رہے تھے ہم قریب سے گذرے تو انہوں نے تقریباً زبردستی ہمیں گڑ کی چائے پلائی جس نے اس مقام پر اور مہمان نوازی کے ذائقے کی وجہ سے بہت لطف دیا --- اب گنہگار پہاڑ ہمارے سامنے تھا اور جوں جوں ہم نیچے اترتے تھے وہ ہمارے سروں پر بلند ہوتا جاتا تھا --- جہاں ہم تھے وہاں ابھی دھوپ تھی لیکن نیچے مکان اور کھیت سائے میں تھے اور پھر آہستہ آہستہ ہم بھی اس سائے میں چلے گئے --- اور جب ہم میاندم میں آئے تو شام ہمارے ساتھ ہی آگئی ---

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

مے گلفام --- کالام تک!

میاندم سے نیچے وادی سوات تک یعنی فتح پور تک ایک ایسی پر پیچ اترائی ہے کہ آپ بے شک کسی ڈنکی کار پر بیٹھ جائیں تو وہ خود بخود رفتار پکڑتی ہوئی آپ کو نیچے پہنچا دے گی۔ ہماری نیلی کار بھی ایک ڈنکی کی طرح جا رہی تھی اور ہمیں تھوڑا سا دکھ تھا کہ ہمارے آس پاس ناشپاتیوں کے بے شمار باغات تھے جو پھولوں سے سفید ہو رہے تھے اور ہم رک نہ سکتے تھے --- ایک مرتبہ رکے لیکن کہاں تک رکتے چلے جاتے' ڈھلوان پر پھیلے باغوں کے سفید پھول اور ان کے پس منظر میں کہنگار پہاڑ کی سفیدی --- فتح پور پہنچ کر ہم قدرے ہموار سڑک پر رواں ہوئے اور مدین کی جانب رواں ہوئے۔ ہماری منزل کے بارے میں کچھ شکوک تھے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ہم آج کی شب کہاں بسر کریں گے اور یہ صرف کالام کی وجہ سے تھا--- سوات کے بارے میں آپ جس سے بھی کلام کریں وہ کہے گا کہ کالام --- اور یہ تو محاورہ ہے کہ اصل سوات تو کالام کے بعد شروع ہوتا ہے --- منگورہ مدین اور بحرین تو شہر ہیں لیکن کالام کالام ہے ---- اور حتمی اور آخری بات تو ضمیر جعفری نے کہہ دی ہے کہ ۔

جام تک آئے مے گلفام تک آئے نہیں
جو سوات آئے مگر کالام تک آئے نہیں

چنانچہ خواہش تو یہی تھی کہ اگر جام تک آہی گئے ہیں تو مے گلفام تک بھی پہنچ جائیں لیکن اس خواہش کے راستے دو چار سخت مقام آتے تھے --- جب سے ہم سوات میں داخل ہوئے تھے یہی سن رہے تھے کہ کالام کی سڑک بند ہے --- کالام روڈ زیر تعمیر ہے وہاں گلیشیر گر گیا ہے --- کالام کٹ آف ہو چکا ہے --- اس لیے اب ہم بغیر کسی منصوبے کے سفر کر رہے تھے کہ جہاں پہنچ گئے پہنچ گئے --- فتح پور کے قریب ہماری مسافت کا پہلا حادثہ ہوتے ہوتے بچا۔ نیلی کار حسب معمول معمولی رفتار پر جا رہی تھی کہ سڑک کے ساتھ ایک سکول میں سے ایک فٹ بال کسی توپ کے گولے کی طرح شوٹ کرتا آیا اور --- میں نے بریک پر پاؤں --- اور آنکھیں بند کر لیں تاکہ ونڈ سکرین کی کرچیاں زخمی نہ کر دیں اور دل کی دھڑکن اور ایک ہلکی سی چیخ کہ یا اللہ خیر --- فٹ بال پوری قوت سے ونڈ سکرین پر لگا --- اور حیرت ہی حیرت کہ وہ اچھل کر بڑے آرام سے دوسری جانب چلا گیا جیسے نرم ربڑ کا بنا ہوا ہو چمڑے کا تنا ہوا گولہ نہ ہو۔

دریائے سوات اب ذرا دوست ہو رہا تھا اور اس کی دوری قربت میں بدل رہی تھی --- ایک موڑ پہاڑی کے اندر تک گیا اور پھر ایک پل عبور کر کے ہم دوسری جانب چلے گئے۔ دوسری جانب سڑک کے کنارے کالے رنگ کے لکڑی کے کام والے پرانے سواتی پیڑھے اور ستون دکھائی دیئے۔ میں نے کار روک لی دو کانوں کے اندر سے ایک دبلا پتلا نوجوان نسواری رنگ کا سویٹر پہنے سینے پر ہاتھ رکھے باہر آیا ---

"جی میں محمد رشید ایم اے ہوں' آپ تشریف لائیے"

"یہ دوکانیں آپ کی ہیں؟" میں پوچھا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں ---" اس نے دھیمے لہجے میں کہا "لیکن برا نہ مانئے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

گا۔"

"نہیں نہیں" میں سنجیدگی سے کہا "میں کیوں برا ماننے لگا۔"

"جی --- تو یہ دو کانیں میری ہیں --- مدین اٹیکوٹی سینٹر اینڈ ٹورسٹ کارنر اور جی میرے پاس قدیم اشیا نوادرات قیمتی پتھروں کے زیورات' ہینڈی کرافٹ' سواتی فرنیچر' ملبوسات' اسلحہ اور شہد وغیرہ مل سکتا ہے --- لیکن برا نہ مانیے گا۔"

"نہیں نہیں" میں پھر سنجیدگی سے کہا "میں کیوں برا ماننے لگا۔"

دو کانوں کے اندر مختلف اشیا سجی ہوئی تھیں --- لیکن ہم صرف پیڑھوں میں دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے علاوہ اس ستون میں جو دو کان کے باہر ا-ستادہ تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خریدا جائے ---" میں نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کہا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں ---" محمد رشید کہنے لگا "آپ میرے ساتھ مدین چلیں وہاں میں آپ کو ایسے ستون اور دروازے دکھاؤں گا کہ آپ حیران ہو جائیں گے۔ لیکن --- برا نہ مانئے گا"

رشید میرے ساتھ کار میں بیٹھا اور ہم مدین چلے گئے اس کے سٹور میں آٹھ دس نہایت شاندار اور واقعی حیران کر دینے والے ستون اور ان کے اوپر والے حصے رکھے ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب عجائب گھر میں رکھنے کے قابل تھے۔ مسجدوں اور پرانے گھروں کے وہ ستون جو سینکڑوں برس پرانے تھے اور جن پر کھدائی کرنے والے ہاتھ مدت سے خاک میں تھے اور اب ان جیسا کمال اور ان جیسی لگن کہاں دوبارہ ہو گی --- ان ستونوں پر بے شمار مختلف ڈیزائن تھے ان ہزاروں لکڑیوں کی سیاہی ان پر جمی تھی جو سینکڑوں برفانی راتوں میں ان گھروں اور ان مسجدوں کو گرم کرنے کے لیے جلائی جاتی تھیں۔ آتش دانوں کی راکھ اور دھوئیں کی سیاہی کے نیچے وہ بیل بوٹے تھے جو میرے دل کو کھینچتے تھے لیکن محمد رشید جو قیمت مانگ رہا تھا وہ میرے بس میں نہ

تھی --- اگرچہ یہ قیمت ان فن پاروں کے لیے کم تھی لیکن میرے لیے زیادہ تھی --- اور یہی وہ لمحے ہوتے ہیں جب میں بالآخر دولت کی عظمت کا قائل ہو جاتا ہوں کہ دولت ہوتی تو ہم یہ آٹھ کے آٹھ ستون خرید کر لے جاتے --- اور اب یہ کسی غیر ملکی کے گھر میں جائیں گے اور وہاں سے جرمنی یا فرانس جائیں گے اور ہمارے لیے گم ہو جائیں گے --- بہرحال ہم نے اپنی پسند کے چند پیڑھے سٹور میں سے چنے اور واپس دو کان پر آ گئے --- وہاں سے ستون خریدا جو دو کان کے باہر ا-ستادہ تھا اور بقول رشید بیکار تھا لیکن میرے لیے کیونکہ میری جیب کے قریب تھا اس لیے شاندار تھا --- اس دوران میمونہ نے اوپر ایک الماری پر رکھے گرد آلود اور نیم شکستہ دیوان نما شے کو نیچے اتارا اسے غور سے دیکھا اور پوچھا کہ یہ کتنے کا ہے؟! اس پر برادر محمد رشید نے کہا "برا نہ مانئے گا لیکن اسے آپ کیا کریں گے یہ تو ٹوٹا ہوا ہے ---"

"بس مجھے یہی چاہیے۔" میمونہ نے حتمی فیصلہ دے دیا --- اور یہ تخت پوش جب لاہور میں لا کر صاف کیا گیا تو اس کے نیچے سے نہایت خوبصورت نقش بر آمد ہوئے --- اور یہ اب بھی ہمیں ایک پاکیزگی کے جذبے سے سرشار کرتا ہے۔

سامان کی قیمت اور لاہور تک کا کرایہ ادا کر کے ہم نے رسید حاصل کی اور محمد رشید عرف برا نہ مانئے گا سے اجازت چاہی --- اور ہاں اس نے ہمیں "ڈیلی ٹیلی گراف لندن" کی ایک کٹنگ دکھائی جس میں کسی رپورٹر نے اس کی تصویر اور سوات کے بارے میں تاثرات شائع کیے تھے۔

مدین کا قصبہ بہت خاموش اور پر سکون تھا --- ہم نے ہوٹلوں کے نام یاد کیے --- ہو سکتا ہے کلام روڈ بند ہو اور واپسی پر ہم یہاں رات ٹھہر جائیں --- مدین سے آگے بالکل ویرانے میں خان بابا کی طلسمی دو کان تھی --- یہ دو کان دور سے نظر آتی تھی اور دو کان سے زیادہ کوئی گرتا ہوا جھونپڑا نظر آتی تھی جس کے باہر بے شمار

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

پرانا فرنیچر پڑا تھا۔ خان بابا بہت عقل مند قسم کا دوکاندار تھا اور اس کے پاس بہت کچھ تھا جو وہ آہستہ آہستہ دکھاتا تھا --- لکڑی کے جوتوں کا ایک ڈھیر --- تلواریں اور تیر کمان --- اور پرانے سکے --- سمیر نے چند سکے خریدے ہم شاید اور کچھ بھی خریدتے لیکن چند غیر ملکی آگئے اور خان بابا کے لیے یکدم ہمارا وجود ختم ہوگیا۔

--- آگے بحرین تھا۔

بحرین کی ہم نے بہت تعریف سنی تھی --- اس کے دریا کی اور پُرشور آبشاروں کی --- اور ٹھنڈک کی --- لیکن ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ اب ایک ٹورسٹ ٹی بن چکا ہے جہاں ٹورسٹوں کی کھال اتارنے کا مناسب انتظام ہے --- ایک بنک کے سامنے کار پارک کی واپس آئے تو ایک خان صاحب نے ونڈ سکرین پر ہاتھ مار کر کہا "پانچ روپے دو"

"کس چیز کے؟"

"یہ جگہ میری ہے ---"

"یہ تو بنک کے سامنے عوامی جگہ ہے" میں نے احتجاج کیا۔

"نہیں ہم کار کے پانچ روپے لیتے ہیں" وہ غصے سے بولا۔

ایک دوکاندار نے مجھے پہچان کر معاملہ رفع دفع کروادیا --- لیکن مجھے بحرین کے اس کمرشل ازم پر دکھ ہوا اور یہ کمرشل رویہ ہر جگہ موجود تھا دوکانوں میں ہوٹلوں میں اور لوگوں میں --- اپریل میں یہ حال تھا تو بھری گرمیوں میں کیا ہوگا --- دریائے کے کنارے ایک ہوٹل کا کمرہ دیکھنے گئے تو ان حضرات کا رویہ بھی سرد اور لاپرواہ تھا --- ہمارا خیال تھا کہ کافی سفر ہوچکا --- ایک رات یہاں گذاریں اور اگلی صبح کالام کے لیے روانہ ہوجائیں لیکن ہم کچھ بجھ گئے --- دو بجے تھے --- بحرین کی آبشاروں اور دریاؤں کا شور عروج پر تھا --- اس کے منظر ہمیں روکتے تھے لیکن اس

کی کاروباری ذہنیت ہمیں دھکیلتی تھی --- ایک بڑی ساری جیپ قصبے میں اتری --- میں نے روک کر کالام کی سڑک کے بارے میں دریافت کیا --- "خراب ہے --- خاصی خراب ہے لیکن پہنچ جائیں گے۔" نوجوان ڈرائیور نے کہا "میں ادھر سے آرہا ہوں البتہ پتھروں سے آپ کا سائلنسر ٹوٹ سکتا ہے۔"

ہم نے اللہ کا نام لیا اور کالام کو --- سڑک خراب تھی --- اور یہاں پہاڑ بہت نزدیک تھے اور ان کے اندر یہ سڑک خراب تھی --- اور یہاں پہاڑ بہت نزدیک تھے اور ان کے اندر یہ سڑک تھی اور ساتھ دریائے سوات تھا جو پہلی بار پہاڑوں کا دریا لگا اور اس کی خنکی ایک تواتر کے ساتھ ہمارے بدنوں کو کپکپاتی تھی۔

یہاں پر نیلی کار کا بھی امتحان تھا کیونکہ چڑھائی بہت تھی اور ٹوٹی ہوئی سڑک پر تھی۔ ایک خوف میرے ساتھ تھا۔ بحرین کے بعد کوہستان کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے اور میں نے بہت ساری کہانیاں سن رکھی تھیں --- ادھر شام بھی بہت تیزی سے اترتی تھی اور کالام میں رہائش کے بارے میں ہمیں کچھ پتہ نہ تھا کہ وہاں کوئی انتظام ہے یا نہیں --- چنانچہ میں خوف میں کار چلا رہا تھا --- سڑک پر ہمارے سوا کوئی نہ تھا --- کہیں کہیں سڑک بنانے کا سامان دکھائی دیتا --- بچے بھی کچھ ڈرے ہوئے تھے --- ظاہر ہے باپ ڈرا ہوا ہوگا تو بچوں پر بھی اثر ہوگا --- ایک روڈ رولر کے پاس ایک نوجوان کھڑا تھا' میں کار روک لی "کیوں جناب کالام تک پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی اور سڑک کا کیا حال ہے؟"

ان صاحب نے کار میں جھانکا اور جھک کر بولے --- "آپ کے بچوں میں سلجوق کونسا ہے؟ --- اچھا تو یہ اب ہنزہ کے بعد آپ کے ہمراہ کالام جارہا ہے --- آپ کو شاید یاد ہو کہ آپ ایک مرتبہ انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور میں ایک تقریب کی صدارت کے لیے آئے تھے ---"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"ہاں وہ تو یاد ہے لیکن آپ یاد نہیں ---" میں مسکرانے لگا۔

"میں تو کیے از سٹوڈنٹس تھا --- اب یہاں کالام کی سڑک بنوا رہا ہوں جمیل آفاقی میرا نام ہے کوئی پرابلم ہو تو بحرین میں میری رہائش ہے --- اور آرام سے ڈرائیو کیجئے گا" --- ہمارا ڈر کچھ کم ہوا کہ اگر کوئی ایمرجنسی ہو گئی تو کم از کم ایک شخص تو یہاں ہمیں جانتا ہے۔

نیلی کار پھر رواں ہو گئی ---"

ٹوٹی ہوئی سڑک --- سڑک پر پتھر' دریا کا شور اور اترتی ہوئی شام --- اور آگے دیکھا تو سڑک غائب اور سڑک پر ایک اداس اور ست گلیشیر جو پہاڑ سے نیچے آتا تھا سڑک کو پھلانگتا تھا اور نیچے دریا تک جاتا تھا البتہ ٹریفک نے اپنا راستہ بنالیا تھا اور گلیشیر کی برفیلی دیواروں میں سے تقریباً ایک فرلانگ تک کا ٹکڑا ایسا تھا جس پر پانی رواں تھا --- میں نے اللہ کا نام لے کر کار کو دوسرے گیئر میں ڈالا اور گلیشیر کی دیواروں کے بیچ ہمارے ٹائر پھسلتے پھسلتے چلنے لگے --- سردی کی ایک ایسی لہر اندر آئی کہ ہم سب ٹھٹھرنے لگے۔

ایک مقام پر دریا کے دوسرے کنارے پر ایک عظیم برفانی تودہ نظر آیا جو کہیں اوپر سے اپنے اندر درخت اور گھر سمیٹتا ہوا آیا تھا اور اب وہاں مزے سے پگھل رہا تھا اور اپنا خوفناک جبڑا دریائے سوات پر رکھے ہوئے تھا۔ گلیشیر کی ڈھلوان پر چند لوگ چل رہے تھے۔ وہ اسے عبور کر کے کہیں جا رہے تھے کہ ان میں شامل ایک بچہ ان سے الگ ہوا اور گلیشیر کی ڈھلوان پر ایک لکڑی جما کر اس پر بیٹھ گیا اور پھسلنے لگا۔ یہ اس کی تفریح تھی اور وہ ہمیں بھی متاثر کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو میں کتنا خطرناک کھیل کھیل سکتا ہوں اور یہ حرکت یقیناً خطرناک تھی کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی سے

وہ لڑھکتا ہوا دریا میں گر کر ہڈیوں کا شاندار اور باریک سرمہ بنوا سکتا تھا لیکن وہ عین اس جگہ پر پہنچ کر سنبھل جاتا جہاں ڈھلوان بے قابو ہوتی تھی۔ جب اس نے یہ عمل دو تین مرتبہ دہرایا تو ہم منہ موڑ کر کار میں آبیٹھے تاکہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آسکے۔ اس علاقے کی لینڈ سکیپ بقیہ سوات سے بالکل مختلف تھی' یہ اونچے پہاڑوں اور برفانی چوٹیوں اور تودوں کا علاقہ تھا' اس کے پار چترال تھا ---

شام کے قریب ایک ایسا گاؤں راستے میں آیا کہ ہم سب بے ایمان ہو گئے۔ ہمارا جی چاہا کہ کسی جھونپڑے میں جا کر رات بسر کرنے کا سوال کریں' کوئی تو رکھ لے گا۔ زندگی میں جتنے بھی پہاڑی قصبے دیکھے ہیں ان میں یہ قصبہ --- لائی کوٹ یقیناً مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ عین سڑک کے اوپر قدیم ستونوں والی ایک بہت پر تقدس اور حسین لکڑی کی ایک مسجد تھی' اس کے صحن میں ایک قبرستان تھا جس کے چوبی کتبے صلیب نما تھے اور جانے کن وقتوں کی یادگار تھے۔ مسجد کا اندرون اتنا آرام دہ اور پرکشش تھا کہ ہم بہت مشکل سے باہر آئے۔ مسجد کے اوپر برفیں جمی ہوئی تھیں اور ان میں سے یخ بستہ پانی شور مچاتے نیچے آتے تھے اور انہیں وضو کے لئے مسجد کی طرف لکڑی کی نالیوں میں لگایا گیا تھا۔ چیڑ کے درخت اور ان کی خوشبو بھی پھیلتی تھی اور ہمیں روکتی تھی۔

ہم نیچے سڑک پر آئے کار میں بیٹھ کر چند میٹر سفر کیا اور پھر رک گئے۔

ایک گھنا جنگل اور اس پر امڈتی ہوئی سفید چوٹیاں اور پھولوں سے بھرے درخت اور چند مکان۔ لائی کوٹ سے چند مقامی لوگ نیچے آئے' ان میں بدر جمیل تھا جس نے ہمیں چائے کی دعوت دی لیکن ہمارے پاس وقت نہ تھا' ہمیں مٹے گلغام کالام پہنچنا تھا۔

ان علاقوں میں ایک عجیب رواج ہے کہ بلندی سے نیچے آنے والی دیگیں اور

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

چیں چیڑ اور دیودار کی سر سبز ٹہنیوں سے ڈھکی ہوتی ہیں' یہ ایک قابل فخر علامت ہوتی ہے کہ ہم اونچائی سے آرہے ہیں جہاں جنگل ہیں۔

اسی راستے میں میں نے ایک نہایت دلچسپ فقرہ سنا "اوئے تیز نہ کرائیں اوئے" ظاہر ہے یہ آپ کو دلچسپ نہیں لگے گا لیکن اس کا پس منظر ذرا ملاحظہ فرمایئے' ایک ویگن کالام روڈ پر کھڑی ہے اور ڈرئیوار اور کلینزاس کے نیچے گھس کر خرابی تلاش کررہے ہیں' شاید ایسی خرابی ہے کہ فی الفور درست نہیں ہوگی' اکثر مسافر ویگن کے گرد کھڑے ہیں اور ان کے چہروں پر تشویش ہے کیونکہ شام ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ راستہ پہاڑی اور پر خطر ہے نیچے کھڈ میں دریائے سوات کا شور ہے اور آس پاس کوئی آبادی نہیں۔ مسافروں میں چند زندہ دلان لاہور بھی تشریف رکھتے ہیں جو اس وقت جب نیلی کار ان کے پاس سے گزری ایک خطرناک موڑ پر مدھم روشنی میں ماشاء اللہ کرکٹ کھیل رہے تھے اور بیٹسمین اپنی طرف آنے والے باؤلر کو چیخ کر کہہ رہا تھا "اوئے تیز نہ کرائیں اوئے" انہیں کچھ پرواہ نہیں تھی کہ وہ کہاں ہیں اور صورت حال کی نزاکت کیا ہے صرف یہ خدشہ تھا کہ اگر گیند تیز کی گئی تو دریائے سوات میں گر جائے گی۔

کالام کے گاؤں لائی کوٹ کے بعد وادی مزید تنگ ہونے لگتی ہے اور دریا کا شور قریب آجاتا ہے اور پھر اس تنگی اور چھاؤں میں پھیلاؤ اور روشنی آتی ہے اور یکدم سے کلفام آپ کے سامنے آجاتی ہے۔ نیلی کار پر جھکے ہوئے پہاڑ ایسے دور ہوتے گئے جیسے انہیں کہیں اور جانا تھا۔ اور سامنے کالام تھا۔

مجھے ایک مرتبہ پھر کار روکنا پڑی کیونکہ مجھے کچھ یقین نہیں آیا کہ یہ جگہ پاکستان میں ہے یا سوئٹزر لینڈ میں ایک وسیع وادی جس کے گرد بلند اور برف پوش پہاڑ کھڑے تھے اور ان کی برفیں ان کے قدموں میں آکر سڑک تک آتی تھیں کیونکہ

ابھی ماہ اپریل تھا اور برف کا پگھلاؤ شروع نہیں ہوا تھا۔ چند مکان اور وادی کی خاموشی میں ہموار سڑک جو پتہ نہیں کہاں جاری تھی اور ہاں سردی کچھ زیادہ تھی۔ وادی کے ایک بلند مقام پر پی ٹی ڈی سی کا موٹل کا پیلیکس تھا' سرخ چھتوں والے جھونپڑے اور موٹل کی جدید عمارت جسے دیکھ کر جان میں جان آئی کیونکہ ہم وہیں پر ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ایک مقام پر سڑک سیدھی کالام کے قصبے تک جاری تھی مگر ہم موٹل کا بورڈ دیکھ کر بائیں ہاتھ مڑگئے اور پھر تھوڑی سی تیکھی چڑھائی چڑھنے کے بعد وادی کی بلند ترین جگہ پر پہنچ گئے۔ موٹل نہایت شاندار تھا اور وہاں سے وادی کا منظر نہایت خوبصورت تھا لیکن ایک نہایت شاندار اور خوبصورت تالا اس کے گیٹ میں پڑا تھا۔

معلوم ہوا کہ موٹل ابھی کھلا نہیں اپریل کے آخر تک امید ہے۔ اب قیام کہاں کریں؟ ایک صاحب نے موٹل کے ساتھ والے ہوٹل کا حوالہ دیا کہ صرف وہی کام کی رہائش گاہ ہے ورنہ نیچے کالام کے قصبے میں تو منجی بستر اور کھٹمل مفت قسم کی رہائش ہی مل سکتی ہے۔ یہ ہوٹل دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک لگتا تھا۔ وسیع برآمدے اور لان' کمروں کے ساتھ فلش سسٹم وغیرہ ۔۔۔ ہم تھکے ہوئے تھے اور فوری طور پر آرام کرنا چاہتے تھے۔ جب سامان کمرے میں رکھا تب معلوم ہوا کہ کہاں آگئے ہیں۔ فرش پر گندگی کی ایک میلی تہ تھی' جانے کب کے سگرٹوں کے ٹوٹے اور پان کی پیکیں جن میں ایک خاص قسم کی بو تھی۔ بستر دیکھنے سے ابکائی آتی تھی اور باتھ روم میں پانی کھڑا تھا اور یہاں بھی گندگی ہی گندگی تھی لیکن اب ہم کہاں جاسکتے تھے اور ہاں ہم بے حد خوش نصیب تھے کہ وہاں پشتو فلموں کا ایک یونٹ آؤٹ ڈور شوٹنگ کی غرض سے مقیم تھا۔ بہرحال چائے پی کر میں ہوٹل کے لان میں آیا۔ آس پاس کے پہاڑوں سے برفیلی ہوائیں نیچے اترتی تھیں اور ہمارے قدموں میں کالام کا قصبہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

تھا جس میں دریائے سوات بل کھاتا تھا۔

کلام کے پس منظر میں گھنے جنگل تھے اور ان کے اوپر مشہور چوٹی فلک سیر نظر آتی تھی اور کیا خوب نظر آتی تھی۔ میں اپنے کمرے کی گندگی اور بے آرامی بھول گیا۔ یہاں پر کلام کے ایس ایچ او صاحب سے ملاقات ہوئی پوچھنے لگے "کیسے آئے ہو؟" میں نے کہا' بس سنا ہے کہ اصل سوات کلام کے آگے ہے اسے دیکھنے آئے ہیں کل صبح --- اشو' مہوڈنڈ یا مٹلتان کی جانب کا ارادہ ہے۔"

انہوں نے آس پاس ایک نگاہ ڈالی اور سرگوشی میں کہنے لگے "نہ جایئے گا۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"خطرہ ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے تھانیدار صاحب۔" میں نے ہنسنے کی کوشش کی "ہم تو اتنی دور سے آئے ہیں تو اصلی سوات دیکھ کر ہی جائیں گے ہمارے ایک دوست غلام صابر جب بھی بے ہوش ہو جاتے ہیں تو ہم جان جاتے ہیں کہ انہیں مہوڈنڈ یاد آیا ہو گا تو ایسی زبردست وادیاں دیکھے بغیر---"

"آپ نہیں جاسکتے" --- وہ ذرا تھانیدارانہ لہجے میں بولے۔

"لیکن کیوں؟"

"بس خطرہ ہے پچھلے دنوں ایک افسوسناک --- چند غیر ملکی سیاح تھے اور لڑکی بہت خوبصورت تھی تو میں کیا عرض کروں آزاد قبائل کا علاقہ ہے یہاں حکومت کا بس نہیں چلتا آپ جانے پہچانے شخص ہیں اگر آپ کو یا آپ کی فیملی کو کچھ ہو گیا تو مجھ پر الزام آئے گا۔"

اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ کلام کے سفر کا جو خوف تھا وہ اور سیاہ ہو گیا اور میں اپنے آپ کو غیر محفوظ اور کسی حادثے کے قریب محسوس کرنے لگا۔ کلام کی

وادی پر شام کے ساتھ ساتھ خوف بھی اترتا دکھائی دیا۔

"ہاں تارڑ صاحب ایک طریقہ ہے" تھانیدار صاحب میری مایوسی بھانپ کر کہنے لگے "آپ جی بے شک صبح چلے جائیں۔"

"لیکن کیسے؟"

"میں آپ کی حفاظت کے لیے دو مسلح نوجوان ساتھ کر دوں گا کسی کی مجال ہے کہ آپ کے قریب بھی آجائے" انہوں نے پیش کش تو کر دی لیکن میں مزید خوفزدہ ہو گیا کہ اتنی خطرناک جگہ پر آگیا ہوں جہاں سیر کرنے کے لیے مسلح افراد کی ضرورت بھی پڑتی ہے اور ذرا ملاحظہ کیجئے کہ وہ سیر کیا ہو گی جس میں ہمہ وقت دو حضرات بندوقیں تھامے آس پاس پر نظر رکھے لبلبی دبانے کے منتظر ہوں۔

"آپ صبح کتنے بجے روانہ ہوں گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"میری تو جی کار بڑی مختصر سی ہے اس میں دو بندوقوں والے بٹھاؤں تو خود کہاں بیٹھوں بہرحال پھر بھی سہی۔"

میں لان سے اٹھ کر واپس کمرے میں آیا اور میمونہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

"ویسے یہ تو ظلم ہے کہ ہم یہاں آکر واپس چلے جائیں اور کم از کم گبرال اور مہوڈنڈ نہ دیکھیں" وہ افسوس کے ساتھ کہنے لگی۔

"لیکن بچے ساتھ ہیں رسک نہیں لیا جاسکتا۔"

ابھی کچھ روشنی تھی جب ہم اپنے ہوٹل سے اتر کر ایک پرپیچ ڈھلوان سڑک پر ڈرائیو کرتے ہوئے کلام کے قصبے تک آئے۔ ایک چھوٹا سا بازار اور دائیں ہاتھ پر دریا پر ایک مخدوش سا پل جس پر سے ایک کار جھولتی ہوئی گذر رہی تھی پل کے پار تھوڑی سی آبادی اور ہاں --- دریا کا شور --- بازار سے آگے ایک سڑک تھی' روشنی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ابھی تھی اور ہم افسوس میں تھے کہ ہم کل صبح آگے نہیں جا سکیں گے۔

"کم از کم ایک نظر دیکھ تو آئیں کہ آگے کیسا علاقہ ہے؟" میمونہ نے پہاڑی کی اوٹ میں دکھائی دیتے گھنے جنگل پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کار سے نیچے نہیں اتریں گے۔"

میں نے گیئر بدل کر رفتار تیز کی اور ہم کلام سے باہر آ گئے۔ دائیں ہاتھ پر ایک پل تھا جسے ہم عبور کیا اور آگے ایک گھنا سیاہ جنگل تھا۔ ہم ڈرتے ہوئے اس میں داخل ہوئے' بچے خوفزدہ تھے لیکن نامعلوم سی کشش ہمیں کھینچتی تھی۔ سڑک کے کناروں پر موسم سرما کی آخری برف باری کی نشانیاں موجود تھیں۔ سفید برف پر چیڑ کی سوکھی ہوئی گھاس پڑی تھی۔

"ابو ہم نے برف لینی ہے۔" عینی کہنے لگی "صرف ایک مٹھی۔"

"بیٹھی رہو آرام سے" میں نے غصے سے کہا "یہاں کار نہیں رک سکتی۔"

آس پاس ہو کا عالم تھا' صرف ہلکی سی ہوا تھی اور تاریکی پھیل رہی تھی' میں نے کار روک لی۔ "تو جلدی سے ایک مٹھی برف سمیٹو اور واپس آؤ۔"

عینی نیچے اتری اور اس کے پیچھے سمیر بھی اتر گیا۔ وہ دونوں برف کھودنے لگے اور اسی لمحے جنگل کے سایوں میں سے ایک سایہ جدا ہوا اور تیزی سے ہماری طرف آنے لگا' اس کے ہاتھ میں ایک کلاشنکوف تھی اور کندھے پر گولیوں کا پٹا تھا۔

"عینی سمیر" میں نے شور مچایا "بیٹے کار میں جلدی جلدی آؤ۔"

سلجوق بھی گھبرا گیا اور انہیں آوازیں دینے لگا۔ وہ بے چارے گرتے پڑتے کار میں آئے اور میں نے کار موڑ کر جنگل سے باہر جانے کے لیے رفتار تیز کر دی' وہ شخص سڑک پر آیا اور پھر دوسری جانب درختوں میں گم ہو گیا۔ میرا حلق سوکھ چکا تھا جی چاہتا تھا کہ ابھی اسی وقت بحرین روانگی کر لی جائے۔

"میرا خیال ہے وہ ہماری طرف نہیں آ رہا تھا۔" میمونہ بولی "ہم خواہ مخواہ خوفزدہ ہو گئے ہیں۔"

اس دوران پہاڑ میں گولیاں چلنے کی آواز گونجی۔

"یقیناً وہی شخص ہے کسی کو لوٹ رہا ہے" عینی نے پورے یقین سے کہا۔

رات کے کھانے کے لیے ہم دریا کے عین اوپر معلق ایک ہوٹل کے برآمدے میں بیٹھے تھے اور سردی زیادہ تھی اور شور بہت ہی زیادہ تھا۔ اس سے پیشتر ہم نے گھوم پھر کر بازار دیکھا جہاں ہمارے علاوہ کوئی باہر کا شخص نہیں تھا۔ دوکانوں میں بندوقیں اور کارتوس بکتے دیکھ کر بچے لوگ بہت راضی ہوئے۔ چپلی کباب نوش کرتے ہوئے جب ہم نے ہوٹل کے باتونی مالک سے کلام کی خوفناکی کا ذکر کیا تو وہ غصے میں آ گیا "قسم سے یہ ہم کو بدنام کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں آپ آگے جاؤ اشو' کبرال کہیں بھی جاؤ کوئی خطرہ نہیں' چند سال پہلے ایک چھوٹا سا مسئلہ ہوا تھا لیکن اس میں بھی مقامی لوگ ملوث نہیں تھے اور انہوں نے پولیس والوں سے بہت ہی مال بنایا' ہر گھر سے کسی فرد کو پکڑ کر لے جاتے تھے اور پھر رقم لے کر چھوڑتے تھے آپ کہو تو میں آپ کے ساتھ چلوں؟"

لیکن ہم کلام میں نہیں ٹھہر سکتے تھے کیونکہ ہم "برک" چکے تھے اور انسان ایک بار برک جائے تو پھر مشین گن ہاتھ میں ہونے کے باوجود غلیل والے سے مار کھا جاتا ہے اس لیے اگلی صبح واپسی کا پروگرام تھا۔ اور جہاں ہم قیام پذیر تھے وہاں مدت سے قیام پذیر کھٹملوں اور گندگی نے بھی واپسی کے پروگرام کو قوت دی۔ ہم نے خصوصی درخواست پر مزید کمبل حاصل کیے چونکہ ہیٹر کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس کے باوجود کہ غسل خانے کے دروازے اس لیے نہ کھلتے تھے کہ صحن میں برف کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ رات کھٹمل اور بو اور اس کے ساتھ برآمدے میں پشتو فلم یونٹ کی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

خوش گپیاں خاص طور پر ایک خاتون کی آواز بہت بلند تھی اور وہ جو کچھ قہقہے لگا کر کہہ رہی تھی اگر وہی ڈائیلاگ فلم میں بولتیں تو یہ پوری فلم نمائش کے لیے نامناسب قرار پاتی۔ میں نے تو شکر کیا کہ بچے سو چکے تھے یہ خاتون کبھی پنجابی اور کبھی اردو بولتیں اور میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا بولتیں۔

وہ رات بہت مصیبت میں گزری۔ شدید سردی اور گندگی نے بیمار کر دیا۔ کروٹیں بدلتے اور ٹھٹھرتے جب صبح ہوئی تو اس کا آغاز فائرنگ سے ہوا۔ ہمارے دروازے کے باہر گولیاں چل رہی تھیں۔ ہم مزید خوفزدہ ہوئے اور ایک طویل وقفے کے بعد کھڑکی میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ لان میں پشتو فلم یونٹ کی ایک اداکارہ پستول کو فضا میں بلند کیے کھڑی تھی اور اس کے ساتھی اسے ہلا شیری دے رہے تھے کہ چلا دو گولی اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور اس کے ساتھ مسکراتی بھی تھی یعنی اذیت بھی تھی اور لطف بھی تھا اور ایک خاتون کو اور کیا چاہیے۔ وہ جب بھی لبلبی دباتی تو دھماکے سے پہلے ایک ہلکی چیخ مار دیتی اور یہ چیخ وہ ایک خاص انداز میں مارتی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔

دُھوپ پہاڑوں سے نیچے آئی تو ہم سب تیار ہو کر باہر آ گئے۔ ہوٹل کا بل ادا کیا۔

"آپ تو تین چار روز ٹھہرنے کی بات کرتے تھے" منیجر صاحب نے پوچھا۔

"بس ہم نے ایک دن میں ہی بہت کچھ دیکھ لیا" میں نے مسکرا کر کہا۔

نیچے کالام میں اترے --- اور ہمارے دل کو کچھ ہوا --- اتنی خوبصورت جگہ کو ہم چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ایک سپاہی نے کار کو ہاتھ دیا میں نے بریک لگا دی۔

"آپ تارڑ صاحب ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں" میں نے حیران ہو کر جواب دیا۔

"جناب آپ کالام سے آگے نہیں جا سکتے --- پل کے اس طرف رہیے --- یہ اوپر سے حکم ہے> اس نے مردہ سا سلیوٹ مار کر بتایا۔

"جناب ہم یہاں سے آگے نہیں اب پیچھے جائیں گے --- اب تو راستہ چھوڑ دیں۔"

کار پارک کر کے ہم پل کے دوسری جانب چلے گئے جہاں دریا میں سے نکلنے والی دو ندیاں ہیں جن کے کنارے قہوہ ملتا ہے۔ اور جن میں یار لوگ چارپائیاں ڈال کر بیٹھے رہتے ہیں۔ لیکن صرف گرمیوں میں۔ ہم ان کے کنارے بڑے لکڑی کے بنچوں پر بیٹھ گئے --- اس میں کوئی شک نہ تھا کالام مِٹے گلفام تھا ---

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم کالام کی قدیم مسجد دیکھنے کے لیے گئے جس کی لکڑی کی چھت اب بدلی جا چکی ہے لیکن اس کے چند شاندار اور پرہیبت ستون ابھی باقی ہیں۔ کالام کی مسجد اب بھی بچائی جا سکتی ہے۔ ہم اپنے وسائل سے بے شک فیصل مسجد تو تعمیر کر سکتے ہیں لیکن مسجدِ کالام کی قدامت تعمیر نہیں کر سکتے --- مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا نالہ تھا جس میں ایک لڑکا اپنے گھوڑے کو نہلا رہا تھا --- فلک سیر کی سفید چوٹی صبح کی دُھوپ میں نرمی سے دکھائی دیتی تھی۔

ہم کالام' مِٹے گلفام سے نکلے تو ایک بھاری بوجھ کے ساتھ نکلے کہ ہم وہ کچھ نہ دیکھ سکے جو وہاں تھا --- کبھی آئیں گے اور ایک طویل قیام کریں گے' بازار سے مچھلیاں پکڑنے کا سامان کرائے پر لیں گے اور ٹراؤٹ مچھلی پکڑیں گے --- کالام کی سڑک پر ایک ہوٹل زیرِ تعمیر ہے جس کا نام "کنگز ویلی" ہے یعنی بادشاہوں کی وادی --- شاید یہی وہ جگہ ہے جس کے بارے میں خوشحال خاں خٹک نے کہا تھا کہ یہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بادشاہوں کے دلوں کو خوشی سے بھر دیتی ہے ---- میں شاید عام آدمی تھا اس لیے خوشی کی بجائے اس نے میرے اندر خوف بھر دیا تھا اور میں اس کے حسن کی گرمی تک نہ پہنچ سکا تھا میں جانتا تھا کہ حسن ہے ---- وہ مجھے محسوس ہوتا تھا ان پہاڑوں سے پرے جنگل کے پار، فلک سیر کے سائے میں اور میں وہاں نہ جا سکا۔

کالام کی وسیع وادی سے نکل کر ہم ایک مرتبہ پھر اس درہ نما راستے میں چلے گئے جس پر ہم ادھر سے گمنام کی تلاش میں آئے تھے۔

مالم جبّہ میں تین سنو مین!

اُس رات ہم منگورہ میں سوئے اور وہاں ہوٹل پامیر کے صاف ستھرے ماحول میں ہمیں آرام بہت تھا لیکن ہمارے آس پاس کے پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں جیسے جان تھی اور وہ ہمارے ساتھ سانس لیتے تھے ---- ہم اگلی صبح واپسی کا پروگرام بنا رہے تھے کہ لابی میں اقبال رحمٰن صاحب سے ملاقات ہو گئی انہوں نے ہمارے ٹور کے بارے میں پوچھا کہ کیسا رہا اور پھر کہنے لگے "آپ مالم جبّہ ضرور جائیں ----"

"وہ کہاں ہے؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مالم جبّہ یہاں سے سینتالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور آسٹرین حکومت کے تعاون سے وہاں ایک سکی انگ مقام بن رہا ہے ---- سوات کا بلند ترین مقام ہے بحرین ساڑھے چار ہزار فٹ بلند ہے۔ کالام چھ ہزار آٹھ سو، میاندم چھ ہزار اور مالم جبہ پورے آٹھ ہزار سات سو فٹ کی بلندی پر ہے، اِن دنوں برف سے ڈھکا ہو گا ---- سڑک بہت شاندار ہے صرف چڑھائی بہت زیادہ ہے ---- آپ پسند کریں گے ----" نیلی آنکھوں والے اقبال رحمٰن نے ہمیں پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

"کیوں بھئی مالم جبّہ؟" میں نے بچوں سے پوچھا۔

"ہاں ابو مالم جبّہ" انہوں نے فوراً فیصلہ دے دیا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

منگورہ کے پُل کے پار بحرین روڈ سیدھی جاتی ہے اور اس میں سے ایک ذیلی سڑک کٹ کر اوپر اٹھتی ہے اور مالم جبہ کو جاتی ہے۔ اس سڑک کے ساتھ گہرائی میں ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا اور کچھ فاصلے پر نالے کے پار پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا گاؤں دیکھا میں نے کار روک کر ایک دوکان سے اس کا نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جہان آباد ہے یہ نام میں نے کہیں سن رکھا تھا یا پڑھ رکھا تھا لیکن کہاں اور کس حوالے سے یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔

سڑک نے کچھ فاصلے تک شریفانہ رویہ اختیار کئے رکھا پھر اس نالے کو پار کیا اور یہاں پانی کی گزرگاہ میں بہت بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے ان میں سے کئی ایک دو منزلہ عمارت جتنے ہوں گے یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا' اور اس گاؤں کے بعد چڑھائی شروع ہو گئی اور ظاہر ہے تقریباً نو ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچنے کے لیے چڑھائی تو ہو گی۔ سڑک بہت اچھی تھی لیکن اس میں اتنے موڑ تھے کہ میں آنکھیں جھپکتا ہوا ڈرتا تھا اور میرے کندھے دکھنے لگے تھے اور یہ موڑ اتنے تیز اور اونچائی کی جانب تھے کہ کار صرف اور صرف پہلے گیئر میں رینگتی تھی۔ آہستہ آہستہ ہم بلند ہوتے گئے اور بالآخر اس سطح پر آ گئے جہاں سے ہم نے میاندم کی وادی سے گنگار پہاڑ کو اپنے برابر دیکھا تھا --- یہاں بھی کہیں کہیں آبادی تھی' کھیت سرسبز تھے لیکن لوگ کم نظر آتے تھے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ بالکل سامنے عجیب رنگین پہاڑ ہے کہیں سرخ اور کہیں مٹیالا اور اس میں سبز دھبے ہیں اور یہ پہاڑ بالکل سامنے ہے اور اس پر بھی ایک سڑک ہے جو بل کھاتی اوپر جا رہی ہے اور اس پر ایک ٹرک اور ایک بس رینگ رہے ہیں --- ہم نے صرف اندازہ لگایا کہ اس سڑک پر جو کچھ بھی جا رہا ہے وہ ایک بس اور ایک ٹرک ہے ورنہ وہ دھبے سے لگتے تھے جو رینگتے تھے --- یہ سڑک شانگلا پاس کو جا رہی تھی --- جوں جوں ہم بلندی کی طرف گئے توں توں سبزہ کم ہوا

اور ویرانی زیادہ ہوئی اور ہمیں کچھ شک سا ہوا کہ اس سفر کے آخر میں کوئی مقام ہے بھی یا نہیں --- میں نے متعدد بار کار روک کر اپنے بازوؤں کو آرام دیا کیونکہ وہ اذیت میں تھے --- میں نے اس سے پیشتر ایسی پہاڑی سڑک پر سفر نہیں کیا تھا۔ خاص طور پر ایک آدھ گھنٹے کے بعد اوپر سے یکدم جو ٹرک نمودار ہوتا تو سٹی گم ہو جاتی کیونکہ یوں لگتا کہ وہ بے قابو ہو کر سو کلومیٹر کی رفتار سے نیچے آ رہا ہے اور اسے سامنے سے آنے والی ڈنکی کار بالکل نظر نہیں آ رہی --- ہمیں بار بار پیاس محسوس ہوتی کیونکہ دھوپ تیز تھی --- پھر کچھ ہریالی دکھائی دی اور یکدم چیڑ کا ایک جنگل شروع ہو گیا اور اس کی گھنی اور سبز خوشبو میں سانس لیتے ہوئے یوں لگا جیسے ہم نتھیا گلی کے آس پاس آ نکلے ہیں۔ یہ راستہ بھی تقریباً ویران تھا ---

ایک مقام پر دائیں ہاتھ پر ایک سرسبز چراگاہ نظر آئی جس میں زرد پھولوں کے ٹکڑے تھے اور وہاں مویشی گھاس پر منہ رکھے شاید سوئے ہوئے تھے کیونکہ ان سب نے منہ اٹھا کر ہماری طرف نہیں دیکھا گھاس چرتے رہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے رکے تو کار کے انجن کا شور چپ ہوا اور ہمیں احساس ہوا کہ وہاں اس چراگاہ میں کیسی اجنبی خاموشی تھی ---

چند کلومیٹر کے بعد ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے اور اس سے آگے کچھ نہ تھا بارش کی وجہ سے اور برفوں کے پگھلنے کے باعث کیچڑ تھا --- پہاڑ پر ایک سمندری جہاز کے سائز کی وسیع عمارت کھڑی تھی جو ابھی زیر تعمیر تھی۔ برف ہٹانے کی مشینیں چیر لفٹ کا سامان اور دیگر مکانکی اشیا ادھر ادھر پڑی تھیں اور سامنے کی پہاڑی پر ایک اور جنگل تھا اور اس سے نیچے برف ہی برف تھی اور پانی ٹپکنے کی آواز آتی تھی۔ ہم نے کار پارک کی اور کھانے پینے کا سامان اٹھا کر دوسری پہاڑی کی طرف چلے گئے۔ وہاں چوکیدار کے جھونپڑے کے باہر چند نوجوان براجمان تھے اور وہ اس لمحے اپنے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

آگے رکھی کڑھائی کے گوشت پر جھک کر اپنے پہلے نوالے اٹھانے کو تھے۔ "آیئے تارڑ صاحب کھانا کھائیں گے؟" اور انہوں نے یہ دعوت اس انداز میں دی کہ تارڑ صاحب آپ کہاں سے ٹپک پڑے ہیں اور آپ نے عین اسی لمحے آنا تھا --- میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور چوکیدار سے پوچھا کہ کھانے کے لیے کچھ ہے۔

"نہیں صاحب یہ آخری مرغی تھی جو ان صاحبوں کو بنا دی --- چائے مل سکتی ہے۔ اور اس کے ساتھ بسکٹ ---" اس نے نہایت عاجزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے --- ہم اوپر جاتے ہیں آپ وہیں بھیج دیجئے گا ---"

خیال تھا کہ پہاڑی کی چوٹی پر جائیں گے لیکن یہ خیال نہیں تھا کہ نو ہزار فٹ کی بلندی پر اگر نو فٹ پیدل چلا جائے تو آکسیجن کی کمی کی وجہ سے سانس پھول جاتا ہے چنانچہ ہم نے برف کے درمیان ایک کم گیلی جگہ کا انتخاب کیا اور اپنا سامان رکھ دیا --- برف کے نیچے ایک ندی تھی جس کی آواز آ رہی تھی اور ظاہر ہے سردی خاصی تھی۔ مالم جبہ جب آباد ہوگا یقیناً خوبصورت ہوگا اور ابھی تو وہاں ایک ہوٹل کا ڈھانچہ تھا بھاری مشینیں تھیں اور برف تھی ---

سمیر اور عینی نے ایک مرتبہ میری ایک ایسی تصویر دیکھی تھی جس میں مَیں موسم سرما کی پہلی برف باری کے بعد انگلستان میں گھر کے پچھواڑے میں "برف کے آدمی" کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا ہوں۔

"یہ آپ نے کہاں سے لیا تھا ابو؟" عینی اس برف کے آدمی پر انگلی رکھ کر پوچھا کرتی اور میں کہتا "یہ میں نے خود بنایا تھا" اور عینی کو یقین نہ آتا۔

یہاں ہر طرف برف ہی برف تھی چنانچہ بچہ لوگ برف کے آدمی بنانے میں مصروف ہو گئے --- اپنے اپنے علیحدہ برف کے آدمی --- تھکن اتارنے کے لیے لیٹ گیا لیکن میرے کپڑے گیلے ہو گئے۔ شنید تھی کہ مالم جبہ پراجیکٹ شاید تکمیل

تک نہ پہنچ سکے' بنیادی طور پر اسے ایک سکی ریسورٹ کے طور پر ڈویلپ کیا جا رہا ہے یعنی جہاں برف پر پھسلا جا سکے --- اگر یہ خبر درست ہے تو پاکستانی ماہرین کی منصوبہ بندی کی داد دینی پڑتی ہے --- برف پر پھسلنے کے لیے ایک ایسا مقام جہاں برف کم پڑتی ہے --- اور اس دوران کروڑوں ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں ---

گتے کے ڈبوں میں پیک کی ہوئی خوراک نے اب بہت سارے مسائل حل کر دیئے ہیں چنانچہ ہمارے پاس دودھ جوس اور دہی وافر مقدار میں تھا اور ان کے ساتھ آلو کے قتلے سینڈوچ وغیرہ --- ہم کھانا کھا چکے تو نیچے سے ایک لڑکا ایک بڑا سارا دیگچہ اٹھائے ہوئے ہماری طرف آتا دکھائی دیا' اس کے پیچھے گھنے بالوں والا ایک پہاڑی کتا دم ہلاتا چلا آ رہا تھا --- قریب آکر لڑکے نے دیگچہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ ہم نے پوچھا کہ کیا ہے تو اس نے پشتو میں کچھ کہا اور کندھے سکیڑ کر واپس چلا گیا البتہ کتا وہیں بیٹھا دم ہلاتا رہا۔ میں نے دیگچے کا ڈھکن اٹھایا تو بھاپ کے ساتھ پلاؤ کی زبردست خوشبو میرے نتھنوں میں سرایت کر گئی۔ گرم گرم پلاؤ میں آلو اور پیاز بھی ڈالے گئے تھے --- اسے ہم سب نے ہاتھوں سے کھایا اور اس پلاؤ کی وجہ سے ہماری نظروں میں مالم جبہ کی وقعت بڑھ گئی۔

پلاؤ ختم کیا تو وہی لڑکا گرم چائے لے آیا جس نے زبردست ذائقہ دیا ---

کھانے کے بعد تینوں بچوں نے اپنے سنو مین کو سنوارا اور آخری شکل دی تاکہ فیصلہ ہو سکے کہ کس کا سنو مین بہترین ہے۔

سلجوق کا سنو مین شکل سے آدمی کی بجائے کتا دکھائی دیتا تھا اور سلجوق اس کی طرف دیکھتا اور قہقہے لگانے لگتا' البتہ عینی اور سمیر کے برف کے آدمی بہت اچھے تھے اور انہیں نہ صرف اول قرار دیا گیا بلکہ ان کے سروں پر انعام کے طور پر ایک ایک چپت بھی لگائی گئی۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہمیں آہستہ آہستہ مالم جبہ کی عادت ہونے لگی۔ یہ ایک ایسا مقام تھا جس کے وجود کے بارے میں ہمیں سوات آ کر پتہ چلا اور یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں اس وقت ہم واحد سیاح تھے اور عارضی طور پر مالک تھے اس جنگل کے جو چوٹی پر تھا اور ان تمام برفوں کے جو ہمارے آس پاس پڑی ہوئی تھیں اور اس خالص اور تازہ ہوا کے جو بدن کو قوت دیتی تھی لیکن ہمیں واپس جانا تھا اور شام سے پہلے جانا تھا کیونکہ راستہ اترائی کا چڑھائی سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

ہم اس بلندی سے جہاں سے سوات کے تمام پہاڑوں اور وادیوں کو ہم جھک کر دیکھتے تھے نیچے آنے لگے --- اور ہماری نیلی کار اطمینان سے خر خر کرتی اتر رہی تھی کیونکہ اب اس کے انجن کو زور نہیں لگانا پڑ رہا تھا لیکن مجھے اور میری آنکھوں کو پورا زور لگانا پڑ رہا تھا --- اور ہم نیچے اترتے گئے --- جب ہم اس قصبے میں آئے جہاں پہاڑی نالے کی گزرگاہ میں دیوزاد پتھر پڑے ہیں تو سورج اس لمحے میں تھا جب وہ کچھ سوچ کر نیچے چلا جاتا ہے ---

سلجوق پچھلی نشست پر بیٹھا سوات کے بارے میں ایک گائیڈ بک کا مطالعہ کر رہا تھا --- "اگر آپ ایک دشوار گزار راستے پر چلنا پسند کریں تو جہان آباد گاؤں سے منگورہ کی طرف جائیں جہاں ایک چٹان پر مہاتما بدھ کا مجسمہ تراشا گیا ہے ---"

اور جب سلجوق یہ الفاظ پڑھ رہا تھا تو ہم جہان آباد کے قریب سے گزر رہے تھے، گاؤں کے اور ہمارے درمیان ایک پل تھا --- میں نے کار روک دی اور اسی دوکاندار سے پوچھا "مہاتما بدھ کہاں ہیں؟"

"وہ آپ پل پار کر کے نیچے جہان آباد میں چلے جائیں اور وہ ریسٹ ہاؤس ہے وہاں کار کھڑی کر کے چٹان پر چڑھ جائیں تو وہاں بیٹھے ہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"اور جہاں ہم کار کھڑی کریں گے وہاں سے ہمیں پیدل کتنا چلنا ہو گا؟"

"تقریباً دو کلومیٹر" اس نے کہا۔

اب ہم اتنے تھک چکے تھے کہ اگر چٹان میں پتھر کے بدھ کی بجائے سچ مچ کے مہاتما ہمارا انتظار کر رہے ہوتے تو بھی ہم دو کلومیٹر پیدل چلنے سے پیشتر ذرا سنجیدگی سے سوچتے۔

"پھر بھی سہی۔"

دوکاندار نیچے آ گیا "ویسے وہ آگے وہاں سے نظر آ جاتا ہے ---" اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "بس اس موڑ کے قریب ہے ---"

میں نے کار سٹارٹ کی اور موڑ پر آیا تو سورج کی آخری کرنیں سڑک پر اور آس پاس کی پہاڑیوں پر زرد ہو رہی تھیں، جہان آباد سائے میں تھا --- بچے غور سے ان چٹانوں کی طرف دیکھنے لگے جو نالے کے پار خاصی بلندی پر ہم سے تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھیں اور پھر سمیر نے سر ہلا کر کہا "ابو دیکھئے" --- اور میں نے دیکھا --- کچھ دیر دیکھتا رہا اور وہاں ڈوبے سورج میں کچھ چٹانیں زرد ہوتی تھیں اور ان پر چند پتھر ایسے رکھے ہوئے تھے جیسے کوئی سٹوپا ہو اور پھر ایسے لگا کہ ہموار چٹان کے اندر آہستہ آہستہ مہاتما بدھ کے نقش و نگار ظاہر ہو رہے ہیں اور ان پر سورج کی آخری کرنیں نچھاور ہو رہی ہیں --- میں آنکھیں جھپکتا تو وہ کچھ دیر کے لیے گم ہو جاتا --- یہ ایک بہت بڑا مجسمہ تھا اور حیرت انگیز حد تک خوبصورت ---- یا شاید وہ وقت ایسا تھا کہ وہ ایک روحانی روشنی دے رہا تھا، لبادے کی شکن آلود تہیں، دونوں ہاتھ گود میں، آلتی پالتی مارے لمبے کانوں والا بدھ اس بلند چٹان سے سوات کی وادی کو دیکھ رہا تھا ---

کہا جاتا ہے کہ جہان آباد کی اس چٹان پر مہاتما بدھ آئے اور انہوں نے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

انسانوں اور دیوی دیوتاؤں کو سیدھے راستے پر چلنے کی تلقین کی اور جب مہاتما وہاں سے چلے گئے تو معجزانہ طور پر پہاڑی میں سے پتھر کا ایک سٹوپا ظاہر ہو گیا --- اور یہی سٹوپا ہمیں نظر آیا تھا جو چند پتھروں پر مشتمل تھا --- ہمارے سامنے مہاتما بدھ پر سورج ڈوبا اور یہ سورج صرف یہیں نہیں بلکہ پورے سوات میں ڈوب گیا --- اور ہمیں منگورہ پہنچنا تھا۔

جہان آباد کے مجسمے کو ہم تب تک دیکھتے رہے جب تک کہ اس کے نین نقش دھندلا نہ گئے --- پتہ نہیں اس نے اس چٹان پر سے ادھر نیچے' دو کلومیٹر کے فاصلے پر کھڑے پانچ سیاحوں کو دیکھا یا نہیں --- جہان آباد --- غروب آفتاب اور چٹان میں ایک مجسمہ --- جس کے پجاری جا چکے تھے شاید وہ نہیں جانتا کہ اب اس کی جگہ لی جا چکی ہے اور وہ پجاری واپس نہیں آئیں گے۔

اچھا ہوا ہم نے سوات دیکھ لیا!

آج صبح ہم منگورہ سے روانہ ہونے سے پیشتر ہوٹل کی لابی میں بیٹھے تھے تو اقبال رحمٰن صاحب نے ایک اور مشورہ دیا کہ تارڑ صاحب آپ واپسی پر درہ ملاکنڈ کی طرف سے جانے کی بجائے بنیر وادی کی جانب سے جائیں یہ ایک نیا علاقہ ہے اور ادھر بہت کم ہی لوگ جاتے ہیں ---

منگورہ سے نکلنے کے بعد ہم نے اوڈے گرام کے کھنڈرات دیکھے جن میں سے گھاس کھودی جاری تھی اور گوگرہ کے آثار قدیمہ دیکھے جن میں وحشی زمانوں کی غاروں کی تصویریں اور چٹانوں پر کھدے ہوئے چند مجسمے تھے --- اس کے بعد ہم اس سٹوپا کو دیکھنے گئے جسے میں نے واپسی کے لیے سنبھال رکھا تھا۔

شنگرور سٹوپا سڑک سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں کے قریب کھڑا ہے اور اس کے پس منظر میں سوکھی پہاڑیاں ہیں۔ چینی سیاح ہیون سانگ ان علاقوں میں فاہیان سے ڈیڑھ سو برس بعد آیا اور وہ لکھتا ہے کہ بیشتر عبادت گاہیں کھنڈر ہو چکی تھیں اور بدھ مت کے پیروکار جادو ٹونے کے عمل کرتے تھے --- قیاس ہے کہ ہیون سانگ نے اپنے سفرنامے میں جس بادشاہ اترا سینا کا ذکر کیا ہے یہ سٹوپا اسی نے تعمیر کروایا تھا اور اس میں مہاتما بدھ کی خاک محفوظ کی تھی --- جب ہم جہان آباد کی چٹان میں اطمینان سے بیٹھے بدھ کو دیکھ رہے تھے تو سمیر کہنے لگا "ابو یہاں سے کوئی پتھر یا بت

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

وغیرہ نہیں ملتے ---"

"ملتے تو ہیں لیکن میرا یقین ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسا مجسمہ یا پتھر ہو گا جس کے پیچھے لکھا ہو گا "تُو مستنصر ورد لو --- فرام یورس رضیرلی لارڈ بدھا ---" یہ بات میں نے ہنستے ہوئے مذاق میں کہی تھی لیکن شنگردر سٹوپا کے قریب میرے ساتھ تقریباً یہی ہوا --- مجھے یہاں سے اس سٹوپے کا ایک حصّہ ملا --- اندر سالا کی کہانی ملی مہاتما بدھ کی جانب سے شاید ایک تحفہ ---

اقبال رحمٰن کے مشورے کے مطابق ہم بریکوٹ سے سیدھا جانے کی بجائے بائیں ہاتھ پر مڑ گئے ---

اوپر پہاڑوں میں اس پورے علاقے کے سب سے بڑے بزرگ پیر بابا کا عرس منایا جا رہا تھا اور بھری ہوئی بسیں پہاڑی راستوں پر دھواں چھوڑتی شور مچاتی چلی جا رہی تھیں۔ یہاں چیڑ کا ایک جنگل بھی تھا اور راستہ خوشگوار تھا۔ پھر امیلہ آیا اور ہم دوسری جانب چلے گئے۔ ایک مقام پر پیر بابا بائیں ہاتھ پر رہ گیا اور ہم دائیں جانب ڈگر کو اترنے لگے۔ ہر بلندی کے بعد نیچے ایک ہری بھری وادی دکھائی دیتی --- یہ علاقہ نہایت سرسبز اور پرکشش تھا۔ وادی میں سڑک ہموار ہوتی اور ہم اطمینان سے سفر کرتے جاتے پھر چڑھائی شروع ہوتی اور چوٹی پر پہنچ کر ہمیں ایک اور وادی نظر آنے لگتی --- ہم تہہ در تہہ نیچے اتر رہے تھے بلکہ زینہ بہ زینہ نیچے آ رہے تھے --- ڈگر میں ہم تھوڑی دیر کے لیے رکے --- پھر ویرانی اور ہیبت کا راستہ شروع ہو گیا --- اگرچہ یہ ایک نیا راستہ تھا نیا تجربہ تھا لیکن بچوں کے ساتھ ایک ڈراؤنا تجربہ تھا --- پچھلے پہر ہم ایک ایسے دوراہے پر پہنچ گئے جس کے ایک جانب رُستم، شہباز گڑھی اور لاہور تھے --- جی ہاں وہاں سے لاہور صرف چوبیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور جس کے بارے میں ایک صاحب نے یہ فرما دیا ہے کہ دراصل یہی اصلی تے

وڈھا لاہور ہے اور دوسرا نقلی ہے۔ اس دوراہے کے دوسری جانب صوابی تھا جس کے نزدیک غور غشتو کے گاؤں میں نوجوان ادیب شیریں زادہ رہتا تھا جو میرا دوست تھا۔

--- ٹوپی اور پھر ہمیں تربیلا کا عظیم بند دکھائی دیا جو دریائے سندھ کو روکے ہوئے تھا، ہم نے اس مصنوعی جھیل کے ساتھ ساتھ سفر کیا اور بالا خرالارنس پور کے آس پاس ہوئے --- آگے جی ٹی روڈ پر ٹریفک رواں تھی اور ہمیں اس میں شامل ہو کر راولپنڈی جانا تھا اور پھر لاہور پہنچنا تھا ---

اور کتنے روز پہلے ہم اسے چھوڑ کر مالا کنڈ پاس کو عبور کر کے ایک شام گلابوں کے جنگل اور سرد مہک کی وادی میں اترے تھے؟ --- جب ہم پانچوں کو کچھ ہوا تھا اور ہم اس سفر سے الگ ہو کر کسی اور سفر پر چلے گئے تھے --- ہمارے وہم میں نہ تھا اور ہمارے گمان میں نہ تھا کہ اگر اپریل کے مہینے میں انسان ڈوبتے سورج کے ساتھ وادی سوات میں اترے تو اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے --- وہ کیسے ایک ایسے طلسم کے گھیرے میں آجاتا ہے کہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ بس یہی وہ لمحہ ہے جس کے لیے گوتم بدھ نے اتنی تپسیا کی --- اور وہ اب تک جہان آباد کی چٹان میں دھونی رمائے بیٹھا ہے حالانکہ پجاری اب نہیں آئیں گے --- وادی سوات بادشاہوں کے دلوں کو خوشی سے بھر دیتی ہے --- شاید خوشحال خاں خٹک یہ کہنا چاہتے تھے کہ جو کوئی بھی وادی سوات دیکھتا ہے --- اس گلستان اودیانہ کی خوشبو سونگھتا ہے اور اس مئے گلفام کو چکھتا ہے تو اس کا مرتبہ بلند ہو جاتا ہے وہ عام آدمی نہیں رہتا بادشاہ ہو جاتا ہے --- اور پھر اس کا دل خوشی سے بھر جاتا ہے --- سوات نے ہم سب کے دلوں کو خوشی سے بھر دیا تھا۔

"اچھا ہوا ہم نے سوات دیکھ لیا۔" میمونہ دھیرے سے بولی۔

نیلی کار جی ٹی روڈ کی ٹریفک میں گم ہو کر لاہور کی جانب رواں ہو گئی۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

سفرِ خنجراب کا

آفریدی استقبال اور ایبٹ آباد!

درختوں کے گھنے جھنڈ میں سے ایک سفید گھوڑا سرپٹ بھاگتا ہوا نکلا اور اس کے سوار کے ہاتھ میں ایک کلاشنکوف بلند تھی جس کا رخ ہماری کار کی جانب تھا۔

درختوں کے گھنے جھنڈ پھر جیسے زندہ ہونے لگے۔ ان میں سے متعدد مسلح افراد دوڑتے ہوئے ہماری جانب آرہے تھے۔ ان کے سینوں پر گولیوں کے پٹے زیورات کی طرح سجے ہوئے تھے' ان میں سے دو سیاہ پوش تھے اور انہوں نے اپنے چہرے کالی پگڑیوں کے پلوؤں سے ڈھانپ رکھے تھے۔ پھر ایک سیاہ جیپ ہماری جانب حرکت کرنے لگی جسے ایک بانکا نوجوان ڈرائیور کر رہا تھا اس کی کمر سے ایک ریوالور لٹک رہا تھا --- پھر ایک خوبصورت عقاب فضا میں بلند ہوا --- مسلح افراد ہماری جانب دوڑتے چلے آرہے تھے ---

"یہ ڈاکو ہیں ---" میری بیوی میمونہ نے میرا بازو سختی سے پکڑ لیا اور اس کی آواز میں خوف بیٹھا ہوا تھا ---

میرا حلق بھی خشک ہو رہا تھا کہ یا الٰہی یہ ماجرہ کیا ہے۔ میرے بیٹے سلجوق اور سمیر البتہ کار کی کھڑکی کھولے باہر جھانک رہے تھے جیسے ان کے سامنے کوئی کاؤ بوائے فلم چل رہی ہو اور یہ تھی بھی ایک کاؤ بوائے فلم --- جس میں گھوڑے پستولیں اور لمبے تڑنگے مسلح نوجوان تھے اور ان کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ میری سمجھ میں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے --- یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے اسلام آباد سے ایبٹ آباد کے راستے میں ایک گھنے جھنڈ میں سے ڈاکو نکل کر ہم پر حملہ آور ہو جائیں --- یہ ہو تو نہیں سکتا تھا لیکن لگتا تھا کہ ہو گیا ہے ---

یہ ہمارے سفر کا پہلا دن تھا بلکہ ابتدائی گھنٹے تھے اور ہم تو سولہ ہزار دو فٹ بلند درّہ خنجراب پر پہنچنے کے لیے گھر سے نکلے تھے اور یہاں ایبٹ آباد کے نزدیک --- مسلح افراد نے ہماری کار کو گھیرے میں لے لیا ---

میں ان دنوں شدید مصروف تھا --- نہ نیند پوری ہوتی تھی اور نہ بدن کو آرام ملتا تھا اور میں ایک ایسے بھنور میں پھنسا ہوا تھا جو نہ تو مجھے گہرائیوں میں لے جا کر قصہ تمام کرتا تھا اور نہ ساحل کی طرف اچھال کر آزاد کرتا تھا --- اور گرمیوں کا آغاز ہو رہا تھا --- اور گرمیوں کے آغاز میں برف پگھلنے لگتی ہے اور خشک ندیوں اور نالوں کے پتھروں کے ارد گرد پانی بے آواز ہو کر آہستگی سے اترنے لگتا ہے۔ گلیشیر اپنے منجمد آرام سے بیدار ہو کر کروٹ لیتے ہیں اور ان کی کڑکڑاہٹ کی گہری گونج وادیوں میں پھیلنے لگتی ہے۔ شمال کی طرف جانے والے راستے کھلنے لگتے ہیں اور پھر میرے ذہن میں اور میرے بدن میں پانیوں کی آواز چلتی ہے اور برفوں کی گونج پھیلتی ہے اور میں سب سے الگ ہو جاتا ہوں ایک جزیرے کی صورت --- اور اس جزیرے کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ بہنے لگے اور بہتا بہتا شمال کو جائے --- اگرچہ شمال کو پانی جاتے نہیں وہاں سے اترتے ہیں --- پھر بھی میرے بدن کا جزیرہ ادھر کو بہتا ہے' وہیں کی خواہش رکھتا ہے اور ادھر جانے کی آرزو میں دن رات گزارتا ہے --- شمال نے مجھے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے --- پاکستانی شمال نے مجھے قابو میں کر لیا ہے اور میں اس کی غلامی سے نکلنا نہیں چاہتا --- جب بھی گرمیوں کا آغاز ہوتا ہے لوگ

موسم کی شدت سے بیزار ہوتے ہیں تو میں دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوں کہ برف پگھل رہی ہے --- راستے کھل رہے ہیں۔ نانگا پربت کے سائے میں فیری میڈو اور اس کا قدیم جنگل برف میں سے ظاہر ہو رہے ہوں گے۔ سٹرابیری کے پھول جنگل کے فرش پر بچھے ہوں گے' خپلو کے راجہ کے محل میں چیری کے درختوں میں پھل لگ گیا ہو گا --- اور پھر میں ان رسوں کو تڑوانا چاہتا ہوں جن سے مجھے باندھا جاتا ہے اور جن سے میں نے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے --- پاکستان کا شمال میری کمزوری بن چکا ہے۔ یہ درمیانی عمر کی محبت کی طرح مجھے بے بس کرتا ہے اور بس یہی کہتا ہے کہ میرے پاس آ --- اور میں جانا چاہتا ہوں ---

پچھلے برس نکلا تو دیوسائی میدان کے لیے گھر سے نکلا۔

اور دیوسائی کیا ہے؟ تقریباً پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ایک وسیع میدان جس کی لمبائی ستر کلومیٹر سے بھی زیادہ ہے۔ جنگلی پھولوں سے بھرا ہوا اور براؤن ہمالیائی ریچھوں کا پسندیدہ میدان جہاں برف پگھلنے سے جو چھوٹے چھوٹے تالاب بنتے ہیں ان میں پانی کم ہوتا ہے اور مچھلیاں زیادہ --- میں اسی دیوسائی کے لیے سکردو پہنچا --- مہینہ جولائی کا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں ابھی تک برف نہیں پگھلی --- اور میں نہیں جا سکتا چنانچہ میں وادی خپلو کی جانب چلا گیا --- پھر ایک مہماتی سفر نانگا پربت کے بیس کیمپ تک کیا ---

یہ سفر ایسا تھا کہ اس کا سفرنامہ خود بخود لکھا گیا' میرے ذہن میں اور میرے احساسات میں اور مجھے اسے صرف کاغذ پر منتقل کرنا تھا لیکن یہ سفرنامہ تب مکمل ہوتا تھا جب اس میں دیوسائی اور وادی استور شامل ہوں تو --- اور میں نے اس برس یہی ارادہ باندھا کہ دیوسائی میدان اور نانگا پربت کا دوسرا چہرہ دیکھا جائے جو وادی روپل کی جانب نظر آتا ہے۔ میں پروگرام بنا رہا تھا تو اس کی آہٹ میرے بال بچوں کے تیز

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کانوں میں پہنچی۔ سب سے پہلے میری بیوی نے یکطرفہ اعلان کردیا "آپ ہر برس اکیلے نکل جاتے ہیں --- اس سال ہم بھی ساتھ جائیں گے ورنہ ---" اور بچوں نے مجھ سے پوچھے بغیر پیکنگ شروع کردی اور نئے جوگر شوز خرید لیے "ہم بھی ہنزہ جائیں گے ---"

سمیر خاص طور بے حد سنجیدہ تھا۔ "جب بھائی سلجوق آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا تو آپ اسے ہنزہ لے گئے تھے۔ اب میں بھی آٹھویں میں ہوگیا ہوں مجھے بھی لے کر جائیے ---"

عینی کا کہنا تھا کہ وہ ہنزہ وغیرہ جانے میں اتنی دلچسپی نہیں رکھتی صرف یہ ہے کہ گلگت کے قریب ایک گاؤں نومل نام کا ہے جہاں اس کی ایک قلمی دوست ہے مبارکہ یعنی --- وہ اسے ملنا چاہتی ہے --- اور سلجوق کا کہنا تھا کہ وہ ایف ایس سی کے سخت امتحان سے پیشتر کچھ دن ریلیکس کرنا چاہتا ہے اور اس نیک مقصد کے لیے شمال سے بہتر کوئی جگہ نہیں --- خاندان کے ارادوں نے مجھے جکڑ لیا اور کہا کہ اے غلام چل اور ہمیں چین کی سرحد تک لے جا۔

طے یہ پایا کہ شاہراہ قراقرم کے راستے درّہ خُنجراب تک سفر کیا جائے --- اور اپنی نیلی سوزوکی پر کیا جائے۔

البتہ ایک مسئلہ تھا --- پاکستان ٹیلی ویژن کی صبح کی نشریات کے مرکزی میزبان کی حیثیت سے میں ہر صبح پورے پاکستان کو "السلام و علیکم خواتین و حضرات --- صبح بخیر --- اور آج صبح آپ کیسے ہیں؟" کہتا تھا اور ایک ہفتے کے بعد مجھے ایک ہفتہ آرام کا ملتا اور شمال کے لیے کم از کم دو ہفتے درکار تھے۔ میرا یہ مسئلہ نثار حسین ڈائریکٹر ایجوکیشن ٹیلی ویژن نے حل کردیا۔

"آپ کے لیے ہم یہ کرسکتے ہیں آپ مسلسل پندرہ روز پروگرام کریں اور پھر

پندرہ روز کی چھٹی پر چلے جائیں ---"

اور ان پندرہ دنوں میں یوں تو میں میزبان کی کرسی پر بیٹھا کیمرے کے ساتھ گفتگو کررہا ہوتا لیکن مجھے دراصل کیمرے کے لینز میں شاہراہ قراقرم دور تک جاتی ہوئی دکھائی دیتی --- جیسے وہ لینز نہ ہو میری کار کی ونڈ شیلڈ ہو۔ میں ایک ایک دن اپنے ذہن کے کیلنڈر سے اتارتا اور ایک گہری سانس بھر کر کہتا "بس گیارہ دن اور --- " --- اور پھر وہ دن آگیا جب آخری پروگرام کے اختتام پر یعنی ساڑھے آٹھ بجے صبح ٹیلیویژن سٹیشن کے باہر میرے بال بچوں نے سامان سمیت پہنچنا تھا اور وہیں سے ہم نے سفر پر روانہ ہو جانا تھا۔

اور اس سفر میں قاضی غلام صابر اینڈ کمپنی بھی ہمارے ساتھی تھی۔ قاضی صاحب' بیگم قاضی اور ان کے تین نہایت کیوٹ بچے جن کے بارے میں قاضی صاحب سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ یہ اگر کیوٹ ہیں تو کس پر گئے ہیں --- قاضی صاحب گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے استاد رہے پھر ریلوے سروس میں چلے گئے اور وہاں آرام سے ہیں --- اور ظاہر ہے اپنے شدید قسم کے دوست ہیں۔

اور میں پروگرام کے اختتام تک پہنچ رہا تھا۔ سٹوڈیو میں مکمل سکوت تھا اور میں اپنی آواز کو خود ہی سن رہا تھا "خواتین و حضرات اب اجازت دیجیے۔ لیکن اس بار میں اگلے ہفتے حاضر نہیں ہوں گا بلکہ دو ہفتوں کے بعد ہم ملیں گے۔ میں ابھی یعنی آٹھ بج کر پچیس منٹ پر سٹوڈیو سے باہر نکلوں گا اور اپنے بال بچوں سمیت درہ خنجراب کی طرف روانہ ہو جاؤں گا --- میں آپ کو ہر صبح' صبح بخیر کہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے سفر بخیر نہیں کہیں گے! --- شکریہ اور خدا حافظ ---" اور یہ اچھا ہی ہوا کہ میں نے ناظرین سے سفر بخیر کی درخواست کردی۔ شاہراہ قراقرم کسی بلند اور برف پوش چوٹی کی طرح ہے --- کبھی یہ پرامن اور دوست ہوتی ہے اور صاف موسموں میں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

دھوپ چمکتی ہے اور کبھی برفیلے طوفان اور تیز ہوائیں واپسی کے راستے مسدود کر دیتی ہیں --- یہاں ہمیں سفر بخیر کی دعا کی ضرورت تھی۔

ٹیلی ویژن سٹیشن کے باہر دو کاریں کھڑی تھیں۔ ایک نیلی اور دوسری فاختائی۔ دونوں کی چھتوں پر کیریئرز سامان سے لدے پھندے تھے۔ سلجوق نیلی کار میں سے باہر آیا۔ "ہیلو ابو" اور پچھلی نشست پر جا بیٹھا۔

میں نے اسلام آباد کی صبح میں ایک گہرا اور الوداعی سانس لیا اور سٹیئرنگ پر بیٹھ کر نیلی کار کی چابی گھما دی۔

آٹھ بج کر چالیس منٹ اور ہم پشاور روڈ پر رواں تھے۔

ایبٹ آباد تک سفر پرسکون اور خوشگوار رہا اور پھر بیریئر سے ذرا ادھر ہم پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔

"یہ تو ڈاکو ہیں ---" میری بیوی میمونہ نے میرا بازو سختی سے پکڑ لیا اور اس کی آواز میں خوف بیٹھا ہوا تھا۔

"نہیں ---" میں نے نقاب پوشوں کے درمیان میں مسکراتے ہوئے ایک لمبے تڑنگے نوجوان کو پہچانتے ہوئے کہا --- "یہ تو ریاض آفریدی ہے۔"

ریاض آفریدی ان خطوں میں ایک خط تھا جو صبح کی نشریات کے حوالے سے مجھے موصول ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کے خط نے مجھے چونکا دیا --- "میرے مشاغل میں کالا جادو' انسانی کھوپڑیاں جمع کرنا' عقرب سیاہ یعنی کالے بچھو پالنا' کوبرا سانپ کی نشوونما' وڈیو فلموں کی ہدایت کاری' سٹیج پر اداکاری' نوادرات اور مجسمے جمع کرنا --- موسیقی --- وغیرہ شامل ہیں۔"

میں نے اسے واپسی خط لکھا کیونکہ وہ قدرے ابنارمل لگتا ہے اور میں بہت ابنارمل تھا --- نارمل لوگ بڑے آدمی ہوتے ہیں کامیاب اور بیوپاری آدمی ہوتے

ہیں لیکن ہم جیسوں کے لیے ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی --- چنانچہ آفریدی ایک فین سے دوست میں منتقل ہو گیا۔ اسے تنجراب کے سفر کے بارے میں علم ہوا تو اس نے سوچا کہ ایبٹ آباد کے باہر مجھے "سرپرائز" دی جائے اور ایسی سرپرائز دی کہ میری روح قفس عنصری سے پرواز کرتی کرتی رہ گئی --- یہ ریاض آفریدی کے استقبال کا ایک منظر تھا۔

تب ہماری کار کو گھیرے میں لے کر جلوس کی صورت اختیار کی گئی۔ آگے آگے موٹر سائیکل سواروں کا ایک دستہ --- پھر ایک سیاہ جیپ پر مسلح افراد کا جمگھٹ۔ کاریں اور ویگنیں اور وہاں سرپٹ دوڑتے گھوڑے --- اور ایبٹ آباد کے "مونا لیزا" میں چائے کا پر تکلف انتظام جس میں بے شمار لوگ شامل تھے --- سلجوق اور سمیر اس صورت حال سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان کا باپ اتنا بڑا آدمی نہیں ہے کہ ان کے لیے زندگی کی تمام تر آسائشیں مہیا کر سکے لیکن وہ ایک ایسا آدمی تو ہے جو انہیں لوگوں کی بے پناہ محبت مہیا کر دیتا ہے ---

آفریدی نے اپنے سانپ' بچھو' عقاب اور نوادرات میرے سامنے یکے بعد دیگرے پیش کیے۔ سانپ یقیناً ٹیلی ویژن نہیں دیکھتا تھا اور نہ ہی سیاہ بچھوؤں کو میری کوئی کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا کیونکہ انہوں نے محض پھنکار کر اور رینگ کر مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔

ایبٹ آباد کے اس آفریدی استقبال کے بعد بقیہ سفر سے جی اچاٹ ہو گیا۔ ہم ایبٹ آباد سے باہر نکلے تو ایک مرتبہ پھر عام ٹورسٹ بن چکے تھے جن کے ذہن میں صرف یہ تھا کہ شام سے پہلے بشام پہنچنا ہے --- اور بشام ابھی بہت دور تھا۔

"ابو ہم شاہراہ ریشم پر کب سفر کریں گے؟" عینی نے دریافت کیا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"یہ بالکل بیوقوف بچی ہے ---" سلجوق نے اس کے سر پر ایک ہلکی سی چپت رسید کی جو عینی کو بہت ناگوار گزری اور اس نے گرج کر "بھائی ---" کہا تھا کہ میں نے سختی سے "عینی" کہہ کر اسے چپ کرا دیا ---

"یہ بالکل عقلمند اور سیانی بچی ہے ---" سلجوق نے شرارت سے پھر کہا "اور اسے یہ تک نہیں معلوم کہ ہم شاہراہ قراقرم پر سفر کر رہے ہیں ---"

"اچھا؟" سمیر جو اپنے آپ میں گم بیٹھا تھا چونک کر بولا "کمال ہے --- لگتا تو یہی ہے کہ سڑک پر سفر کر رہے ہیں اسی طرح کی ہے جیسی ہمارے ہاں ہوتی ہے ---"

"ہاں --- مجھے بھی لگتا ہے کہ یہ شاہراہ ریشم ہے کیونکہ کار کچھ نرم نرم چل رہی ہے۔" عینی نے سنجیدگی سے سرہلایا ---

"یہ بالکل بیوقوف بچی ہے اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم حویلیاں کے بعد شاہراہ ریشم پر نہیں بلکہ شاہراہ قراقرم پر سفر کر رہے ہیں یعنی کے ایچ پر ---"

"بھائی ---" عینی گرجنے سے پیشتر ہی چپ ہو گئی اور پھر ذرا میری ہمدردی جیتنے کی خاطر کہنے لگی "ابو ہم شاہراہ ریشم پر ہی جا رہے ہیں ناں؟"

میں نے بتایا کہ سرکاری نام اس راستے کا قراقرم ہائی وے ہے اور تاریخی اور رومانوی نام سلک روڈ ہے چنانچہ دونوں درست ہیں ---

"ذرا سوچئے کہ پرانے زمانوں میں سائنس نے کتنی ترقی کر رکھی تھی ---" سمیر نے سرہلایا

"کیوں؟ ---" سب نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"ان زمانوں میں سڑک پتھروں کی بجائے ریشم کے کپڑے سے بناتے تھے ---"

"سمیر کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہ تھا جس سے اندازہ ہو سکے کہ وہ یہ بات ازراہ

مذاق کر رہا ہے یا صدق دل سے کہہ رہا ہے' سمیر بس اسی قسم کا لڑکا ہے اور اسی قسم کی باتیں کرتا ہے --- سلجوق کے بھول پن کے برعکس وہ اندر سے خاصا کائیاں ہے جسے ہم پنجابی زبان میں "گھچرا" کہتے ہیں۔ کہتا کچھ اور ہے اس کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے مثلاً ایک روز کہنے لگا کہ کیا کسی کو معلوم ہے کہ آلو کو آلو کیوں کہتے ہیں؟ ظاہر ہے یہ بے حد پیچیدہ قسم کا سوال تھا اور ہم سب نے اپنے تئیں اس کا جواب دینے کی پوری پوری کوشش کی لیکن اس نے تمام جواب رد کرتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ آلو کو آلو اس لیے کہتے ہیں کہ جب یہ دریافت ہوا تھا تو اس کی شکل آلو سے بہت ملتی تھی اس لیے یہی نام رکھ دیا گیا ---

"اگر یہ شاہراہ قراقرم ہے تو وہ قراقرم کہاں ہیں؟" عینی نے پھر سوال کیا۔

"یہ بیوقوف بچی ہے ---" سلجوق نے شہادت کی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا "اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اصل شاہراہ تو ٹھاکوٹ سے شروع ہو گی اور قراقرم وغیرہ بھی وہیں اکٹھے ہوتے ہیں" اس نے بڑے تھیٹریکل انداز میں اپنے سینے پر ہاتھ رکھا "اور یہ سب معلومات صرف ہم یعنی سلجوق مستنصر فراہم کر سکتے ہیں کیونکہ ہم اپنے ابو کے ہمراہ ان شمالی علاقہ جات کا تفصیلی دورہ کر چکے ہیں اور سفرنامہ "ہنزہ داستان" ہمارے کارناموں سے لبالب بھرا ہوا ہے اور ---"

"او جانے دو ---" سمیر نے بلند آواز میں کہا "ابّو کے سفرناموں میں سب کچھ سچ تھوڑا ہوتا ہے ---"

"سمیر ---" اب میں نے گرجنا مناسب جانا کہ ہاتھ میرے سفرناموں کے گریبان تک آ چکے تھے۔

"ویسے ابّو آپ نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ جب میں بھائی کی طرح آٹھویں جماعت میں ہوں گا تو آپ مجھے اپنے ساتھ دیوسائی میدان لے کر چلیں گے ---"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"بالکل پکا وعدہ ---" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میں آٹھویں جماعت میں تو ہو گیا ہوں ---"

"اس برس تنجراب ---" --- سمیر اپنے جائز اور ناجائز حقوق کے لیے میدان میں ڈٹ جانے والا بچہ ہے اور وہ سلجوق کو صرف بڑا بھائی ہونے کی وجہ سے کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں ہوتا' اسے شروع سے یہ شکایت ہے کہ آخر ابو مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر جاتے ہر مرتبہ یہ کہتے ہیں کہ ابھی تم چھوٹے ہو اور ظاہر ہے کہ بھائی کی نسبت تو میں ہمیشہ چھوٹا رہوں گا چنانچہ میں نے اس کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ اگر میں دیوسائی کے بلند میدانوں اور وادیٔ روپل سے نانگا پربت تک گیا تو تم میرے سفری ساتھی ہو گے ---

عینی ان دونوں بھائیوں سے مختلف شے ہے۔ کام کاج سے وہ ذرا ایک محفوظ فاصلے پر رہتی ہے لیکن اپنی دھیمی اور پیاری باتوں سے وہ سب کو مجبور کر دیتی ہے کہ اسے توجہ دیں اور یوں صرف میٹھی زبان کی وجہ سے لوگوں کو ڈھیر کرتی چلی جاتی ہے --- ظاہر ہے ان میں میں بھی شامل ہوں --- وہ کسی گہری سوچ میں تھی اور جب بھی وہ کسی گہری سوچ میں ہوتی ہے یا ظاہر کرتی ہے کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے تو یا تو وہ کوئی بیوقوفی کی بات کر دیتی ہے اور یا پھر کوئی ایسا سوال جس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہوتا --- چنانچہ اس بار وہ مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگی "ابو یہ جو بھائی نے ابھی نام لیا تھا' تھاکوٹ --- تو کیا یہ ہے کوٹ؟"

"کون ہے کوٹ؟" میں نے سٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہی جو تھاکوٹ" وہ کہنے لگی ---

"کیا مطلب؟" میں نے بیزار ہو کر کہا۔

"آسان سی بات ہے ابو کہ --- "اور تھا "کا مطلب ہے جو کبھی تھا ---" ہے

"کا مطلب" ہے "کہ --- تو تھاکوٹ"۔

"یہ بیوقوف بچی ہے ---" سلجوق نے جھلا کر کہا

"یہ جناب عقلمند بچی ہے ---" عینی نے سر ہلایا اور مسکرانے لگی۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

وادئ مانسہرہ---جس کے گیت کسی نے نہیں گائے!

ہم مانسہرہ پہنچ رہے تھے۔ یہ شہر ایک کراس روڈ ہے جہاں سے پاکستان کے خوبصورت ترین مقامات کے لیے راستے جدا ہوتے تھے۔

ایک راستہ دائیں ہاتھ پر تھا جو بازار سے بلند ہو کر ریسٹ ہاؤس کے برابر سے گزر کر شنکیاری کے چیڑ کے گھنے جنگلوں میں جاتا تھا اور ان جنگلوں میں ایک ایسا چیڑ کے شور میں چپ ریسٹ ہاؤس تھا جہاں میں نے چند لمحے ایک کمرے میں اس لیے گزارے تھے کہ میں یہاں دوبارہ ہر صورت آؤں گا کیونکہ یہاں چیڑ کے پتوں میں سے گزرتی ہوا کا شور جیسے بدن کے اندر اتر کر وہاں گم ہوتا تھا اور انسان کو شانت کرتا تھا' اس کمرے میں دیار کی خوشبو تھی اور ایک ٹھنڈک تھی اور ایک تنہائی تھی جو اب اتنے برسوں بعد بڑی ہو گئی ہے' تنہائی ایک وبا کی طرح پھیلتی ہے--- یہ بڑی ہو جاتی ہے اور پھر ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ انسان ختم ہو جاتا ہے اور پھر اسے آخری تنہائی مل جاتی ہے---

میں ابھی تک وہاں دوبارہ نہیں جا سکا---

شنکیاری سے سڑک نیچے اُترتی ہے اور گڑھی حبیب اللہ کے قصبے میں رُک جاتی ہے' یہاں سے وہ مسافر کے ساتھ چلتی ہے' اگر مسافر مظفر آباد کا ہو تو وہ اسے لوہار گلی کے راستے مظفر آباد میں اتار دیتی ہے اور اگر وادئ کاغان کا ہو تو دوسری سمت

میں بالاکوٹ کی جانب لے جاتی ہے--- لیکن ہم اس کراس روڈ پر بائیں ہاتھ مڑنے والے مسافر تھے--- مہاراجہ اشوک کی چٹانوں کے قریب میں نے کار کی رفتار آہستہ کر دی---

"کیا پتہ وہ ایرانی خانم اب بھی یہاں رہتی ہو جس نے ہمیں ایک چینی تابوت اور نوادرات دکھائے تھے---" سلجوق نے اوپر دیکھا۔

"ہیں؟" عینی ڈر گئی "بھائی تابوت میں کیا تھا؟"

"تمہارا سر---" وہ غصے سے بولا۔

"بھائی---" وہ گرجی۔

"بدتمیزی نہیں عینی---" میں نے اسے جھڑکا۔

"آپ کی لڑائی میں مہاراجہ اشوک کی چٹانیں تو گزر گئیں---" سمیر نے ملنگ بابوں کی طرح لاپروائی سے کہا۔

"واپسی پر رکیں گے---"

"ان چٹانوں پر کیا لکھا تھا ابو؟" عینی نے پوچھا۔

"مہاراجہ اشوک کے فرمان تھے کہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرو جنگ سے بچو جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اگر جانور بیمار ہوں تو ان کے لیے شفا خانے تعمیر کرواؤ---"

"انسان اگر بیمار ہو جائیں تو؟" سمیر نے کہا۔

"انسان کا بھی ذکر ہے---"

"اس قسم کا بادشاہ ہمیں پسند نہیں جو قتل و غارت پر یقین نہ رکھتا ہو---" سمیر نے سرہلاتے ہوئے کہا "ہمیں تو وہ پسند ہے جو حملے پہ حملہ--- اور---"

"یار چپ کرو---" سلجوق نے اسے ڈانٹا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"آپو مہاراجہ اشوک کی چٹانوں پر اردو میں لکھا ہے کہ انگریزی میں؟" ---- عینی بولی۔

"ایک تو یہ بیوقوف بچی ہے ----"

اس سے پیشتر کہ ہنگامہ ہو جاتا میں نے سب کو ایک گرجدار "چپ" سے چپ کرا دیا۔

وادیٔ مانسہرہ کے بیچ سڑک ایک سیدھی مانگ تھی اور ہم اس پر نرمی سے چلے جاتے تھے' چند ہوٹل گزرے جن کے نام خنجراب ہوٹل اور چائنا ہوٹل قسم کے تھے ---- ان کے نام پڑھ کر انسان کو عجیب سی خوشی ہوتی ہے کہ بس خنجراب آ گیا اور چائنا بھی آیا ہی چاہتا ہے لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر چوکی میں کراچی ہوٹل بنا دیا جائے تو اس حرکت سے کراچی نزدیک نہیں آ جاتا ----

وادیٔ مانسہرہ ایک ایسی وادی ہے جس کے گیت کسی نے نہیں گائے ---- نہ یہاں سیاحوں کی یلغار ہوتی ہے نہ سیاحتی کتابچوں میں اس کا ذکر آیا ہے اور نہ کبھی کسی کیلنڈر پر اس کی تصویر نظر آتی ہے جب کہ یہاں تو جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی ---- اس کے سرسبز دامنوں میں دبکے ہوئے قصبے' چیڑ کے گھنے جنگل' پیالا نما میدان اور تیز ندیاں تصویریں نہیں تو اور کیا ہیں ---- جب ہم اپنے سفر سے واپسی پر تھے تو اس روز بارشوں کا آغاز تھا' بادل مانسہرہ وادی میں اترے ہوئے تھے اور چھائے ہوئے تھے اور کہیں برستے تھے تو کہیں ٹپکتے تھے' چیڑ کے درختوں میں پروئے ہوئے ایسے تھے کہ حرکت کرتے تھے تو کچھ اٹکے رہ جاتے تھے اور نیچے سبز گھاس میں خود رو پھولوں کے تختے تھے اور دھان کے کھیت کی سبزی کسی مصوّر کے رنگوں میں نہ تھی ----

ایک باریش بزرگ اپنی بیٹی کے ہمراہ چھتری تانے ایک ایسے گاؤں سے آ

رہے تھے جو دور سے اطالیہ کا کوئی قصبہ لگتا تھا ---- چھترپلین' شنکیاری' ٹبل' بٹ گرام ایسے نام ہیں جو بہت کم لوگوں نے سنے ہوں گے۔ ایسا کیوں ہے؟ شاید یہاں سیاحوں کی رہائش کا کوئی بندوبست نہیں یا پھر گرمیوں میں موسم اتنا خوشگوار نہیں کہ لوگ اپنے پلین چھوڑ کر چھترپلین آ جائیں ---- کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی جسے میں نہیں جان سکا ---- بہرحال ایبٹ آباد سے تھاکوٹ تک یہ ایک شاندار ڈرائیو ہے جو آپ کو پرپیچ پہاڑی راستوں کی خاموشی میں سے اور چیڑ کے درختوں میں پوشیدہ سڑک میں سے لے کر تھاکوٹ تک لے جاتی ہے ---- تھاکوٹ کے نزدیک روایت کے مطابق وہ چٹان ہے جس پر ایستادہ ایک قلعے کو سکندر اعظم نے بڑی مشکل سے زیر کیا تھا۔

تب ہمیں احساس ہوا کہ ہمارے سفری ساتھی قاضی اینڈ کمپنی گمشدہ ہیں اور بہت دیر سے کار کی ونڈ سکرین میں سے یا پچھلے آئینے میں نظر نہیں آئے ----

سبزہ اور درخت کم ہوئے اور سڑک نیچے ہونے لگی اور تب شیر دریا سندھ سامنے آیا ----

"تو خواتین و حضرات یہ ہے مائی انڈس ---- جسے ہم یعنی سلجوق مستنصر دیکھ چکے ہیں۔" ---- سلجوق نے ذرا رعب ڈالنے کے لیے کہا۔

"یہ وہ انڈس نہیں ہے جو تم نے دیکھا تھا ----" سمیر بولا "وہ پانی اور تھے جو تم نے دیکھے تھے ----"

"یہ بہت بڑا ہے ----" مونا حیرت زدہ ہو گئی۔

ایک بہت بڑی سلیٹی رنگ کی چادر کروٹیں لیتی پہلو بدلتی بے چینی سے بہتی چلی جا رہی تھی اور اس کی ہلکی گونج کے ہم قریب ہوتے جا رہے تھے ---- اور سندھ تھاکوٹ کے کنارے تھا ----

"تھاکوٹ یا ہے کوٹ؟" عینی نے کہا۔

"تھاکوٹ ----" میں مسکرانے لگا اور گاڑی کو تیسرے گیئر میں لے آیا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بشام میں شام پئی بن شام

تھاکوٹ سے اصل شاہراہ قراقرم کا آغاز ہوتا ہے ---

جدھر ہم ہیں ادھر نسبتاً ہموار علاقہ ہے اس لیے تھاکوٹ ادھر زیادہ ہے اور ادھر جہاں دوسرے کنارے پر پہاڑ دریا تک آتے ہیں ادھر کم ہے --- تھاکوٹ سوائے انڈس کی پہلی جھلک کے اور کچھ نہیں --- اور اسی انڈس کو عبور کرنے کے لیے ہم تھاکوٹ کے عظیم اور ہیبت ناک پل پر اتر رہے تھے۔ کار پل کے اندر ہوئی تو یوں لگا جیسے سندھ کے اندر اتر گئی ہو' شور اور اس کی گہری گونج کانوں کے پردوں کو سنسناتی تھی --- تو جب ہم نے تھاکوٹ کا پل عبور کیا تو دراصل ہمارے سفر کا آغاز ہوا۔

ہم نے پل کے پار ایک نیم دوستانہ بازار میں رک کر چائے پی اور --- کے کے ایچ اور اگلے دو ہفتے کے لیے اس پر ہم پانچوں سوار اور نیلی کار ---

"یہ تو اتنی خطرناک نہیں ---" عینی نے کار کی کھڑکی میں سے نیچے بہتے انڈس کو دیکھا۔

"ابھی نہیں ---" سلجوق نے عالمانہ انداز میں کہا۔

یوں بھی سٹیئرنگ اپنے ہاتھ میں ہو اور چاہے آپ ایک بُرے ڈرائیور ہوں تو بھی تسلی رہتی ہے کہ خیر ہے ---

شام اترتی تھی اور آدھا سندھ سائے میں بہتا تھا اور باقی آدھا ڈھلتی دھوپ میں تھا اور لگتا تھا کہ دھوپ والا حصّہ بہہ رہا ہے اور سائے والا تھم چکا ہے ---

تھاکوٹ سے بشام تک سڑک ایک تواتر کے ساتھ بل کھاتی چلی جاتی ہے اور ڈرائیور اپنی گاڑی میں آرام سے بیٹھ کر ڈرائیو نہیں کرتا بلکہ کسی ماہر کتھک ڈانسر کی طرح سٹیئرنگ کے ساتھ دائیں اور بائیں کمر کو بل دیتا ہے۔ لچکتا ہے اور اسے قابو میں رکھتا ہے --- میں بار بار پشتی آئینے میں دیکھتا تھا لیکن پیچھے رہ جانے والی سڑک پر قاضی اینڈ کمپنی کی سوزوکی کا نام و نشان نہ تھا اور بے نام اندیشے تھے جو اس سڑک پر ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔

"سڑک تو اچھی ہے۔" مونا بولی۔

"ہاں ابھی تک تو اچھی ہے ---" میں نے کہا۔ "آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا ---"

"آگے کیا ہو گا ابو ---" عینی جو اونگھ چلی تھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"یہ بیوقوف بچی ہے ---" سلجوق بولا --- "آگے لینڈ سلائڈز۔ پتھروں کی بارش اور طوفانی ندیاں جو بڑے بڑے ٹرکوں کو بہا کر انڈس میں انڈیل دیتی ہیں اور یہ تو پھر سوزوکی ہے ---"

"سلجوق --- آرام سے بیٹھو ---" میں نے اسے ڈانٹا "یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ایک سا تجربہ ہو۔"

اور یہ بالکل ضروری نہیں کہ ہر بار ایک سا تجربہ ہو اور یہی سفر کا کرشمہ ہے کہ ایک ہی راستے پر ہر بار کچھ اور ہوتا ہے' کچھ اور ہو جاتا ہے وہ نہیں ہوتا جو پچھلی بار ہوا تھا --- اور ہر شخص کے ساتھ یہ تجربہ بدلتا رہتا ہے اور اسی لیے ہر سفرنامہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ --- "حمزہ داستان" پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اس

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

میں شاہراہ قراقرم اور سندھ کی خطرناکی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے جب کہ ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ کئی دوستوں نے اسی شاہراہ پر سفر کیا اور واپسی پر دونوں ہاتھ پھیلا کر کہنے لگے "یار خدا کے واسطے کیوں خواہ مخواہ لوگوں کو خوفزدہ کرتے ہو ---- وہ شاہراہ اتنی پرہیبت تو نہیں ہے ----" لیکن یقین کیجئے کہ ---- "ہنزہ داستان" میں جو تجربہ تھا وہ بالکل سچا تھا اور میں نے جو محسوس کیا وہ لکھ دیا جن حالات میں میں نے اور سلجوق نے تین برس پیشتر اس شاہراہ پر سفر کیا تھا وہ واقعی ہولناک تھے اور یہ ضروری نہیں کہ سب کو ایک سا جواب ہی ملے ---- یوں بھی جہاز کے پہلے سفر میں زیادہ ڈر لگتا ہے اور پھر عادت ہو جاتی ہے لیکن مجھے اس شاہراہ کی خطرناکی کی عادت نہیں ہو سکی ---- یہ میرا تیسرا پھیرا تھا اور میری ہتھیلیوں میں سے رستا پسینہ سٹیئرنگ کو گیلا کرتا تھا ---- پورے خاندان کے ساتھ اس شاہراہ پر سفر کرنا قدرے دل کو مٹھی میں لے لیتا ہے ----

تھاکوٹ سے بشام صرف بیس کلومیٹر کے قریب تھا ---- اور دھوپ ڈھلنے تک ہم بشام سے ذرا ادھر دریائے سندھ کے کنارے واقع پی ٹی ڈی سی کے موٹل کی خوشنما عمارت کو دیکھ رہے تھے جو دریا کے کنارے ایک سفید چٹان کی طرح ابھری ہوئی تھی۔ شاہراہ سے ایک سڑک نیچے تک جاتی تھی اور ہم اس پر چلے گئے۔ موٹل کے انچارج اعجاز صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان کی محبت سے یوں محسوس ہوا جیسے وہ صدیوں سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہم نے قاضی اینڈ کمپنی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ قاضی صاحب یا تو وزیر آباد لوٹ گئے ہیں اور یا پھر ---- اللہ خیر کرے۔

کمرے کا دروازہ دریائے سندھ پر کھلتا تھا ---- ایک چھوٹا سا ٹیرس جہاں سے پتھروں کے درمیان میں سے ایک راستہ نیچے دریا تک جاتا تھا ---- نیم سبز پہاڑوں کے

درمیان میں بہتا اور ایک اندر کی گونج سے محسوس ہوتا سندھ اتنی تیزی سے بہہ رہا تھا کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ بچے لوگ نیچے جانے کے لیے بے چین ہو رہے تھے لیکن مجھے بھی سندھ کے تیز مزاج کا پتہ تھا اس لیے میں نے ان کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر کنارے تک جانا ہے تو ابو کے ساتھ جانا ہے ---- اور فی الحال ابو چائے پئیں گے۔

تب ہمارے کمرے ایک جھینپتا ہوا مُسکراتا ہوا شخص داخل ہوا جو صابر قاضی تھا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے؟"

"ہم بٹ گرام میں رکے اور پھر چل پڑے اور پھر دیکھا کہ تم ہمارے پیچھے نہیں آ رہے ---- اور ہم جگہ جگہ رُک کر انتظار کرتے رہے اور تم پیچھے نہیں آ رہے تھے ---- اب پتہ چلا ہے کہ تم آگے نکل چکے تھے ----" قاضی صاحب کی مُسکراہٹ دائمی ہے وہ ناراض ہوتے ہیں تو بھی مُسکراتے رہتے ہیں۔ ایسے شخص کو کیا کہا جا سکتا ہے؟

چائے کے بعد ہم اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے نیچے سندھ کے کنارے تک گئے۔

بچے اب بے چین ہو رہے تھے کہ اس میں تھوڑا سا پاؤں ڈالا جائے ---- ذرا ہاتھ لگایا جائے کہ کیسا ہے اور اوہو یہ تو بہت ٹھنڈا ہے اور ابو توبہ توبہ پانی بالکل یخ ٹھنڈا ---- اور بچے آہستہ آہستہ سندھ کے ساتھ فری ہونے لگے ---- لیکن میں نے ان کو تھام رکھا تھا اور وہ اس جگہ پر پاؤں جمائے بیٹھے رہے جہاں کبھی کبھار سندھ کا پانی اچھل کر آتا تھا اور اتر جاتا تھا۔ اور جب پانی آتا تھا تو وہ سب "اوئے ---- ہائے ---- ابو ----" کے نعرے لگاتے تھے ---- دھوپ جو کہیں تھی اور اس کی ہلکی روشنی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

سے پانی کی چادر دکھائی دیتی تھی اب مدہم پڑنے لگی اور ہوا میں ایک ہلکی سی خوشگواری تھی زیادہ نہیں بس ہلکی سی ---

میرا جی چاہتا تھا کہ میں بھی اپنے پاؤں سے سندھ کے پانی کو محسوس کروں چنانچہ میں ذرا آگے ہو کر بیٹھ گیا اور پاؤں پتھروں کے بیچ اس جگہ رکھ دیا جہاں پانی اُبھرتا ہوا آتا تھا اور اتر جاتا تھا ---

"اب دیکھو بچو --- جس طرح میں نے پاؤں رکھا ہوا ہے اس طرح بالکل کوئی خطرہ نہیں حالانکہ پانی بہت تیزی سے نیچے اتر رہا ہے ---"

پانی آیا اور اس کی یخ ٹھنڈک سے کپکپا کر میں نے اپنے پاؤں کو اٹھانا چاہا۔ اسی لمحے لہر نیچے گئی اور میری چپل کو میرے پاؤں سے جوتوں کی دکان کے سیلز مین کی طرح مزے سے اتار کر ساتھ لے گئی --- سندھ کے پانیوں میں ---

"ہائے میری چپل ---" میں نے شور مچا دیا۔

"ابو آپ کو بھی اپنے ابو کے ساتھ یہاں آنا چاہیے تھا ---" سمیر نے سنجیدگی سے کہا۔"

"اب ملے گی نہیں چپل؟ ---" عینی نے معصومیت سے کہا

"یہ بیوقوف بچی ہے"۔ سلجوق نے کہا "ابو کی چپل اس وقت تک یہاں سے بیس کلو میٹر دور تھا کوٹ کے پل کے نیچے سے گذر رہی ہوگی اور کل شام تک کالا باغ اور سکھر بیراج سے ہوتی ہوئی ایک ایسی جگہ پہنچے گی جہاں ایک بوڑھا مچھلیاں پکڑ رہا ہوگا اور اس کی کنڈی کے ساتھ اٹک جائے گی ابو کی چپل --- کیا اٹک جائے گی؟"

"ابو کی چپل ---" عینی اور سمیر نے نعرہ لگایا۔

"اور پھر وہ بوڑھا وہیں بیٹھا رہے گا تاکہ دوسری چپل آئے اور پھر وہ گھر جائے ---"

"ابو بوڑھے کو گھر جانے دیں۔" سمیر کہنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"دوسری چپل بھی سندھ میں پھینک دیں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ---" میں اٹھا اور ایک چپل اور ننگے پاؤں سے ایک عجیب چال چلتا اوپر موٹل کی جانب چڑھنے لگا۔ اُوپر ٹیرس پر پہنچ کر میں نے نیچے دیکھا تو سندھ کے سلیٹی پانیوں کی کروٹیں تاریکی میں گم ہونے والے صحرا کی طرح تھیں جس کے کنارے تین بچے اور ان کی ماں کھڑے تھے --- مجھے ڈر سا لگا "اوپر آجاؤ ---" لیکن وہ سن نہیں رہے تھے اور آپس میں چہلیں کر رہے تھے اور میں ان کے لیے فکر مند ہو رہا تھا۔ پھر وہ بھی اوپر آنے لگے سرگوشیاں کرتے ہوئے --- میرے قریب آئے تو سلجوق نے زور سے نعرہ لگایا "کیا اٹک جائے گی؟" اور جواب آیا "ابو کی چپل ---"

سمیر نے میرے پاس آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا "ابو بوڑھے کو گھر جانے دیں۔"

"بکواس نہیں کرو۔" میں نے مُسکرا کر کہا اور میں دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوا اس ذات کا جس نے مجھے ایسی بے مثال تین خوشیاں دی تھیں اور ان کو حفاظت میں رکھا تھا اور صحت اور زندگی دی تھی --- ایک انسان کو اور کیا چاہیے ---؟ اس کے بچے بشام میں نعرے لگا رہے ہوں کہ کیا اٹک جائے گی؟" "ابو کی چپل ---" اور پھر "اب بوڑھے کو گھر جانے دیں ---" ایک انسان کو ایک شام سندھ کے کنارے اور کیا چاہیے؟

بشام میں شام ---

وشام پئی بن شام محمد گھر جاندی نیں ڈرناں۔

تاریکی جو گہری ہو کر سندھ کے پانیوں میں اُترتی تھی انہیں اپنے آپ میں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ڈوبتی تھی اور پھر شور آگے آ گیا اور سلیٹی چادر اوجھل ہوتی گئی۔

رات کے کھانے کے لیے ہم موٹل سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع بشام کے قصبے میں گئے۔ بشام ایک سٹاپ اوور ہے ایک قصبہ نہیں۔ سٹاپ اوور میں ہر شے عارضی ہوتی ہے دوکانیں مکان' ہوٹل اور اس کی رونق --- یہاں سے ایک راستہ منگورہ سوات کو جاتا ہے۔ صرف ایک سو کلومیٹر --- لیکن آپ بلند شانگلا پاس کو عبور کر کے وہاں تک پہنچتے ہیں۔ ارادہ تھا کہ واپسی پر اسی راستے سے اسلام آباد جائیں گے۔ منگورہ میں پامیر ہوٹل کے اقبال رحمن کے ساتھ ملاقات کریں گے اور بٹ خیلہ میں نوشادی شدہ ڈاکٹر ارشد کے ہمراہ چائے پئیں گے ---

تین برس پیشتر بشام ایک ویرانہ تھا جہاں ایک پٹرول پمپ ایک دو ڈرائیور ہوٹل' ایک آدھ ورکشاپ اور چند خشک پہاڑ تھے --- پہاڑ اب بھی خشک ہیں لیکن بشام پر بہار آ چکی ہے۔ پچھلے برس نانگا پربت سے واپسی پر رات کے گیارہ بجے بس یہاں رکی تو روشنیوں کی چکا چوند سے خیال ہوا کہ کہیں اسلام آباد کے آس پاس ہیں --- درجنوں کی تعداد میں درآمد شدہ مال سے لدی پھندی دوکانیں' نئے ہوٹل اور مارکیٹیں --- بشام شاہراہ قراقرم کے راستے اقتصادی ترقی کی آمد کی ایک مثال ہے --- ہم نے ایک ڈرائیور ہوٹل سے کھانا کھایا۔ بلکہ کھانا ڈرائیور ہوٹل کا تھا اور اسے کھایا ہم نے کار کے بونٹ پر رکھ کر کیونکہ ہوٹل کے در و دیوار چکنائی اور گندگی سے سیاہ تھے اور اس کے فرش کیچڑ تھے اور --- بعد میں اس کھانے نے ہمارے بدنوں کے ساتھ جو کچھ کیا اس سے معلوم ہوا کہ چکنائی اور گندگی صرف در و دیوار پر ہی نہیں تھی۔

خواتین روشن دوکانوں میں تانک جھانک کرتی رہیں اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ تمام اشیا لاہور میں نسبتاً کم قیمت پر دستیاب ہیں --- اس پر ہم خاوندوں نے شکر کیا

بشام موٹل کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور سندھ کا شور اندر آتا تھا لیکن ہوا اندر نہ آتی تھی --- رات قدرے بے آرامی سے بسر ہوئی --- صبح کے قریب ٹھنڈک ذرا قریب ہوئی تو نیند آئی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر سلجوق نے سامان کار کے کیریئر پر باندھنا شروع کر دیا۔ آج ہمارے سامنے جو سفر تھا وہ دشوار تھا۔ وہ دور دراز کا تھا اور پُر خطر تھا --- بشام سے گلگت تین سو پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور راستہ پر پیچ کوہستانی تھا --- ہم پورے ساڑھے سات بجے بشام موٹل سے نکلے --- بشام بازار سے گزرتے ہوئے ہم نے سوزوکیوں کی ٹینکیاں پٹرول سے لبریز کروائیں اور اللہ کا نام لے کر روانہ ہو گئے ---

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

شاہراہِ قراقرم اور پتھر کے شیر

ایک خوشگوار اور صاف ستھری صبح میں ہم شاہراہِ قراقرم پر سفر کرتے تھے ــــ میں اپنی تمام تر توجہ سڑک کے موڑوں اور اس پر گرے ہوئے پتھروں پر مرکوز کئے ہوئے کار چلا رہا تھا ــــ شاہراہ پہاڑ کے اندر ہوئی اور وہاں سے بل کھا کر اونچی ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ چند کاریں اور بسیں رکی ہوئی ہیں اور پہاڑ کا ایک حصہ سڑک پر ڈھیر ہے ــــ اور اس ڈھیر کو ایک ندی نے دلدل میں بدل رکھا ہے ــــ

شاہراہ قراقرم ایک عجیب غیر حقیقی سی سڑک ہے' یہاں سڑک نہ بنائی چاہئے تھی اور نہ بن سکتی تھی لیکن بنا دی گئی اور پھر اسے ایسی حالت میں بھی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس پر ٹریفک رواں رہے۔ انسان کتنا ڈھیٹ ہوتا ہے اور جب وہ ایک فیصلہ کر لے تو اس پر کس طرح اڑا رہتا ہے اور قدرتی عناصر اور ناممکنات کے ساتھ پیشانی جوڑ کر ایک اڑیل بھینسے کی طرح کس طرح زور لگاتا رہتا ہے یہ سب کچھ دیکھنا ہے تو کے کے ایچ دیکھ لیجئے ــــ یہاں پہاڑ اور پانی غصے میں ہیں اور ہار نہیں مان رہے اور انسان یہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے میں کمزور ہوں اور یہ ناممکن ہے لیکن ــــ نہ' میں نے بھی شکست تسلیم نہیں کرنی چنانچہ اس شاہراہ پر انسان اور قدرت ہمہ وقت پنجوں میں پنجے ڈالے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرتے

رہتے ہیں ــــ تھاکوٹ سے خنجراب تک چٹانوں پہاڑوں اور مٹی کی سینکڑوں اقسام ہیں کہیں یہ لوہا ہے اور کہیں ریت کی طرح بھربھری کہیں بڑے بڑے پتھر ہیں اور کہیں کیچڑ ــــ اور ان کے درمیان انسان نے پورا حساب کتاب رکھ کر ایک ایسی سڑک بنا دی ہے جو روز ختم ہوتی ہے اور وہ اسے پھر بنا دیتا ہے ــــ روایت ہے کہ ایک زمانے میں غیر ملکی ماہرین کو اس علاقے میں بلایا گیا اور کہا گیا کہ آپ سروے مکمل کر کے اپنی تعمیراتی فرموں کی جانب سے ہمیں تخمینہ بھجوائیں کہ آپ اس سڑک کی تعمیر کتنے برس میں کریں گے اور کتنی رقم میں کریں گے۔ ایک جرمن صاحب ادھر آئے ایک جیپ میں ذرا خجل خوار ہوئے چند روز بھوکے رہے کچھ پتھر کھائے' ایک بار مرتے مرتے بچے اور پھر اپنی فرم کو تار بھجوایا کہ "یہ سڑک پاکستانیوں کو ہی بنانے دیں" کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ بن نہیں سکتی اس لئے یہ خود ہی کوشش کر دیکھیں ــــ اب بھی راولپنڈی سے اگر آپ روانہ ہوتے ہیں تو ضروری نہیں کہ آپ گلگت پہنچ جائیں۔ ہو سکتا ہے بشام میں ہی لینڈ سلائڈ ہو اور آپ ٹھنڈے ٹھنڈے واپس آجائیں ــــ یا پھر سڑک پر قیام پذیر ہو کر اگلے روز کا انتظار کریں جب بل ڈوزر آئے گا اور سڑک صاف کرے گا۔

ہمارے سامنے سڑک پر جو ڈھیر تھا وہ تقریباً قابل عبور تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنی گاڑی کو پہلے گیئر میں ڈال کر خوب ریس دیں اور پھر اللہ کا نام لے کر کلچ چھوڑ دیں اگر تو اس دلدل اور پتھروں پر چڑھ گئی تو چڑھ گئی ورنہ کھسکتی ہوئی واپس آجائے گی اور آپ ایک اور کوشش کر دیکھئے ــــ اور دھیان رہے کہ ان آپ کے نیچے ہے ــــ بہرحال میرے ماتھے پر پسینے کے چند قطرے نمودار ہوئے کہ امتحان شروع ہونے والا ہے ــــ اور ہم امتحان میں سے گزر گئے ــــ بچوں نے چپ کی۔ مونا نے زیر لب کچھ ورد شروع کیا اور ہماری کار پار ہو گئی ــــ تھوڑی دور جا کر ہم

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

نے کار روکی اور باہر نکل کر لمبے لمبے سانس لیے --- اور یہاں جو منظر تھا وہ عجیب ایک ٹھہرا ہوا طلسم تھا جو دیکھنے سے اور غور سے دیکھنے سے رواں ہوتا تھا ورنہ انسان ذرا بے دھیان ہو جائے تو رک جاتا تھا --- اور اس منظر میں پہاڑوں پر صبح کی ہلکی دھند تھی اور سندھ کے پانی تھے جو خاموشی سے بہتے تھے کہ چٹانیں کم تھیں اور دریائے کے بہنے کو میدان بہت تھا --- اگر کوئی تہذیب یافتہ بچے ہوتے تو وہ اس منظر کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتے لیکن یہ لاہوری بچے تھے انہوں نے منظر پر ایک نظر ڈالی اور پھر کار کے پچھلے حصے میں سٹور شدہ دودھ اور ڈبل روٹی نکال کر نوش کرنا شروع کر دی اور پھر خاصی دیر بعد منظر کی طرف نگاہ کی ---

نیلی کار شاہراہ قراقرم پر رواں تھی اور اس کے اندر ایک جہان آباد تھا ایک خاندان آباد تھا --- آغاز سفر پر یہ معاہدہ طے پا چکا تھا کہ کار ڈیک پر میرے اور میمونہ کے لئے بچوں کی آبادی کے مطابق چالیس فیصد بور گانے چلیں گے اور ساٹھ فیصد دھما دھم مغربی موسیقی چلے گی بچوں کی پسند کے مطابق --- چنانچہ فی الوقت بور موسیقی چل رہی تھی اور بچہ لوگ باہر دیکھ رہے تھے۔

شاہراہ ذرا پہاڑوں کے اندر گئی اور دوبیڑ اور اس کا خوبصورت پل نظر آئے اور اس پل کے نیچے سے بہت سا پانی بہتا تھا اور ذرا بہتے بہتے انڈس میں جا شامل ہوتا تھا۔ ہماری رفتار کچھ اطمینان بخش نہیں تھی کیونکہ دوپہر قریب تھی اور ابھی ہم بشام سے صرف چالیس یا پچاس کلومیٹر دور ہوئے تھے۔ بشام سے داسو تک شاہراہ اونچائی پر ہے اور اس میں پیچ و خم کچھ بہتات سے ہیں' آپ احتیاط کا دامن چھوڑیں گے تو سیدھے انڈس میں جائیں گے --- داسو کے قصبے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے شاہراہ دریائے سندھ کو عبور کر کے دوسری جانب چلی جاتی ہے اور پھر ڈرائیونگ نسبتاً

آسان ہو جاتی ہے۔ یہاں پہاڑوں میں سے پانی رستا رہتا ہے اور سڑک کے ساتھ چٹانوں سے پانی کے پودے یعنی فرنیں لٹکتی رہتی ہیں۔ کئی مقامات پر پانی پھوار کی صورت گرتا ہے اور ظاہر ہے بچوں نے اس قدرتی شاور کا فائدہ اٹھایا --- کیونکہ شاہراہ جو کچھ بھی ہے کچھ زیادہ پر فضا نہیں ہے۔ قراقرم کا لفظ ذہن میں آتا ہے تو برفباری شروع ہو جاتی ہے جب کہ یہاں آیئے تو سن سٹروک کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے اور پیاس سے زبان باہر لٹکی رہتی ہے اسی لیے جہاں کہیں بھی پہاڑی ندیاں شاہراہ پر اترتی ہیں وہاں پر کاریں اور بسیں رکتی ہیں اور مسافر حضرات باقاعدہ اشنان کرنے لگتے ہیں یوں بھی یہاں پیاس کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے اس لیے سٹور شدہ جوس اور دیگر مشروبات نے بہت لطف دیا۔

داسو سے ذرا دور ہوئے تو جو تھوڑی بہت ہریاول تھی وہ بھی دور ہوئی --- اب سندھ بائیں ہاتھ پر بہت نیچے ایک وسیع میدانی علاقے میں بہتا تھا اور پہاڑ بہت پرے تھے --- جا بجا ریت کے ٹیلے نظر آنے لگے بدن پسینے سے بھیگنے لگے اور کار کے شیشے اس لیے اوپر کر دیے گئے کہ باہر صحراؤں میں سے ہولے سے باد نسیم نہیں بلکہ گرم ہوائیں چل رہی تھیں۔

سندھ اور دور چلا گیا اور شاہراہ ایک چٹیل اور بے آب و گیاہ ویرانے میں سے گزرنے لگی۔ کابل سے قندھار جائیں تو لینڈ سکیپ ہو بہو ایسی ہے --- یہاں ایک خوف کا شائبہ تھا جو سب کے اندر بیٹھ رہا تھا۔ قاضی اینڈ کمپنی کہیں پیچھے رہ گئے تھے اور ہم اس ویرانے میں اکیلے تھے' دائیں بائیں جہاں تک نگاہ جاتی تھی وہاں تک ویرانی تھی اور دہشت اس سے بھی پرے جاتی تھی --- پھر دور سے ہمیں ایک بیریئر نظر آیا جو پولیس کا تھا۔

ان علاقوں میں کچھ عرصہ پہلے ایک چھوٹی سی قیامت آئی۔ اس کی تفصیل

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

لکھنے کا یہ موقع نہیں۔ مذہبی تعصب اور جہالت نے یہاں گاؤں کے گاؤں جلا دیئے اور جلنے والوں میں بچے عورتیں اور مویشی شامل تھے۔ ایک فرقے کے لوگوں نے مسلح ہو کر جہاد کا اعلان کر دیا اور ایک لشکر کی صورت میں حملہ آور ہو ہو گئے ---- شاہراہ قراقرم کی یہ خوبی بھی ہے اور خامی بھی کہ اسے اگر کاٹ دیا جائے تو ادھر ہم اور ادھر تم کی کیفیت جنم لے لیتی ہے۔ یہاں ایک پل کے اوپر پہاڑی پر گھات لگائے ایک رائفل بردار پوری فوج کو روک سکتا ہے ---- لیکن اتنے بڑے لشکر کو کسی نے نہ روکا ---- جانے دو ---- اس بربادی اور بربریت کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ وطن کے حوالے سے شبہات کا شکار ہو رہے ہیں ---- بہرحال جب میں سفر کر رہا تھا تو جگہ جگہ چیک پوسٹیں ایستادہ تھیں اور راستوں میں بیریئر تھے جو ہر کار اور ہر ویگن کی تلاشی لیتے تھے ---- حکومتی اداروں کی حفاظتی کاروائی نہایت دلچسپ ہوتی ہے وہ پچاس ہزار کے ایک مسلح لشکر کو نہیں روکتے ---- بچوں سے بھری ہوئی ایک سوزوکی کار کو روک لیتے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک پولیس بیریئر تھا۔

میں نے کار روکی تو سپاہی نے کار کے اندر جھانکا اور پھر کہنے لگا "آپ مہربانی کر کے باہر آجائیے۔"

"کیوں ----؟" میں نے قدرے غصے میں کہا۔

"گرمی ہے پانی شانی پی کر جائیں جناب ----" وہ کہنے لگا۔

تھانے کی قلعہ نما عمارت کے باہر ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں سفیدے کے درخت تیز ہوا میں دوہرے ہو رہے تھے۔ پولیس والوں کی خصوصی بڑی چارپائی بچھا دی گئی اور ہم نے چند لمحے آرام کیا خنک پانی پیا اور اپنے سامنے پھیلے بیابان کو دیکھا جو وہاں تک تھا جہاں تک ہماری چندھیائی ہوئی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔ شاہراہ

قراقرم پر سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان پنجابی ہے کیونکہ اس کی دیکھ بھال پر مامور ہزاروں فوجیوں کی اکثریت پنجابی ہے۔ یہ سپاہی انتہائی نامساعد حالات میں یہاں ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں۔ ویران اور سخت آب و ہوا کے علاقوں میں وہ خیموں میں زندگی گزارتے ہیں اور سارا دن عام مزدوروں سے بھی بدتر حالات میں مشقت کرتے ہیں ---- اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ گھروں کو زندہ ہی لوٹتے ہوں ---- یہ شاہراہ انسانی جانوں کا خراج وصول کرتی رہتی ہے ----

سامنے دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر ایک مٹیالے پہاڑ کی اوٹ میں کچھ آبادی تھی ----

"اس گاؤں کا کیا نام ہے؟" میں نے سپاہی سے پوچھا۔

"کیا پتہ صاحب ----" وہ بولا "پر اس میں سونے وال رہتے ہیں اس لیے اسے سونے والوں کا گاؤں ہی بولتے ہیں یہ لوگ نیچے دریا میں سے سونا نکالتے ہیں صاحب ----"

"سونا؟" بچوں کے کان کھڑے ہو گئے۔

"سمیر میں نے تم سے کہا تھا کہ تجھے ایک چھلنی ساتھ لے کر چلو وہاں دریائے ہنزہ میں سے سونا نکالیں گے لیکن تم نے میری بات نہیں مانی ----" سلجوق کہنے لگا۔

"اگر میں لے آتا تو وہ چھلنی صرف دریائے ہنزہ سے سونا نکال سکتی تھی دریائے سندھ کے لیے شاید وہ موزوں نہ ہوتی ----" سمیر نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہیں" سمیر نے سر ہلایا اور آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کرتے ہوئے اس گاؤں کو دیکھنے لگا جو ہم سے کئی کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑوں میں دھوپ سے پگھلتا تھا۔

کچھ دیر ستانے کے بعد سفر پھر جاری ہو گیا۔ تھکاوٹ غالب آ رہی تھی ----

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہمیں "ساڑھے سات بجے کی بجائے پانچ بجے بشام سے چلنا چاہئے تھا---

اب سڑک بالکل ہموار چلی جا رہی تھی---

لیکن اس ہموار سڑک میں بھی ایک عجیب تماشا تھا آپ اپنے تئیں سیدھی سڑک پر ٹاپ گیئر میں جا رہے ہیں اور یکدم رفتار مزید کم ہونے لگتی ہے جیسے کار رکنے کو ہو۔ آپ اسے تیسرے گیئر میں لاتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد رفتار کم ہوتی ہے اور پھر وہ دوسرے گیئر میں ڈالنے سے ہی درست رفتار سے چلتی ہے--- سڑک بالکل ہموار لگ رہی ہے--- اور یہی اصل چکر ہے کہ انجینئرز نے یہاں سڑک کی چڑھائی کو اتنے نامعلوم انداز میں بڑھایا کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ چڑھائی پر جا رہے ہیں --- میرے ایک رشتہ دار گلگت سے صرف اس لیے واپس آ گئے تھے کہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان کا ایکسلریٹر خراب ہو گیا ہے اور کار ہموار سڑک پر چلتے ہوئے آہستہ ہونے لگتی ہے۔

ہم ایک مرتبہ پھر انڈس کے قریب آ گئے اور دیکھا کہ کچھ مزدور بھاگے چلے جا رہے ہیں اور ان میں سے ایک بلند آواز میں آہ و زاری کرتا جا رہا ہے' سڑک کے کنارے دھول اٹھ رہی تھی اور وہ ادھر جا رہے تھے--- میں نے کار روک دی۔

"صاحب ہمارا ایک آدمی دریا میں گر گیا---" ایک مزدور نے بتایا "وہ سڑک کے کنارے بیٹھا تھا کہ اس کے نیچے سے مٹی گر گئی اور وہ نیچے چلا گیا۔"

ظاہر ہے اس آدمی کا زندہ ملنا تو کجا صرف ملنا بھی مشکل تھا۔

بچے اب ذرا چپ ہو گئے۔

پھر چلاس کے آثار شروع ہو گئے' چند بورڈ مکان ایک دو ہوٹل--- آثار قدیمہ والوں کے بورڈ' پٹرول پمپ--- حسب معمول ایک بیریئر پر ہمیں روکا گیا--- بیریئر کے دوسری جانب کینڈل ہوٹل میں سب لوگوں نے چائے پی اور تھوڑی دیر

آرام کیا--- سلجوق کو چلاس اچھی طرح یاد تھا' یہاں ایک زہریلی مکھی نے اسے کاٹا تھا۔ میں تیسری بار چلاس سے گزر رہا تھا لیکن میں نے ابھی تک چلاس کا قصبہ نہیں دیکھا تھا جو سڑک سے ہٹ کر بلندی پر تھا۔ چلاس کے بعد ایک امید سی ہوئی کہ ہم آج شام تک گلگت پہنچ جائیں گے--- اور بچے چہکنے لگے--- تھوڑی دیر بعد میں نے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس کی' ہاں بالکل وہ تیز ہوئی کیونکہ آس پاس کے لینڈ سکیپ میں ایک اپنائیت تھی جیسے ایک وحشی تہذیب کی تلاش میں شہر میں جا بسے اور پھر مایوس ہو کر اپنے جنگل کو لوٹتا ہے تو اسے اپنائیت ملتی ہے---

رائے کوٹ کا پل قریب آ رہا تھا اور پچھلے برس میں یہاں سے نانگا پربت کے بیس کیمپ تک گیا تھا' فیری میڈو تک پہنچا تھا۔

پل کے ادھر پولیس چوکی کے پاس میں نے کار کو بریک لگا دی۔

رائے کوٹ پل کے جنگلے پر ایستادہ چھوٹے چھوٹے چینی شیر ڈھلتی دھوپ میں تھے اور ان کے نیچے سندھ کا شور تھا۔ دائیں ہاتھ پر وہ راستہ تھا جو رائے کوٹ نالے کو عبور کر کے ایک خشک اور بھربھری بلندی پر رینگتا اوپر ہوتا تھا۔ اور ویران اور خشک پہاڑوں سے پرے ایک دن کی مسافت پر تاتو کا گاؤں تھا اور وہاں سے نصف دن کی مسافت پر فیری میڈوز تھا۔ پریوں کی چراگاہ یا چراگاہ جس پر پریوں کے مسکن کا گمان ہوتا ہے اور چراگاہ کو نانگا پربت کی برفیں ڈھانپے ہوئے تھیں اور میں وہاں تھا۔ میرے اندر کے وحشی نے رسے تڑانے کی کوشش کی' اس جانور نے اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہا تاکہ جنگل کو لوٹ سکے۔

پولیس کا سپاہی قریب آ گیا۔ "جی صاحب کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں بس یونہی دم لینے کے لیے رکے تھے" میں نے جھینپتے ہوئے کہا"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ادھر تاتو کے رہنے والے اس پل پر اتر کر اپنے گاؤں کو جاتے ہیں تو ان میں سے کوئی ملے تو اسے کہنا کہ پچھلے برس جو کتابیں لکھنے والا ادھر آیا تھا اس نے سلام بولا ہے ـــــ"

"اچھا صاحب" سپاہی مسکرایا "ہم کہہ دے گا۔"

بائیں ہاتھ پر پل کے ساتھ چند بڑے پتھروں کے بیچ تھوڑا سا ریتلا علاقہ تھا جہاں میں نے رات بسر کرنے لیے خیمہ لگایا تھا۔

"کیا تم لوگ وہ راستہ دیکھنا پسند کرو گے جو فیری میڈوز کو جاتا ہے۔" میں نے بچوں سے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کار پتھریلے راستے پر ڈال دی ---- چند میٹر جا کر احساس ہوا کہ حماقت کی ہے کیونکہ آگے اتنی جگہ نہ تھی کہ موڑ کر واپس آیا جا سکے اور ظاہر ہے آگے صرف چٹانیں اور بلندی تھی کار کو بڑی دقت سے دھیرے دھیرے آگے پیچھے کر کے موڑا اور واپس پل پر آئے۔

اس راستے پر ایک بڑا پتھر تھا جس پر کسی نے بڑے بڑے لفظوں میں لکھا تھا" پریاں آپ کو سفر بخیر کہتی ہیں پھر آیئے گا ہم آپ کا انتظار کریں گی۔" مونا کہنے لگی یہ کس قسم کی پریاں تھیں فیری میڈوز ہیں؟ دراصل اسے "پھر آیئے گا ہم انتظار کریں گی" پر کچھ شک سا ہوا تھا۔

"مونا بیگم یہ پریاں سب کی اپنی اپنی ہوتی ہیں کچھ پرائیویٹ قسم کی۔ انہیں ہم ساتھ لے جاتے ہیں۔ ویسے فیری میڈوز میں پریوں کی بجائے دیامیری حضرات داڑھیوں اور کلاشنکوفوں سے مسلح ملتے ہیں یا بھیڑیں اور بکریاں ملتی ہیں نہیں ملتیں تو پریاں نہیں ملتیں۔"

"پھر ٹھیک ہے آپ اگلے برس بھی چلے جایئے گا"

بچہ پارٹی کو فیری میڈوز سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی وہ رائے کوٹ پل پہ

نصب چینی شیروں پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیر رہے تھے۔

"زور لگائیں تو بھی الگ نہیں ہوتے" سمیر نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

میں نے انہیں اس جاننے والا کا قصہ سنایا جو شاہراہ قراقرم کے ایک پل پر سے شیر چراتا ہوا پکڑا گیا تھا اور پھر ہنزہ کی حوالات میں قید رہا تھا۔

رائے کوٹ کے بعد شاہراہ پھر دشوار ہوئی۔ ہم ایک مرتبہ پھر سندھ کے دوسری جانب چلے گئے۔ دائیں طرف استور جانے والی ایک سڑک دکھائی دے رہی تھی جو ایک پہاڑ میں ایک لکیر تھی بل کھاتی اور گم ہوتی ہوئی۔ بونجی کا قصبہ بھی ادھر تھا۔

شام ہو رہی تھی اور سب چپ تھے' ہم حسب معمول ہر آبشار اور ہر ندی پر رکتے تھے اور چہرے پر یخ پانی ڈال کر کچھ حلق میں اتار کر اپنے آپ کو تازہ دم کرتے ہوئے چلتے تھے۔

اور پھر ڈھلتی ہوئی شام میں نانگا پربت پہلی بار خشک پہاڑوں سے پرے نظر آئی۔ اس کا ظہور زیادہ ڈرامائی نہ تھا۔ ہم نے دائیں جانب دیکھا تو وہ نظر آنے لگی۔ ایک مقام پر سڑک کے ساتھ ریت کے ٹیلے شروع ہو گئے اور ریت کے پیچھے ہلکی ڈھلتی دھوپ میں نانگا پربت کی سفیدی پیلاہٹ میں اور کچھ حصہ سیاہی میں گم ہو رہا تھا۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے رکے اور اسے دیکھا اور میں نے اسے بہت غور سے دیکھا اور جاننا چاہا کہ جب میں اس کے بیس کیمپ تک جاتے ہوئے پھسلا تھا اور رائے کوٹ گلیشیر کے اوپر زندگی اور موت کے درمیان معلق تھا تو وہ کونسا دھبہ ہو سکتا ہے جہاں میں تھا۔

گلگت ابھی خاصے فاصلے پر تھا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

جنگوٹ کے قصبے میں سے گزرے جو ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی ہے۔ جنگوٹ کے بعد عالم پل کے قریب سندھ ہم سے الگ ہوا اور سکردو کی جانب چلا گیا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سکردو سے آنے والا سندھ ادھر بشام کی طرف چلا گیا۔ یہیں سے شاہراہ ریشم میں سے سکردو روڈ نکلتی ہے۔ کار کی رفتار کچھ تیز ہو گئی تھی اور ابھی سفر باقی تھا۔ کئی مقامات پر محسوس ہوتا کہ اب سفر کی خطرناکی ختم ہو گئی ہے لیکن یکدم سڑک بلند ہونے لگتی۔

اب نیچے دریائے سندھ کی بجائے دریائے گلگت تھا۔

پھر ہم نے گلگت کا پل پار کیا۔ ایک سڑک خنجراب کو جا رہی تھی' شاہراہ قراقرم' اور دوسری ذیلی سڑک گلگت شہر کا رخ کر رہی تھی۔

گلگت سے وادیٔ نلتر کی تنہائی میں

ہماری کاریں چناران کی خاموشی میں داخل ہو گئیں کیونکہ وہاں بجلی جا چکی تھی اور مہمان بہت کم تھے۔ چناران کے مینجر اور میرے دوست ریاض صاحب ہمارے قیام کے لیے ہدایت دے کر گھر جا چکے تھے۔ آصف صاحب سے ملاقات ہوئی جو یہاں پاکستان ٹورز کے انچارج ہیں' انہوں نے پوچھا کہ جی تارڑ صاحب اس مرتبہ کدھر کا ارادہ ہے؟

"درہ خنجراب تک"

"وہاں تو سب جاتے ہیں آپ شاہراہ سے ذرا ہٹ کر سفر بھی کیا کیجئے ذرا مختلف ذرا مشقت طلب----"

"مثلاً---" میں نے پوچھا۔

" ہنڈر گوپس اور یاسین وغیرہ۔"

میں نے بتایا کہ اپنے قاضی صاحب بھی ہمراہ ہیں' اپنے شیر خوار بچے علی کے ہمراہ سفر کر رہے ہیں اس لیے ذرا مختلف اور مشقت طلب راستے کبھی پھر سہی۔ کہنے لگے تو پھر وادی نلتر تو دیکھ آیئے' میری پجارو تو چترال جا چکی ہے لیکن میں آپ کے لیے ایک جیپ کا بندوبست کر دوں گا۔

"ابو---" عینی میرے کان کے قریب منہ لا کر رازدارانہ لہجے میں بولی "تو ل

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بھی تو نلتر کے راستے میں ہے"۔

"ہاں ہے لیکن ہم نے نومل جا کر کیا کرنا ہے۔"

"وہاں میری قلمی دوست نہیں ہے مبارکہ عینی" اس نے ذرا ناراض ہو کر کہا۔

"آصف صاحب ہم بالکل نلتر جائیں گے آپ جیپ کا بندوبست کر دیجئے۔"

"اور آپ کل صبح نلتر میں ریسٹ ہاؤس کی بکنگ کرا لیجئے کیونکہ وہاں قیام کرنے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں ہے۔"

میں نے نلتر کے بارے میں قاضی سے صلاح کی "چلنا ہے؟"

قاضی نے تیزی سے منہ چلا کر الائچی چبائی اور پھر تھوڑا سا اوں آں کر کے کہنے لگا "نلتر؟"

میں نے کہا "ہاں نلتر"

کہنے لگا' راستہ دشوار ہو گا اس لیے اتنے چھوٹے بچے کے ساتھ سفر کرنا دانش مندی نہیں ہے اور شائد وہ درست کہتا تھا۔ یوں بھی وہ ذرا حساب کتاب سے چلتا تھا اور نلتر کے لیے جیپ کا کرایہ اس کے نزدیک عیاشی کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کی بیگم ثمرو نے فوراً اس سے اتنی رقم نکلوائی اور نلتر کے سفر کی بجائے گلگت سے چینی ریشم خرید کر حساب برابر کر دیا۔

چناران جو غیر ملکی سیاحوں کی بھرمار سے ایک یورپی قصبے کا روپ دھار لیتا تھا تقریباً ویران پڑا تھا۔ شام کا کھانا گلگت بازار کے پٹھان ہوٹل میں کھایا گیا ہم چناران واپس آئے تو نیند سے جھوم رہے تھے۔

اگلی صبح پی ڈبلیو ڈی کے دفتر میں انچارج صاحب کہنے لگے کہ جی نلتر میں ہمارا

ریسٹ ہاؤس مرمت ہو رہا ہے اس لیے بند پڑا ہے اور اس لیے بکنگ نہیں ہو سکتی۔

نلتر جانے کی تمام منصوبہ بندی اوس میں بھیگی کپاس کی طرح ہو گئی۔

"ویسے آپ کرنل مجید سے بات کر لیجئے۔"

کرنل صاحب نہایت خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے جی ہاں وہ ریسٹ ہاؤس تو مرمت ہو رہا ہے لیکن ذرا ٹھہریئے انہوں نے فون اٹھا کر اپنے بریگیڈیر صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ بریگیڈیئر جمیل صاحب نے ہمیں فوراً طلب کر لیا اور مزید خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے "ہمارا ایک وی آئی پی ریسٹ ہاؤس بھی نلتر میں ہے ایک رات کے لیے آپ کو وہاں ٹھہرا دیں؟"

"اور میرے ساتھ کوئی وی آئی پی بھی روانہ کر دیجئے تاکہ مجھے وہاں قیام میں دشواری پیش نہ آئے۔" میں نے شکر گزار ہو کر عرض کی انہوں نے عرض سننے کے بجائے بکنگ کی پرچی تھما دی لیکن سب کچھ چائے وغیرہ پلانے کے بعد۔ نلتر کی منصوبہ بندی کی بھیگی ہوئی کپاس پر جب ریسٹ ہاؤس کی بکنگ کی دھوپ چمکی تو وہ بھی کھل اٹھی۔

گلگت بازار سے گزرتے ہوئے جی ایم بیگ صاحب کی دوکان پر رکا لیکن بیگ صاحب کاشغر گئے ہوئے تھے اور ان کا بیٹا انعام گاہکوں کو بھگتا رہا تھا' میں نے اکرام کے بارے میں دریافت کیا اور پھر واپسی پر ملاقات کا وعدہ کر کے بازار میں آ گیا یہاں سے ہمیں نلتر کے لیے خوراک کا بندوبست کرنا تھا جو ہم نے کر لیا۔

چناران سے جیپ اتری اور دریائے گلگت کے کنارے آئی اس کی ٹھنڈک کو محسوس کیا پھر پل عبور کر کے دوسری جانب چلی گئی دو تین کلومیٹر تک پکی سڑک کے مزے لوٹے اور پھر فوراً ہی جتنے مزے لوٹے تھے وہ سب کے سب واپس کرنے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

پڑے۔ اب ہم دریا سے کچھ دور اُدھر پہاڑوں کے پہلو میں ایک ایسے راستے پر رواں دواں تھے جس کا رواں الگ تھا اور دواں الگ یعنی گول اور بڑے بڑے غیر ہموار پتھروں پر جیپ پہلے اچھلتی تھی یعنی رواں ہوتی تھی اور پھر دھم سے پتھروں پر گرتی تھی یعنی دواں ہوجاتی تھی۔ لگتا تھا کہ جیپ کو ہچکی لگی ہوئی ہے اور وہ ہک کرکے اوپر اٹھتی ہے اور پھر گرتی ہے۔ اس روانی دوانی کی وجہ سے بچہ لوگ بڑے خوفزدہ ہوئے کیونکہ ان کے سر جیپ کی چھت سے لگ لگ کر پولے ہورہے تھے۔

اُدھر پہاڑوں اور خشک بنجر پہاڑوں کے ساتھ ہم رواں دواں تھے اور اُدھر تقریباً ایک ڈیڑھ کلومیٹر دور دریا کے پاٹ کے عین اوپر ہنزہ روڈ تھی اور اس پر جو چیونٹیاں تھیں وہ کاریں اور ویگنیں تھیں۔

جیپ گھاس کے ٹڈے کی طرح اچھلتی کودتی جارہی تھی اور اور یہ اچھل کود تقریباً تین چار کلومیٹر تک جاری رہی' پھر سڑک بہتر ہوگئی۔ سامنے سرو اور سفیدے کے درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ دریا کے کنارے سبزے کے ٹکڑے پھیل رہے تھے اور ہم نومل میں داخل ہوگئے' ہمارے دونوں طرف کھیت شروع ہوگئے۔ نومل کا عرض کم ہے اور طول زیادہ ہے چنانچہ یہ شروع ہوکر ذرا دیر سے ختم ہوتا ہے۔ ایک دوکان کے باہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے مٹی کے گول چبوترے پر چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ نومل کا دارا لگتا تھا۔ ہم نے ڈرائیور سے کہا کہ بھئی ایک بچی کا نام مبارکہ عینی ہے اور اس کے بھائی کا نام اکرام ہے تو کیا وہ مل سکتی ہے؟" ڈرائیور نے بے شمار لوگوں سے پوچھا لیکن مبارکہ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ عینی تارڑ کا منہ لٹک گیا وہ مسکراتی تو تھی لیکن مایوسی کے ساتھ۔ ہم لاہور سے آئے تھے گلگت کے ایک دور افتادہ گاؤں میں اور ہم عینی کی قلمی دوست کو تلاش نہیں کرسکے تھے۔

"واپسی پر پھر کوشش کریں گے ---" ڈرائیور نے کہا اور جیپ چلا دی۔ عینی

کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

ایک گلی کے باہر بچے خوبانیوں کی پلیٹیں لیے کھڑے تھے۔ ہم نے جیپ روک کر ان سے خوبانیاں خریدیں اور گلی کے پہلو میں بہتی چھوٹی سی نہر میں دھو کر کھانے لگے' ابھی کچی تھیں۔

نہر میں ہاتھ منہ دھوتے ہوئے ڈرائیور نے بروشکی زبان میں کچھ نازیبا الفاظ کہے --- اور نازیبا الفاظ کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ انہیں کسی زبان میں بھی ادا کیا جائے ان کی نازیبائی فوراً سمجھ میں آجاتی ہے۔

"کیا ہوا یوسف؟" میں نے پوچھا۔

"صاحب پانی بہت تیز ہے ہاتھ ڈالا تو اس کے زور سے میری گھڑی کا سٹریپ کھل گیا اور گھڑی گئی ---"

"کہاں گئی؟" عینی نے چونک کر پوچھا۔

"انڈس میں ---" سلجوق نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن یہ نہر تو دریائے ہنزہ میں جارہی ہے ---"

"ہاں --- اور دریائے ہنزہ آگے جاکر دریائے گلگت میں جائے گا اور پھر دریائے گلگت سکردو سے آنے والے پل کے قریب انڈس میں شامل ہوجائے گا --- چنانچہ یہ گئی انڈس میں ---"

"آہم ---" سمیر ذرا شرارت سے کھانسا "تو اب کیا ہوگا؟ یہ ہوگا کہ لاڑکانہ کے قریب دریائے سندھ کے کنارے جو بوڑھا مچھلیاں پکڑتے بیٹھا ہوا تھا اس کی عیش ہوجائے گی --- پہلے ابو کی چپل اور اب یوسف ڈرائیور کی جاپانی گھڑی اسے مل جائے گی --- ویسے وہ ابھی تو گھر نہیں جائے گا؟"

"کیوں؟" عینی نے کہا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"جب تک ابّو اپنی دوسری چپل انڈس میں نہیں پھینک دیتے بوڑھا گھر نہیں جائے گا --- ابّو پلیز --- دیکھیں ابو کتنا سنہری موقع ہے --- نومل کی اس چھوٹی سی نہر میں اپنی چپل ڈال دیں تو یہ خود بخود مچھلیاں پکڑنے والے بوڑھے کے پاس پہنچ جائے گی --- کیا پہنچ جائے گی؟"

"ابّو کی چپل ---" سمیر اور عینی نے نعرہ لگایا۔

ڈرائیور یوسف ہمیں قدرے خبطی سمجھ رہا تھا کیونکہ ہم اس کی گھڑی کا افسوس کرنے کی بجائے نعرے لگا رہے تھے۔

"صاحب جب میں پچھلے ہفتے نلتر آیا تھا تو راستے میں ایک طوفانی نالے کا لکڑی کا پل ٹوٹا ہوا تھا اب خدا جانے وہ مرمت ہو گیا کہ نہیں؟"

"کیا کہا ---؟" مونا جو نہر کنارے بیٹھی ان بچیوں سے باتیں کر رہی تھی جو اپنے گھروں کے باغوں میں سے تازہ خوبانیاں توڑ کر لائی تھیں اور اس کے گرد گھیرا ڈالے کھڑی تھیں "پل ٹوٹا ہوا ہے --- اللہ خیر کرے --- واپس نہ چلیں --- بچے ساتھ ہیں --- ان پہاڑوں میں اگر رات ہو گئی تو ---"

"بیگم صاحب میرا خیال ہے کہ ائرفورس والوں نے بنا دیا ہو گا ---" ڈرائیور نے ذرا خوش ہو کر کہا کیونکہ وہ ہمیں تھوڑا سا فکر مند دیکھنا چاہتا تھا --- "تو چلیں ---؟"

نومل سے جیپ نکلی تو بچیوں کے ہاتھوں میں خوبانیوں کی تھالیاں دھوپ میں ایسے زرد ہوتی تھیں جیسے چھوٹے چھوٹے سورج ہوں جو ان معصوم بچیوں نے پکڑ رکھے ہوں ---

چڑھائی شروع ہو گئی --- اور اس کے ساتھ ہی جیپ نے کھانسنا شروع کر دیا --- کھانسی تک تو خیر تھی لیکن اس کے ساتھ ہچکیاں بھی شروع ہو گئیں --- یہ ایک

چھوٹا سا جیپ ٹریک تھا جو اتنا چھوٹا تھا کہ اس پر جب ذرا بڑی جیپ چلتی تھی تو ہمیشہ چٹانوں کے ساتھ کندھے مارتی ٹکراتی چلتی تھی --- تھوڑی دیر بعد کھانسی شدید ہوئی اور جیپ ایک اختتامی ہچکی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" سب نے پوچھا۔

یوسف نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور نیچے اُتر کر جیپ کا بانٹ اٹھا کر اس میں سر ڈال دیا جیسے سرکس میں شیر کا منہ کھول کر اس میں سر ڈال دیتے ہیں --- ہم بھی نیچے اُتر گئے۔ میں نے فوراً اندازہ لگایا کہ خدانخواستہ جیپ یہاں جواب دے جاتی ہے تو ہم شام تک پیدل نومل واپس پہنچ سکتے ہیں۔

"کیا ہوا؟" میں نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"صاحب پرانا ماڈل ہے۔ گرم ہو جاتی ہے؟ --- پانی کم ہے ---"

ہم نے اپنی فلاسک پیش کر دی۔ فلاسک کے پانی سے بھی جیپ ٹھنڈی نہ ہوئی عجیب بات تھی کہ جیپیں بڑھاپے میں جا کر گرم ہو جاتی ہیں اور پھر ٹھنڈی ہونے کا نام نہیں لیتیں --- دو چرواہے نزدیک آ کر کھڑے ہو گئے۔ یوسف نے ان کے ساتھ مذاکرات کئے اور وہ چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ برتنوں میں کہیں سے پانی لے آئے --- اس پانی کی تاثیر سے جیپ سٹارٹ ہو گئی' یوسف نیچے اترا اور ندی کے کنارے سے گھاس اکھاڑ کر لے آیا۔ اس گیلی گھاس کو اس نے انجن کے گرد لپیٹ دیا تاکہ وہ گرم نہ ہو اور پھر اپنی نشست پر آ بیٹھا --- جیپ پھر رواں ہو گئی۔ ہم نے نلتر کے شور مچاتے اور چھینٹے اڑاتے نالے کو عبور کیا اور دوسری جانب چلے گئے۔ "یہی وہ پل تھا جو ٹوٹا ہوا تھا ---" یوسف نے بتایا۔

نلتر شاہراہ قراقرم سے ہٹ کر بلند پہاڑوں کے اندر ایک سنبھالی ہوئی وادی ہے --- اور یہاں بہت کم لوگ جاتے ہیں۔ راستہ خاصا دشوار' رہائشی سہولتیں نہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہونے کے برابر خوراک ناپید اور پھر ضرورت سے زیادہ خاموشی --- اگرچہ پاکستان ائرفورس نے یہاں ٹریننگ اور سکی انگ سنٹر قائم کر رکھے ہیں لیکن ان کی موجودگی سے بھی اس وادی کی تنہائی کو زیادہ رونق نہیں ملی --- نلتر کی پہلی جھلک میں متاثر کرنے والے عناصر کم تھے اور یوسف کو بتانا پڑا کہ صاحب ہم نلتر میں آ گئے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ تقریباً بیس برس پیشتر جو کچی سڑک نومل سے ادھر آتی تھی وہ پہاڑ کی چوٹی تک جا کر پھر نیچے اترتی تھی اور وہاں سے نلتر ایک فردوس گم گشتہ کی طرح سامنے آتی تھی --- ہماری جیپ وادی کے پہلے کمرے کے پاس کھڑی ہوئی اور "یہ پرنس ہوٹل" تھا --- یہ دو کمروں پر مشتمل ہے اور بس مشتمل ہی ہے --- یہاں سے جیپ یکدم نیچے گئی اور نالے کے کنارے واقع بجلی گھر کے پل کو عبور کر کے دوسری پہاڑی پر چڑھنے لگی۔ بلندی پر جا کر ہم چیڑ کے ایک گھنے جنگل کے نیچے ایک ریسٹ ہاؤس کے قریب جا رکے ---

ایک چھوٹا سا نالہ ندی سے الگ ہو کر نیچے اتر رہا تھا اور اس کے آس پاس گھاس کے سرسبز قطعات تھے جن میں جا بجا پھول رنگ برنگے چہروں کے جھومتے تھے۔ یہاں پر ائرفورس کی سکی لفٹ کے چند کھمبے بھی استادہ تھے جو منظر کا نہایت کامیابی سے ستیاناس کر رہے تھے --- ریسٹ ہاؤس کا لان اتنا سبز اور خوبصورت تھا کہ اگر میں ایک معزز شہری نہ ہوتا تو یقیناً وہیں قیام کرتا اور ہر چند لمحوں کے بعد اس پر لوٹنیاں لگاتا --- ریسٹ ہاؤس کے دروازے مقفل تھے --- ایک اور خدشہ کہ اگر یہاں کوئی گڑبڑ ہو گئی یا چوکیدار نہ آیا تو کیا ہو گا --- اور معلوم ہوا کہ چوکیدار نیچے پرنس ہوٹل میں چائے پینے گیا ہے۔ یوسف نے تھوڑی دیر انتظار کیا اور پھر کہنے لگا "صاحب میں اس کا پتہ کرتا ہوں" اور وہ جیپ لے کر نیچے چلا گیا --- ہم سبزہ زار میں بیٹھ گئے --- ہوا میں خنکی اور تازگی اور اس کے ساتھ ایک مکمل تنہائی اور اجنبیت کی

وحشت --- سورج ابھی تھا لیکن وادی میں چھاؤں اور ٹھنڈک تھی --- ریسٹ ہاؤس کے لان میں سفید رنگ کے خودرو پھول آنکھوں کو بھلے لگتے تھے۔

نیچے درختوں میں سے جیپ کے انجن کی آواز آئی --- اور پھر جیپ نمودار ہو گئی --- یوسف کے ساتھ دو باریش حضرات تشریف لائے۔ ان میں سے ایک جو چوکیدار تھا اس نے ہمارے چہروں اور لباسوں پر ایک نظر ڈالی اور دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ خود "صاحب" نہیں ہیں کسی کی سفارش سے ادھر آئے ہیں۔ میں نے ریسٹ ہاؤس میں بکنگ کی رسید ان کی خدمت میں پیش کی --- وہ بہت دیر تک اسے پڑھتے رہے اور اس دوران ہم سب انہیں بڑے مودب ہو کر دیکھتے رہے پھر انہوں نے دیر تک اپنی داڑھی کھجائی اور کہا "صاحب اس پر لکھا ہے ایک دن کے لیے"

"ہاں تو ہم ایک دن کے لیے ہی تو آئے ہیں ---"

"تو پھر آپ رات نہیں رہ سکتے ---" وہ سر ہلا کر بولے ---

"کیا مطلب؟"

"صاحب سرکاری ریسٹ ہاؤس ہے رسید پر یہ نہیں لکھا کہ ایک رات کے لیے --- اس پر لکھا ہے ایک دن کے لیے --- تو آپ آج کا دن رہو اور جاؤ۔"

"کہاں جاؤں؟" میں نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا "میرا دماغ خراب ہے کہ میں اپنے خاندان سمیت جیپ پر سوار ہو کر اتنے دشوار راستے سے یہاں آؤں اور دو گھنٹوں کے بعد واپس چلا جاؤں؟"

"کیا پتہ؟" وہ دھیرے سے بولا ---

"تم سیدھی طرح ریسٹ ہاؤس کا دروازہ کھول دو ورنہ ---" اب غصہ میرے قابو سے باہر ہوتا جا رہا تھا "ورنہ میں اسے توڑ دوں گا --- میری بکنگ ہے یہاں پر اور تم نخرے کرتے ہو ---"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اس نے دروازہ کھول دیا لیکن وہ بہت خوش نہ تھا --- میرا خیال ہے وہ ماضی میں بھی اسی کردار کا حامل رہا ہوگا --- ایک سنسان اور دور افتادہ وادی میں بال بچوں والا شخص انتہائی کمزور اور بزدل ہوجاتا ہے اور رہائش کے لیے ہر قیمت دینے پر تیار ہوجاتا ہے --- شاید وہ چاہتا تھا کہ میں ذرا منت سماجت کروں اور اس کی مٹھی گرم کروں --- علاوہ ازیں یوسف کا کہنا تھا کہ جب اسے ہوٹل میں جاکر کہا گیا کہ اوپر ریسٹ ہاؤس میں مہمان آئے ہیں تو وہ بڑی مشکل سے راضی ہوا کیونکہ وہ اپنے ایک دوست کے ہمراہ ایک نزدیکی گاؤں کو جارہا تھا --- اور اس نے اگلی صبح لوٹنا تھا۔

چوکیدار نے ہم سے اجازت چاہی اور اپنے ساتھی سمیت نیچے چلا گیا۔

ریسٹ ہاؤس چونکہ (V.I.P) وی آئی پی تھا یعنی ویری امپارٹنٹ پرسن (Very important person) اور ہم چونکہ وی او پی (V.O.P) تھے یعنی ویری آرڈنری پرسن (Very Ordaniry Person) --- اس لیے ہمیں اس کی ضرورت سے زیادہ آسائش اچھی نہ لگی --- تمام برآمدے کمرے ڈرائینگ ڈائننگ وغیرہ قالینوں سے آراستہ بستروں پر امپورٹڈ بیڈ کور اور ٹیبل لیمپ غسل خانوں میں درآمد شدہ صابن اور تولیے --- یہ آسائشیں بچوں کو پسند آئیں لیکن مجھے اس وادی کے حوالے سے یہ سب کچھ عجیب سا لگا --- یہاں اگر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کیبن ہوتی اور اس میں دو چار چارپائیاں ہوتیں اور منہ ہاتھ دھونے کے لیے ندی تک جانا پڑتا تو شاید زیادہ لطف آتا --- چونکہ اگلی صبح ہم نے کوچ کرجانا تھا اس لیے فیصلہ ہوا کہ جو کچھ دیکھا جاسکتا ہے آج ہی دیکھ لیا جائے ---

"یہاں آس پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے وادی کا منظر دکھائی دیتا ہے ---؟" میں نے یوسف سے پوچھا

"آؤ---" یوسف کہنے لگا۔

"کیا مطلب آؤ؟"

"صاحب میں جب بھی کسی صاحب کو یہاں لاتا ہوں تو وہ مجھ سے یہی پوچھتے ہیں ---" اس نے مُسکراتے ہوئے کہا "آپ آؤ ---"

ہم سب ریسٹ ہاؤس سے باہر نکلے تو رہائش کے لیے مناسب بندوبست اور تھکے بدن کو کچھ خوراک اور کچھ آرام دینے کے بعد ہمیں نلتر کی وادی یکدم فردوس گم گشتہ لگنے لگی --- ہوا میں جو ٹھنڈک تھی اسے ہماری گرمی کے مارے ہوئے جسموں نے اپنے اندر اتارا اور تازہ دم ہوئے --- ریسٹ ہاؤس کے اوپر چیڑ کا ایک گھنا جنگل تھا اور اس میں سے جو پرشور نالہ نیچے آرہا تھا اس پر کسی نے دو تنے ڈال دیئے تھے تاکہ اسے عبور کیا جاسکے --- ہم نے اس نالے کو یہاں سے عبور کرنے کی حماقت کی --- تنے پانی کے چھینٹوں سے بھیگ چکے تھے اور ان پر جوگر بھی پھسلتے تھے --- ہم بے حد سنبھل کر چلے اور پہلے سلجوق پار گیا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر سب کو سہارا دیا اور دوسری جانب لے گیا لیکن یہ ایک خطرناک حرکت تھی۔ نالے کا پانی تیز تھا کہ اس میں گرنے کی صورت میں اٹھ کر باہر آنا ناممکن تھا --- کم از کم نول سے پہلے --- میں نے چونکہ سب سے آخر میں یہ گیلا پل پار کیا اس لیے مجھے اس کی خطرناکی کا اندازہ تب ہوا جب سارا خاندان دوسری طرف جاچکا تھا۔ گھنی اور نرم گھاس زمین کو ڈھکے ہوئے تھی --- ہم اس میں چلتے ہوئے چیڑ کے جنگل میں چلے گئے اور اوپر چڑھنے لگے --- ہمارے شہری سانس بھی چڑھنے لگے اور ہمیں بار بار رکنا پڑتا --- یوں بھی بلندی کی وجہ سے آکسیجن کم تھی --- جنگل میں سے گزر کر ہم ایک کھلی جگہ پر آگئے جہاں سے ایک افلاس زدہ گاؤں نظر آرہا تھا اور ہرے بھرے کھیت دکھائی دے رہے تھے۔

"ذرا اوپر صاحب" یوسف نے میری حالت زار کو دیکھ کر کہا "بس اس ٹیلے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

تک --- آپ پہنچو اور میں آپ کے لیے گاؤں سے لسی لے کر آتا ہوں" --- وہ نیچے اتر گیا۔

اس ٹیلے پر پہنچے اور آس پاس دیکھا اور پھر پوری وادی نلتر کو قدموں میں دیکھا --- چیڑ کے جنگلوں سے پرے برف پوش پہاڑ تھے اور ان میں سے ایک سفید نالہ وادی کے درمیان میں سے بہتا چلا آرہا تھا اور اس کا سبزہ آنکھوں کو ٹھنڈک دیتا تھا اور سفر کی صعوبت کو بھلاتا تھا۔ ان پہاڑوں میں کہیں نلتر جھیل تھی جہاں ہم نہیں جاسکتے تھے --- کیونکہ ہمیں کل صبح ہر صورت واپس جانا تھا۔ قاضی اینڈ کمپنی ہمارا انتظار کررہی تھی --- کہ ہم آئیں اور درہ خنجراب کی جانب روانگی ہو۔

یوسف اوپر آرہا تھا اور اس کے ہاتھ میں لسی سے لبریز جگ تھا --- یہ لسی گاؤں والوں کی جانب سے ہمارے لیے ایک تحفہ تھی --- لسی کیا تھی دہی تھا میٹھا اور مزیدار --- اس سفر کے دوران ایک تجربہ یہ بھی ہوا کہ بلند پہاڑوں میں پیٹ درست کرنے کے لیے اور بلندی کی وجہ سے سر میں ہونے والے درد کے لیے لسی بہترین چیز ہے ---

نیچے ایک نالے کے کنارے دو بچیاں کھڑی تھیں ان میں ایک کے ہاتھوں میں چند پھول تھے --- وہ ہماری طرف آنا چاہتی تھی لیکن اسے شرم آرہی تھی --- اس کا سرخ چہرہ سورج کی الوداعی کرنوں میں چمکتا تھا اور اس کے قریب بہتا برفیلا پانی چاندی کی طرح سفید ہوتا تھا۔

متعدد چھوٹی چھوٹی نالیاں چیڑ کے جنگل سے نیچے گھاس کے قطعات میں آرہی تھیں اور چل رہی تھیں اور ان کے پانی سفید آگ کی طرح سبزے میں پھیل رہے تھے۔ نلتر کے کچھ حصوں پر نانگا پربت کے فیری میڈو کا گمان ہوتا ہے --- ابھی

سورج ڈوبنے میں کچھ وقت تھا اس لیے ہم ریسٹ ہاؤس لوٹنے کی بجائے جیپ پر سوار ہوئے اور نالے کے دوسری جانب نلتر کے اکلوتے ہوٹل کی طرف چل دیے --- نیچے جنگل میں، پھر نلتر نالے کے پار اور پھر چڑھائی کے بعد "پرنس ہوٹل" جہاں گاہکوں کے رش کی وجہ سے ہمیں انتظار کرنا پڑا۔ ہوٹل کی اکلوتی میز کے گرد ائر فورس کے دو تین ائرمین چائے نوش کررہے تھے --- بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ گئے --- ہم اس دوران ہوٹل کے بورڈ کے ساتھ کھلی جگہ پر بیٹھ چکے تھے اور ہمارے گرد دو مرغیاں اور سات چوزے بڑی بے خوفی سے گھومتے تھے ---

میں نے ہوٹل کے دونوں کمروں کا معائنہ کیا --- رات سر پر ہو اور انسان نلتر میں ہو تو یہ ہالیڈے ان سے بڑھ کر تھے کیونکہ بہرطور پر ان پر ایک عدد چھت تھی۔

سڑک کے کنارے یہ دو چھوٹے چھوٹے کمرے وادی نلتر کے باسیوں کا میٹنگ پوائنٹ تھے --- اس روز نیچے سے آنے والے ہم واحد مہمان تھے اور یوں ہمیں آکر دیکھ لینا بے حد ضروری تھا --- نوجوان لڑکے اور بوڑھے بڑی مشقت سے پہاڑ پر سے اترتے یا کسی گھاٹی میں سے چڑھتے ہوئے اوپر آتے، ہمیں دیکھتے، سلام کرتے اور تھوڑی دیر ایک کونے میں بیٹھ کر پھر واپس چلے جاتے۔

"ابو ---" سمیر جو ان کے پاس کھڑا گپ لگا رہا تھا میرے پاس آیا "یہ اس سامنے والے پہاڑ کی برف کو ذرا غور سے دیکھیں ---"

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ سامنے والا پہاڑ تھا اور برف تھی۔

"کچھ نظر آیا؟"

میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ان برفوں میں کوئی ہے جو ہاتھ ہلاتا ہے --- آپ ذرا غور سے دیکھیں ---" میں نے دوبارہ دیکھا تو واقعی چوٹی سے ذرا نیچے گلیشیر کے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کنارے کے قریب ایک سیاہ دھبہ سا تھا جو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

دو تین نوجوان آپس میں بحث کر رہے تھے --- ایک کا خیال تھا کہ یہ کوئی انگریز کوہ پیما ہے جو اوپر گیا ہے اور اب کسی خطرے میں ہے اور مدد کے لیے ہاتھ ہلاتا ہے --- اس نوجوان کے پاس دوربین بھی تھی اور دوربین میں سے وہ واضح دکھائی دیتا تھا اور شبہ ہوتا تھا کہ کوئی ذی روح ہے ---

"ابو ہو سکتا ہے وہاں برفانی انسان ہو ---" عینی نے میرا بازو پکڑ کر کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ برفانی انسان رات کو ریسٹ ہاؤس کی دیوار توڑ کر "ہاؤ ہاؤ" کرتا آجائے اور پھر ---" سلجوق اپنی عینک کا زاویہ درست کرتے ہوئے شرارت سے عینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آجائے گا ابو؟" عینی نے خوفزدہ ہو کر مجھ سے پوچھا۔

"یہ ایک بیوقوف بچی ہے ---" سلجوق نے فوراً انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہوٹل کا مالک بھی ٹکٹکی باندھے اوپر برفوں میں دیکھ رہا تھا --- سڑک پر کھڑے ہوئے نلتر کے دو چار باشندے کُھسر پُھسر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک جو بندوق اٹھائے ہوئے تھا شرط لگانے کو تیار تھا کہ وہاں صرف ایک دھبہ ہے اور کوئی انسان نہیں ہے --- لیکن باقی لوگ "کوہ پیما خطرے میں ہاتھ ہلاتا ہوا" تھیوری پر یقین رکھتے تھے ---

جہاں ہم گھاس پر بیٹھے تھے اس سے پرے پتھروں کی ایک دیوار تھی جس کے پیچھے کھیت تھے جو اس پہاڑ کے دامن تک جاتے تھے جسے سب لوگ نہایت مودب ہو کر دیکھ رہے تھے جیسے یہ کوئی پوتر پہاڑ ہو --- اور پہاڑ قراقرم کے سلسلے کی طرح اتنا بلند تھا کہ مونا جب بھی اوپر دیکھتی تو ہتھیلی سے دوپٹے کو سنبھال کر دیکھتی --- شام

ہو چکی تھی --- پہاڑ کا بیشتر حصہ سائے میں تھا' البتہ چوٹی کے قریب جہاں گلیشیئر تھا دھوپ زرد ہو رہی تھی اور اسی زردی میں وہ سیاہ دھبہ تھا ---

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے ہوٹل والے سے پوچھا۔

"کیا پتہ ہے صاحب کچھ ہو کیا پتہ کچھ نہ ہو --- یہاں انگریز لوگ آتے ہیں اور اوپر چلے جاتے ہیں --- آج سویرے تو ادھر کوئی نہیں آیا تھا کہ کیا پتہ کسی اور جانب سے آئے ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ کچھ نہیں ہے ---" بندوق والا مجھ سے کہنے لگا "لیکن اگر کوئی ہے تو اس وقت اس کے لیے کچھ نہیں کیا جاسکتا --- ابھی تھوڑی دیر میں رات ہو جائے گی --- اگر تو اس کے پاس خیمہ ہے تو ٹھیک ہے نہیں ہے تو ٹھیک نہیں ہے ---"

ہوا میں خنکی بڑھنے لگی اور چوٹی کے قریب وہ دھبہ کبھی پھیلتا جیسے ہاتھ ہلا رہا ہو اور کبھی جیسے ایک پتھر ہو جسے ہمارا گمان زندہ کر رہا تھا---- چائے گرم تھی اور دو مرغیاں اور سات چوزے بے خطر ہمارے ارد گرد گھومتے تھے --- سب لوگ ابھی تک ٹکٹکی باندھے برف پوش چوٹی کو دیکھ رہے تھے --- سپنسر ٹریسی کی ایک فلم تھی "دی ماؤنٹین" جس میں ایک بلند پہاڑ پر دھند کی وجہ سے ایک مسافر بردار طیارہ تباہ ہو جاتا ہے اور اگلی صبح پورا گاؤں اس پہاڑ کو تکتا ہے اور اندازے لگاتا ہے کہ کیا وہاں کوئی شخص زندہ بچا ہو گا؟--- گاؤں میں آج تک کوئی بھی اس پہاڑ کی چوٹی پر نہیں جا سکا تھا سوائے ٹریسی کے جو نوجوانی میں ایک بار وہاں تک گیا تھا---- ٹریسی کا لالچی بھائی رابرٹ ویگنر یہ چاہتا ہے کہ چوٹی پر جا کر طیارے کے تباہ شدہ ملبے میں سے قیمتی اشیاء تلاش کی جائیں اور ٹریسی کو یہ لالچ ہے کہ شاید وہاں اب بھی کوئی زندہ ہو اور میں اسے بچا سکوں --- اور وہ دونوں اپنے اپنے لالچ کے حساب سے اس پہاڑ کو تکتے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

رہتے ہیں۔

اگر رات ہوگئی تو وہ مر جائے گا ابو --- "عینی نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے پاس خیمہ ہوگا --- کوہ پیما بد قسمت ہو سکتا ہے لیکن بیوقوف نہیں ہو سکتا ---"

پہاڑی چوٹی بھی سائے میں آگئی۔

ہم اٹھ کھڑے ہوئے --- گھاس کی خنکی ہمارے بدنوں میں تھی ---

ریسٹ ہاؤس کا چوکیدار بھی کہیں سے آنکلا --- واپسی پر وہ ہمارے ساتھ تھا ---

"صاحب آپ مارخور دیکھو گے؟" اس نے پوچھا۔

"مارخور؟ ادھر کہاں ہے ---؟" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"ائر فورس والوں نے جوڑا رکھا ہوا ہے۔ آپ آؤ میں دکھاتا ہوں --- ادھر روکو یارا --- اس نے ڈرائیور کو ایک وسیع میدان کے قریب روک دیا --- "ادھر مارخور رہتا ہے اور ادھر بنگلے میں ائرفورس کا سٹیشن کمانڈر رہتا ہے --- پہلے کدھر جائے گا؟"

"مارخور پہلے ---" بچوں نے نعرہ لگایا۔

کچھ ٹوٹی ہوئی دیواریں جنگلی گھاس اور کھیت پار کر کے ہم ایک لکڑی کے بنے ہوئے کمرے کے قریب پہنچے --- چوکیدار نے آگے بیٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے اندر جھانکا --- دو نہایت عظیم الشان جانور کمرے کی تاریکی میں --- ان کے چہرے، ان کے سینگ اتنے باکمال اور شاہانہ تھے کہ میں ان کی وجاہت سے بے حد متاثر ہوا۔ میرا خیال تھا کہ مارخور اپنے دیسی بکروں کی ذرا بہتر کوالٹی ہوگی اور بس --- لیکن یہ نہایت پر شکوہ جانور تھے --- ایک مادہ ایک نر --- تاریکی میں ان کی آنکھیں چمکتی

تھیں اور مجھے ایک عجیب و غریب احساس ہوا --- جیسے انہوں نے ہماری جانب دیکھا اور جیسے وہ بولے --- یوں لگا کہ وہ انسان ہیں اور مارخور بنا کر قید کر دیئے گئے ہیں روسی بحری جہازوں میں جو غلام بند ہوتے تھے تاریکی --- تو ان کی شکلیں ایسی تھیں --- شائد مارخور باقی جانوروں کی نسبت زیادہ "آزاد" جانور ہے اس لیے وہ زیادہ "غلام" لگ رہا تھا --- ان کے پرپیچ سینگوں کی خوبصورتی بیان کرنا میرے بس میں نہیں --- بلتی لوک شاعری میں ان کا ذکر اکثر ملتا ہے۔

مارخور ملاحظہ کرنے کے بعد ہم سٹیشن کمانڈر صاحب سے ملنے گئے جو ایک شیشے کی کھڑکیوں والے کمرے میں بیٹھے نلتر کی شام سے لطف اندوز ہو رہے تھے --- سعید صاحب کلا باغ ائرفورس بیس اور نلتر دونوں سنبھالے ہوئے تھے ایک ہفتہ یہاں اور ایک ہفتہ وہاں --- بیس کی گراؤنڈ میں جیٹ طیارے اڑانے والے پائلٹ فٹ بال کھیل رہے تھے اور ان کے بال بچے سیڑھیوں پر براجمان جمائیاں لے رہے تھے۔

کمانڈر صاحب کے ساتھ ایک کپ چائے پینے کے بعد ہم ریسٹ ہاؤس میں واپس آگئے اور رات جیسے ہماری ہی منتظر تھی وہ بھی ہمارے ساتھ ہی آگئی۔

ریسٹ ہاؤس میں جہاں جہاں جتنی روشنیاں تھیں وہ سب جل رہی تھیں --- ذرا مدھم مدھم کیونکہ بجلی نلتر نالے پر واقع بجلی گھر سے آتی تھی اور ذرا دیسی قسم کی تھی --- میں نے جب فالتو روشنیاں گل کرنے کے لیے کہا تو چوکیدار کہنے لگا "صاحب ادھر بجلی زیادہ ہے اور بلب کم ہیں اس لیے کوئی فرق نہیں پڑتا ---" "پرنس ہوٹل" کے قریب رہنے والے ایک بوڑھے نے اخراجات زندگی کا رونا روتے ہوئے مجھے بتایا کہ صاحب کیا کریں مہنگائی بہت ہوگئی ہے اب بجلی کے بل کو ہی لیجیے ---

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

میں نے صرف تین بلب لگا رکھے ہیں اور پندرہ روپے بل آجاتا ہے --- ہر سال۔ نلتر میں خاص لوگوں کو کھانے پینے کی بڑی پرابلم ہوتی ہے --- یہ خاص لوگ وہ ہوتے ہیں جو ان مقامات پر جانے سے پیشتر جو معلومات حاصل کرتے ہیں ان میں سرفہرست کھانے کا مسئلہ ہوتا ہے کہ وہاں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ مرغ ملتا ہے؟ انڈوں کی کیا پوزیشن ہے؟ ڈبل روٹی اور مکھن --- لیکن ہم چونکہ عام لوگ ہیں اس لیے ہم کھانا پینا ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں چنانچہ ہمارے پاس ٹین بند قورمہ تھا گلگت کی ڈبل روٹی اور کیک تھے اور دودھ تھا --- قورمے کا ٹین کھول کر اسے گرم کیا گیا اور ریسٹ ہاؤس کے شاندار ڈائننگ روم میں نوش کیا گیا۔

نلتر کی رات پرسکون اور خنک تھی ہوا کی آواز تک نہ تھی۔

اگلی صبح ہم ریسٹ ہاؤس کے بند برآمدے میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اور ہمیں شیشوں میں سے آتی دھوپ گرمائے دیتی تھی بھلی لگتی تھی ---

ناشتے کے بعد ہم نے ریسٹ ہاؤس کے چوکیدار کو بلا کر ادائیگی کی اور پھر ہماری جیپ نلتر نالے کی طرف اترنے لگی۔

صبح ابھی نلتر میں آئی نہیں تھی اور چوٹیوں پر تھی --- پرنس ہوٹل کے پاس جا کر جیپ رکی تو ہم سب نے اوپر دیکھا --- وہ دھبہ اب بھی نظر آ رہا تھا --- شاید ایک خیمہ شاید کچھ اور ---

کسی بھی دشوار گزار پہاڑی مقام پر جاتے ہوئے راستہ خطرناک لگتا ہے اور وہ ہوتا بھی ہے اور واپسی پر وہی راستہ اتنا خطرناک نہیں لگتا کیونکہ عادت ہو جاتی ہے --- نلتر سے نومل تک ہمیں اس بار زیادہ ڈر نہیں لگا۔

اور نومل میں عینی کی قلمی دوست مبارکہ عینی ہاتھ میں خوبانیوں کا تھال پکڑے

ہمارا انتظار کر رہی تھی' اسے اطلاع مل چکی تھی کہ لاہور سے اس کی دوست آئی ہے اور وہ اپنے ابّو کے ساتھ نلتر گئی ہے اور کل صبح واپس آئے گی چنانچہ وہ انتظار کر رہی تھی --- دو بالکل مختلف تہذیبوں کے بچے ایک شہری ماحول کی پروردہ اور دوسری ایک ایسے پہاڑی گاؤں کی رہنے والی بچی جو شاہراہ سے ہٹ کر واقع ہے --- لیکن ان کی محبت نہ شہری تھی اور نہ گاؤں کی تھی بلکہ خالصتاً انسانی تھی۔ مبارکہ کے والد نے بے حد اصرار کیا کہ ہم ان کے گھر چلیں اور کچھ کھائیں لیکن ہمارے پاس وقت نہیں تھا --- ہنزہ جانے کے لیے قاضی اینڈ کمپنی گلگت میں ہمارا انتظار کر رہی تھی --- عینی نے مبارکہ کو کچھ تحائف دیئے اور ہم گلگت کے لیے روانہ ہو گئے۔ سورج کی کرنوں میں تیزی تھی --- ہم بلندیوں سے نیچے آ چکے تھے --- بائیں ہاتھ پر دریائے ہنزہ کا چوڑا پاٹ تھا اور ہماری جیپ ایک کچے اور دھوپ سے تپتے راستے پر جا رہی تھی --- اور پھر اس نے چند ہچکیاں لیں اور کھڑی ہو گئی۔

ڈرائیور یوسف نے جیپ کو ٹٹولا' دھکا دیا اور پھر کھسیانا ہو کر کہنے لگا "صاحب پٹرول ختم ہو گیا ہے۔"

"پٹرول کا فالتو ٹین جو پیچھے بندھا ہے۔"

"وہ خالی ہے --- میں اب کسی اور جیپ پر بیٹھ کر گلگت جاؤں گا بس دو چار گھنٹے کی بات ہے آپ --- اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور ہر طرف دھوپ دیکھی ابھی کہیں آرام کریں۔"

ہم اپنا سامان اٹھا کر گلگت جانے والے کچے راستے پر چلنے لگے۔

"ون وے ٹکٹ ٹو گلگت --- ون وے ---" سلجوق گنگنانے لگا۔

"ابّو ہم گلگت سے کتنی دور ہیں؟ عینی پر دھوپ اثر انداز ہوئی' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"شاید شام تک پہنچ جائیں" ---- میں نے مایوسی سے سر ہلایا۔

آس پاس صرف پہاڑ تھے اور کچی سڑک تا حد نظر آتی تھی ---- چلو چلو گلگت چلو۔

دھوپ میں جو تیز کاٹ تھی وہ ہمارے جسموں کو پسینے سے بھگو کر ان میں آسانی سے اترتی تھی' سامنے ایک کچی دیوار کے اندر خوبانی کے دو پیڑ نظر آ رہے تھے اور ہم ان کے سائے کو نظر میں اتارتے ان کی جانب بڑھ رہے تھے ----

"ابو ذرا پیچھے مڑ کر نومل کی طرف دیکھیں ----" سمیر نے کہا۔

نومل کی جانب سے ایک کوسٹر اور ایک جیپ دھول اڑاتے چلے آ رہے تھے۔

"ان میں نلتر کے سٹیشن کمانڈر سعید سوار ہیں -----" سمیر نے اعلان کیا۔

"تمہیں کیسے پتہ ہے؟" عینی نے پوچھا۔

"جب ہم ان کے ہاں چائے پینے گئے تھے تو یہی کوسٹر وہاں کھڑی تھی۔"

ہم کھڑے ہو گئے' شکلوں کو مزید رونی بنانے کی گنجائش نہ تھی اس لیے اتنی ہی رہنے دیں ---- اور ہونٹوں پر "ایک لفٹ کا سوال ہے بابا" والی مسکراہٹ سجا کر کھڑے ہو گئے۔

کوسٹر ہمارے قریب آ کر رک گئی' واقعی سعید صاحب اپنے بال بچوں سمیت تشریف رکھتے تھے۔ "اوہو آپ پیدل گلگت جا رہے ہیں؟" انہوں نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے دریافت کیا

"جی ہاں ہم نے سوچا ذرا ٹریکنگ کی جائے ----" ہم نے مسکرا کر کہا لیکن فوراً ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جناب جیپ کا پٹرول ختم ہو گیا ہے کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ سعید صاحب "اچھا تو پھر انجائے یور سیلف" کہہ کر چلے جائیں گے۔

کوسٹر اور جیپ میں سامان کو نکال کر دوبارہ ذرا قرینے سے رکھا گیا اور ہم سب

ان میں منتقل ہو گئے۔ سعید صاحب یقیناً کسی آسمانی مخلوق کی طرح اس دوپہر نازل ہوئے اور ہمیں ایک ویرانے میں سے اٹھا کر گلگت تک لے گئے جہاں وہ بریگیڈیئر شاہ خان صاحب کے ہاں کھانا کھانے جا رہے تھے۔

چناران میں ہماری نیلی کار ہماری منتظر تھی اور ہم بھی اس کے لیے اداس ہو گئے تھے ---- قاضی صاحب شاپنگ وغیرہ سے فارغ ہو کر خوابیدہ تھے۔ انہیں بیدار کیا گیا اور کاروں پر سامان باندھا جانے لگا۔ اب ہم ہنزہ کے مسافر تھے۔

گلگت بازار سے نکل کر ہم اس مقام تک آئے جہاں سے ایک پل دریائے گلگت کے پار چلاس اور بشام تک جانے والی شاہراہ تک لے جاتا ہے لیکن ہم دوسری جانب جا رہے تھے اور ایک مرتبہ پھر شاہراہ قراقرم پر رواں تھے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

راکاپوشی سے ماسٹر حقیقت کے پٹھو تک

پہاڑوں کی ہیبت کم ہونے لگی اور ان میں دشمنی کے آثار مدھم پڑتے گئے اور ان کی جگہ وہ آباد اور سرسبز لگنے لگے اور ہمیں اپنے قریب بلانے لگے --- ہوا میں بھی فرق تھا اور یہ ایک خنک اور نسوانی ہوا تھی جو بدن کے ساتھ لپٹ کر آپ کو کسی اور جہان میں لے جاتی تھی۔ شاہراہ کے آس پاس آبادیاں دکھائی دینے لگیں۔ خوبانیوں کے باغ اور کھیت اور آب پاشی کی نالیاں اور ہنزہ کے خوبصورت لوگ --- اور ان خوبصورت لوگوں میں کہیں نہ کہیں کوئی دیوانہ بھی نظر آجاتا تھا' یہ دیوانہ ہنزہ کی خوبصورتی کا شکار سمجھئے --- چونکہ ان علاقوں میں شادیاں اپنے قبیلے اور خاندان سے باہر نہیں ہوتیں اس لیے نسل در نسل اسی ایک نسل کے چلنے سے دماغی زوال کہیں کہیں نظر آتا ہے' اگر آپ ہنزہ جائیں تو آپ محسوس کریں گے کہ یہاں خاصے لوگ نسل در نسل شادیوں کے نتیجے میں ذہنی طور پر پسماندہ رہ گئے ہیں ---

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا راکاپوشی کا برفانی معبد نظر آگیا اور بچے چپ ہوگئے اور قاضی صاحب نے کار روک دی۔

"کمال ہے بھئی ---" اس نے صرف اتنا کہا اور منہ میں رکھی الائچی تیزی سے چبانے لگا۔

کھیتوں کے اوپر ایک بھورے پہاڑ کے اوپر جھانکتی ہوئی راکاپوشی کی برفیں۔

ہم دیر تک اسے دیکھتے رہے۔ میں تو اس کا پرانا پجاری تھا اس لیے جانتا تھا کہ جو کوئی ادھر ایک مرتبہ آتا ہے اور راکاپوشی سے عقیدت اور پیار کا اظہار کرتا ہے تو یہ اسے دوبارہ اپنے پاس بلاتی ہے' مجھے اس نے پھر بلالیا ہے۔ ذرا آگے گئے تو راکاپوشی کے گلیشیر سے نکلنے والے دو نالے راستے میں آئے اور ہم ان کے پلوں پر کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہے اور پھر گل مت کے قصبے کے عین باہر وہ پل ہے جہاں سے راکاپوشی ایسے نظر آتی ہے جیسے آپ کے سر کے عین اوپر معلق ہے اور لے سانس بھی آہستہ کہ بس کسی نہ کسی طرح یہ یہاں قائم ہے اور اگر سانس زور سے لیا تو یہ سفید آئینے کرچیاں ہو کر اوپر آگریں گے۔ پل کے برابر میں ایک چھوٹا سا اوپن ایر خیمہ جاتی ریستوران ہے۔ دو خیمے کرائے پر لئے جاسکتے ہیں اور تیسرے خیمے میں چائے پانی کا بندوبست ہے' باہر اونچی جگہ پر کرسیاں سجی ہیں اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے بڑی بڑی رنگین چھتریاں استادہ ہیں۔ یہاں بیٹھ کر چائے نوش کیجئے اور راکاپوشی کے عظیم الشان منظر پر آنکھیں رکھ کر بیٹھے رہیے ---

صابر چونکہ پہلی بار ان علاقوں میں آیا تھا اس لیے بے حد راضی ہو رہا تھا

"یار اس پر چڑھنا چاہیے ---"

"کس پر؟"

"راکاپوشی پر۔"

"ابھی؟ کاروں سمیت؟"

"نہیں یار کسی روز صبح سویرے ادھر آجائیں گے اور اس کا بیس کیمپ یہاں سے زیادہ دور نہیں لگتا وہاں تک جائیں گے --- بہت زبردست ٹریکنگ ہوگی۔"

آئیڈیا واقعی اچھا تھا۔ سمیرا اور سلجوق نے فوراً اپنی بکنگ بھی کروادی کہ جی ہم بھی جائیں گے۔ ریستوان کے مالک کو بلا کر پوچھا گیا کہ کیا راکاپوشی کے بیس کیمپ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

تک جانا ادھر سے ممکن ہے اور اگر ممکن ہے تو کیا ایک دن میں انسان جا کر واپس آسکتا ہے؟"

"جی صاحب آپ ادھر آجاؤ اور کار ادھر کھڑی کردو۔ جاؤ اور آجاؤ۔"

"خیر یہ اتنا آسان بھی نہیں ہوگا جاؤ اور آجاؤ ---"

"بھئی اسے پتہ ہوگا یہ لوگ تو آتے جاتے رہتے ہیں۔" صابر کہنے لگا۔

"آپ بھی اوپر گئے ہو۔" میں نے مالک سے پوچھا۔

"تو ہمارا کوئی دماغ خراب ہے ---" وہ مُسکراتا ہوا چلا گیا۔

"بہرحال یہ طے ہے کہ جب ہم کریم آباد میں رہائش اختیار کریں گے تو ایک صبح --- یہاں آئیں گے ٹھیک ہے؟ ---

"ٹھیک ہے ---" میں نے راکاپوشی کو دیکھا جو خالی آسمان میں جیسے لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتی جارہی تھی۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم یہاں سے سیدھے پسو جائیں گے اور وہاں سے درہ خنجراب اور پھر واپسی پر گل مت اور کریم آباد میں ٹھہریں گے۔ یہ منصوبہ بندی اس لیے بھی مناسب تھی کہ اگلے ہفتے پرنس کریم کی تاجپوشی کی سالگرہ تھی جو ہنزہ میں بے حد دھوم دھام سے منائی جاتی ہے پچھلے برس میں اس روز کریم آباد میں تھا اور رات کو پرانے قلعے کے ایک پتھر پر بیٹھ کر پوری وادی کو جس طرح ٹمٹماتے ہوئے روشن ہوتے میں نے دیکھا تھا وہ ایک ایسا فسوں تھا جس میں میں دوبارہ گرفتار ہونا چاہتا تھا۔

ہندی کے قریب میں نے کار روک دی "پچھلے برس اس مقام پر ہم رکے تھے اور جو گارنیٹ میں نے تمہیں دیئے تھے وہ یہاں سے چنے گئے تھے ---"

"قیمتی پتھر ان چٹانوں میں؟" عینی بے خوش ہوئی سمیر اور وہ دونوں کار سے اتر کر چٹانوں کے قدموں میں جمع ریت اور پتھروں کو الٹنے پلٹنے لگے لیکن شاید ہم غلط

مقام پر رک گئے تھے ہمیں قیمتی پتھروں کا خزانہ تلاش کرنے میں ناکامی ہوئی۔

علی آباد کے ذرا ادھر ایک چھوٹا سا دلفریب گاؤں تھا اور ایک مکان کے باہر دو بچے لکڑی کی میز پر پھل سجائے بیٹھے تھے ہمیں دیکھ کر انہوں نے ہاتھ ہلائے اور "چیری چیری" کا شور مچایا۔ میں نے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ چیری ایک ایسا پھل ہے جسے ہم عام طور پر پالش کی ڈبیہ پر دیکھتے ہیں اور یا ٹین بند فروٹ سلاد میں ایک دانہ نظر آجاتا ہے لیکن چیری کے ڈھیر ہمارے لیے خواب تھے --- اور صرف چوبیں روپے کی پورا کلو چنانچہ چیری خریدی گئی اور اس کے بعد بچوں کا کام یہ تھا کہ جتنا عرصہ وادیٔ ہنزہ میں گزرا ان کے ہاتھوں میں چیریوں کا گچھا ضرور ہوتا تھا۔

راکاپوشی ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

یہ عجیب بات تھی کہ یہ برف پوش پہاڑیاں تو وادی نگر میں ہے لیکن اس کا منظر صرف ہنزہ سے دکھائی دیتا ہے اس لیے اسے ہمیشہ ہنزہ کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے ---

علی آباد، کریم آباد کے بعد ہنزہ کا دوسرا بڑا قصبہ ہے، یہاں ہم پٹرول کے لیے رکے کیونکہ شبہ یہ تھا کہ یہاں سے درّہ خنجراب تک بلکہ کاشغر تک کوئی اور پٹرول پمپ نہ تھا۔ گنیش سے گزرتے ہوئے ہم نے اس گرم دوپہر کو یاد کیا جب میں اور سلجوق یہاں سے کریم آباد جانے والے بلند راستے پر سر جھکائے چل رہے تھے۔ صرف تین برس پیشتر۔

گنیش کے فوراً بعد شاہراہ نے وہ خوبصورت پل عبور کیا جس کا بہترین نظارہ التت کے قلعے سے دکھائی دیتا تھا۔ اس پل کے پار ہنزہ کی مقدس چٹانیں تھیں جن پر قبل از تاریخ کے مصوّروں نے شکار کے منظر اور جانور کھودے ہوئے تھے۔ یہیں سے التت کا قلعہ بھی دریا کے پار نظر آتا ہے اور ایک کچی سڑک ریاست نگر کی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

طرف بھی جاتی ہے۔

گل مت کے قریب پہنچے تو پسو کی حیرت انگیز نکوفی چٹانیں دکھائی دینے لگیں اور ان کے نیچے پھیلا ہوا دریا جس کی سطح یہاں سے ایک آئینے کی طرح ٹھہری ہوئی شفاف لگتی تھی۔ اس بار بھی اس منظر نے بے حد متاثر کیا۔ گل مت کے بعد ہم ذرا نیچے ہوئے اور دریا کے ساتھ ساتھ ڈرائیونگ کرنے لگے۔ ایک مقام پر سڑک پر پانی کا ایک ریلا آیا ہوا تھا۔ پانی تیز تھا لیکن ہم اس میں سے باآسانی گزر گئے۔ شاہراہ ایک مرتبہ پھر بلند ہونے لگی اور مجھے معلوم تھا کہ اس بلندی کے پار پسو کا قصبہ ہے' ان علاقوں میں میری پسندیدہ ترین جگہ --- راستے میں "بورت لیک" کا بورڈ بھی نظر آیا اور پھر ہم ایک خاص بلندی پر جا کر ایک طویل موڑ کاٹ کر مڑنے لگے۔ موڑ کے اختتام پر پہاڑ کے دوسری جانب یک دم پسو گلیشیر اور کوہ شیسپر نظر آتے ہیں اور ایسے نظر آتے ہیں کہ انسان رک جاتا ہے کہ یہ تو تصویر ہے تو میں اس میں کیسے داخل ہو سکتا ہوں اور ہم بھی رک گئے۔

"وہ نیچے گلیشیر کے قریب جو ایک چھوٹی سی عمارت ہے وہ شیسپر دیو ہوٹل ہے جہاں ہم ٹھہریں گے۔" سلجوق نے ذرا رعب سے کہا۔

"وہاں کیسے ٹھہریں گے ابو وہاں تو میرا خیال ہے کوئی نہیں ہے" عینی نے معصومیت سے کہا۔

مونا بھی بہت دیر تک اس تصویر کو دیکھتی رہی جو ہمارے سامنے تھی اور پھر کہنے لگی "آپ جو دن رات پتو پتو کرتے تھے تو اب سمجھ آئی کہ کیوں کرتے تھے' کتنی پرسکون اور خوبصورت جگہ ہے۔"

ایک جانب نکوفی چٹانوں کی بلندیاں تھیں اور ان کے نیچے دریا پھیلا ہوا تھا۔ پتو کے چند مکان اور شاہراہ ریشم کا سیاہ فیتہ اور اس کے پہلو میں گلیشیر اور برف پوش

پہاڑ ---

ہم نیچے اترے اور کاریں روک دیں۔ شیسپر ہوٹل کا مالک عظیم گاہکوں کو دیکھ کر باہر آیا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا ---

"ہاں بھئی عظیم کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" وہ بدستور مجھے گھورتا رہا "صاحب آپ کو میں نے کہیں دیکھا ہے۔"

"آج سے تین برس پہلے دیکھا تھا --- میرا نام مستنصر ہے۔"

"عظیم کی بتیسی باہر آ گئی "اوہو صاحب معاف کرنا میرے تو خیال میں بھی نہیں تھا کہ آپ جائیں گے آپ کے بیٹے سلجوق کا کیا حال ہے۔"

"یہ میرے ساتھ جو کھڑا ہے اس سے پوچھ لو۔"

"اوہو صاحب یہ تو آپ سے بھی اونچا ہو گیا ہے۔"

"ماشا اللہ" --- میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اور اب ہم یہاں گلیشیر پر خیمے لگا کر رہیں گے یا تمہارے ہوٹل میں۔"

"اوہو صاحب ---" وہ ہمیں اندر لے گیا۔ ہم نے وہی کمرہ چنا جس میں ہم پچھلی مرتبہ ٹھہرے تھے۔ سلجوق اور سمیر کے لیے الگ کمرے کا بندوبست کیا گیا۔ ہوٹل کے پچھلے برآمدے میں ستون کے ساتھ ایک بارلش مارخور کا سر اور سینگ پیوستہ تھے۔ اتنی دیر میں قاضی صاحب ایک ایسے نوجوان کے ساتھ اندر آئے جو قدرے گھبرایا ہوا لگتا تھا اور کھویا ہوا لگتا تھا اور اس کی آنکھوں میں ایک وحشی سی چمک تھی' انہوں نے اپنا تعارف کروایا "میں پسو میں تعینات ہوں میجر ہوں اور آپ آج شام چائے میرے ہاں پئیں گے۔"

"کیوں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"اس لیے کہ میں حال ہی میں سیاچین گلیشیر سے آیا ہوں اور میں تنہا رہ رہ کر تنگ آگیا ہوں اور لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں ---"

سیاچین گلیشیر کا نام سن کر بچے فوراً متوجہ ہو گئے۔

اس شام ہم میجر صاحب کی مہمان نوازی کا لطف اٹھانے کے لیے پسّو کے گاؤں سے پرے "بتورا ان" کے قریب ان فوجی بیرکوں میں گئے جہاں ان کا قیام تھا --- لالٹین کی روشنی میں میجر صاحب کی آنکھیں کچھ زیادہ ہی چمکتی تھیں' وہ سیاچین گلیشیر پر گزارے ہوئے روز و شب کے بارے میں گفتگو کرتے رہے جسے دنیا کا بلند ترین میدان جنگ کہا جاتا ہے --- اور اس کی وحشتوں اور شدتوں کے آثار میجر صاحب کے چہرے پر رقم تھے ---

بچے لوگ پکوڑوں اور بسکٹوں میں زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔

"ہم شیسپر ان واپس لوٹ رہے تھے تو میں نے پسّو گلیشیر سے آنے والی تیز ندی کے پل پر کار روک لی ---

"کیا ہوا؟" صابر بھی میرے برابر میں آرکا؟ "کوئی پرابلم؟"

"نو پرابلم" میں نے کہا "تم چلو میں آتا ہوں۔"

اگلے چار پانچ روز یہی قصہ دوہرایا جاتا رہا --- میں جب بھی پسّو کی جانب جاتا یا ہوٹل کو لوٹتا تو کار پل پر روک دیتا اور صابر پوچھتا کوئی پرابلم؟ --- اسے معلوم نہ تھا کہ میں وہاں جان بوجھ کر رکتا تھا ---

رات کی تاریکی میں یا دن کی روشنی میں میری کار پل کے قریب ہوتی تو ندی کا شور ابھرتا اور پھر ایک تیز اور خنک ہوا کار میں شوکنے لگتی --- یہ ہوا پسّو گلیشیر سے آتی تھی اور ندی کے شور پر تیرتی آتی تھی اور اس میں گہرے سانس لینا ایک تجربہ تھا

--- آخری دن جب میری کار رکی تو صابر نے سنجیدگی سے کہا کہ اچھا اب سمجھا تم نے اس پل پر رُکنے کی منت مانی ہوئی ہے --- اور اس نے بالکل درست کہا تھا --- میں نے منت مانی ہوئی تھی کیونکہ خانہ بدوش اسی قسم کی منتیں مانتے ہیں --- روم کے تریوی فوارے میں چند سکے ڈال دیئے اور دعا کی کہ یا اللہ ادھر ایک مرتبہ پھر لے آنا --- سویڈن کی کسی جھیل کے کنارے کھڑے ہو گئے --- راکا پوشی کے برفانی معبد کو دیکھا --- بوریا کے سیاہ جنگل میں گئے --- پنجاب کے ہرے بھرے کھیتوں میں برنے کے درخت کو پھولوں سے لدا دیکھا --- نانگا پربت پر برفباری کا احساس ہوا --- بیروت میں --- افغانستان میں --- ہر جگہ جہاں کہیں بھی ان کا دل رکتا ہے وہ رک جاتے ہیں --- پسّو کے اس پل بھی میرا دل رکتا تھا اور یوں کار رک جاتی تھی ---

رات کے کھانے دوران وہ ذائقہ پھر زندہ ہوا جو دو برس پیشتر ایک تیز اور تند ہوا کی سیاہ رات میں لالٹین کی روشنی میں ہم نے محسوس کیا تھا --- یہ عظیم کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا تھا --- وہ سادہ سی چیز پکاتے ہوئے اسے ایک اشتہا انگیز ذائقے سے روشناس کرا دیتا تھا --- اس کا بیٹا جسے ہم چھوٹا عظیم کہتے تھے ٹورسٹوں کے ساتھ روزانہ میل ملاقات کی وجہ سے خاصا انگریز ہو چکا تھا اور ہر بات پر "تھینک یو سر" اور "بیوٹی فل سر" کہتا تھا ---

تپائی پر لالٹین دھری تھی اور اس کی پیلی روشنی میں کمرے کی دیواریں اور چھت جیسے حرکت کرتے تھے --- اور باہر پسّو گلیشیر سے آنے والی ہوا لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جاتی تھی --- مونا اور عینی رضائی کے کناروں پر ناک جمائے پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھیں --- اور کھڑکی کے شیشے کے باہر رات تاریک اور سرد تھی اور شیشے پر لالٹین جھلملاتی تھی --- اس لمحے ایک عجیب احساس ہوا کہ شاید ذہنی سکون کے لیے اور بدن کے آرام کے لیے اور کچھ مختلف سوچنے کے لیے لالٹین کی روشنی بہت

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ضروری ہے۔ یہ ہمیں یکدم جدید سے قدیم میں لے جاتی ہے اور یوں وہ سب کچھ جو جدید زمانے میں ہمیں اذیت دیتا ہے پیچھے رہ جاتا ہے --- ہم کچھ بیک ورڈ ہو کر لاپرواہ ہو جاتے ہیں --- ٹھیک ہے اس کی روشنی میں پڑھا نہیں جا سکتا لیکن سکون سے سوچا ضرور جا سکتا ہے --- اور شاید کھانے کی میز پر بھی چونکہ لالٹین دھری تھی اس لیے اس میں ذائقہ مختلف تھا اور اگر وہاں بجلی کی روشنی رہتی تو وہ کچھ اور ہوتا ---

میں سویا لیکن فوراً ہی جاگ گیا --- یوں محسوس ہوا کہ فوراً جاگ گیا ہوں ورنہ صبح ہو رہی تھی اور مونا سرگوشی میں فکرمندی سے کہہ رہی تھی کہ ذرا سلجوق کو دیکھئے اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں --- میرا دل اس طرح بے قابو ہو کر خوف سے دھڑکا جس طرح والدین کے دل اولاد کے لیے دھڑکا کرتے ہیں۔

"کیا ہوا؟" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اسے شاید سردی لگ گئی ہے۔ تیز بخار ہے اور رات تین چار مرتبہ قے کر چکا ہے ---"

میں فوراً اٹھ کر اس کے کمرے میں گیا تو وہ مدہوش تھا --- اور اس کے چہرے پر ہلکی زردی تھی اور وہ آنکھیں مشکل سے کھولتا تھا --- مجھے یہ ڈائریا لگتا تھا جو پانی کی تبدیلی اور خوراک کے باعث ان علاقوں میں حملہ آور ہوتا ہے اور انسان کو نڈھال کر دیتا ہے --- اس کا ماتھا تپ رہا تھا --- ایسے موقعوں پر میں زیادہ پریکٹیکل نہیں ہوتا --- بلکہ کچھ نروس ہو جاتا ہوں --- اور ظاہر ہے بچوں کے چہرے پر بیماری میں دیکھ نہیں سکتا۔ شاید یہ ان چیریوں کا کمال تھا جو سب نے خوب پیٹ بھر کر کھائی تھیں یا بشام بازار کے اس کھانے کا کارنامہ تھا جس میں میل اور گندگی تیرتی تھی اور جو ہمیں

مجبوراً کھانا پڑا --- بہرحال مونا نے اپنی میڈیکل کٹ نکالی اور اسے کچھ گولیاں کھلائیں --- مونا چھوٹی موٹی ڈاکٹر بھی ہے اور ان دنوں ڈاکٹروں کی فیسوں کی وجہ سے ہر بیوی کو ہونا چاہیے --- معمولی بیماریوں کے لیے چند ایک مخصوص دوائیں ہوتی ہیں اور ہم صرف ان کا نام لکھانے کے لیے ڈاکٹر کو پچاس روپے دے آتے ہیں --- مونا ایسے نام خود ہی لکھ لیتی ہے ---

پچھلی شب میں نے عظیم سے کہا تھا کہ وہ گاؤں جا کر ماسٹر محمد حقیقت کو میری آمد کی اطلاع کر دے۔ ماسٹر حقیقت --- ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں --- واخی زبان اور ثقافت کے ماہر ٹریکنگ پر ایک انگریزی کتاب کے مصنف اور آلو اگانے والوں کی ایسوسی ایشن کے صدر --- پہلی ملاقات دو برس پیشتر ہوئی اور اب وہ میرے عزیز دوست تھے --- یہی ماسٹر حقیقت پسو سے آنے والی سڑک پر چلے آ رہے تھے --- سلام دعا کے بعد میں نے فوراً سلجوق کی حالت بیان کی ---

وہ ٹھہرے ٹھہرے انداز میں بولنے لگے "--- نہیں کوئی فکر کی بات نہیں --- اکثر سیاحوں کے ساتھ ایسا ہو جاتا ہے ---"

"لیکن حقیقت صاحب --- یہ سیاح نہیں ہے، میرا بیٹا ہے --- اور میں تو بہت فکرمند ہوں ----"

"تو پھر یہ ہے کہ --- یہاں پسو میں کوئی ڈاکٹر نہیں --- ایک کمپاؤنڈر ہے --- اور وہ میں نے دیکھا تھا کہ اپنے کھیت کو پانی دینے کے لیے چلا گیا ہے ---"

"اس کا مطلب ہے کہ کریم آباد جانا پڑے گا وہاں ہسپتال ہے ---"

"نہیں ---" ماسٹر حقیقت نے سر ہلایا۔ "ادھر گل مت میں بھی ڈاکٹر بیٹھتا ہے --- ڈاکٹر نیامت شاہ، اس پورے علاقے میں وہ ایک ہی ڈاکٹر ہے --- تو چلیں اسے دکھاتے ہیں ---"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

سلجوق اگرچہ بہت کمزور اور لاچار محسوس کر رہا تھا لیکن اس نے ہمت کی لباس تبدیل کیا اور ہم کار میں بیٹھ گئے --- پچھلی نشست پر سلجوق اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کر نیم دراز ہو گیا --- اسے کچھ زیادہ ہوش نہ تھا --- سمیر اور عینی کے چہرے بھی اترے ہوئے تھے --- بھائی کی طبیعت جو ٹھیک نہیں تھی --- ہم شاہراہ پر آئے اور گل مت کی جانب روانہ ہو گئے --- ابھی صبح تھی اور اس کی تازگی میں کار کاٹتی ہوئی جاتی تھی --- اور پھر وہ وہم اور خدشات تھے جو تمام والدین کے ساتھ سفر کرتے ہیں --- دریائے ہنزہ صبح کی ہلکی روشنی میں جیسے ابھی تھما ہوا تھا اور رواں ہونے کو تھا --- گل مت دور نہ تھا --- قصبہ شاہراہ سے ہٹ کر بلندی پر تھا اور وہاں تک ایک چھوٹا سا پر پیچ راستہ جاتا تھا جس کے دونوں طرف کھیت تھے اور پتھریلی دیوار تھی --- میں نے کار روک لی۔

"اب اوپر کیسے جائیں گے؟" میں نے حقیقت سے پوچھا۔

"یہ کار جائے گی ---" انہوں نے مسکرا کر کہا اور صبح کی دھوپ میں ان کے سونے کے دانت چمکے۔

"کیسے جائے گی ---"

"آپ چلو --- یہ جائے گی" انہوں نے پورے یقین سے کہا۔

اور واقعی کار چلی گئی صرف یہ ہے کہ اگر سامنے سے کوئی اور جیپ یا ٹریکٹر وغیرہ آجاتا تو ہمیں نیچے تک بیک گیئر میں جانا پڑتا اور بل کھاتے ہوئے جانا پڑتا۔

"مارکوپولوان" کے پھاٹک سے آگے گل مت کی پولو گراؤنڈ تھی جس کے ایک کونے میں ہسپتال کے دو کمرے تھے۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب گلگت چلے گئے ہیں --- اور ان کے علاوہ وہاں کوئی بھی نہیں --- یہ ایک بری خبر تھی --- میں پہلی مرتبہ گل مت کے قصبے میں آیا تھا لیکن میں اسے توجہ نہیں دے سکتا تھا میرا دھیان

سلجوق سے ہٹتا نہ تھا۔

"میرے خیال میں ---" ماسٹر حقیقت صاحب پھر سہمے سہمے بولنے لگے۔" وہ اگر گلگت جائیں گے تو پہلے اپنے گاؤں جائیں گے --- میرے خیال میں۔"

"اور ان کا گاؤں کون سا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"گاؤں کا نام --- غل کن ہے ---"

"اور یہ میرے خیال میں --- ہم پہلے نیچے شاہراہ ریشم پر جائیں گے پھر پسو کی جانب سفر کریں گے دو تین کلومیٹر تک --- پھر اوپر پہاڑی پر جائیں گے تو غل کن پہنچ جائیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے ہم غل کن جائیں گے ---" میں نے کار سٹارٹ کر دی ---

سلجوق کی حالت بدستور ویسی ہی تھی --- اور اس نے ایک مقام پر پر کار رکوا کرتے بھی کی تھی اور میں اسے دیکھ نہیں سکا تھا ---

ہم شاہراہ پر آئے اور پھر اس مقام پر پہنچے جہاں سے ایک کچا اور پتھریلا راستہ آسمان کو جاتا تھا اگرچہ ماسٹر حقیقت کا کہنا تھا کہ غل کن کو جاتا ہے ---

"اب اوپر کیسے جائیں گے؟"

"یہ کار جائے گی ---" ماسٹر حقیقت نے اپنی سنہری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا ---

"وہاں تو چلی گئی تھی یہاں نہیں جائے گی --- ماسٹر صاحب یہ ایک بے چاری سوزوکی ہے اور پتھروں پر چل کر نہیں جاسکتی ---"

"جائے گی ---" وہ یقین سے بولے ---

اور وہ گئی --- اور اس حال میں گئی کہ میں پہلے گیئر پر تھا اور اسے آہستہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا صرف آہستہ سوچ کی وجہ سے کار پیچھے جاسکتی تھی کہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ڈھلوان اتنی شدید تھی ---- اور میں صرف سلجوق کی بیماری کی وجہ سے اسے وہاں تک لے گیا ---- مجھے یقین ہے کہ اس گاؤں میں سوزوکی پہلی بار پہنچی ہو گی ---- غل کن ایک بلند اور دھوپ میں تپتا کم درختوں والا دور افتادہ گاؤں تھا ---- ماسٹر حقیقت صاحب فوری طور پر ڈاکٹر کے گھر پہنچے ---- ڈاکٹر صاحب جا چکے تھے ---- کہاں؟ ---- ایک دوست کے موٹر سائیکل پر وہ غل کن سے نیچے جا رہے تھے ---- اور تب وہ پتہ نہیں کس راستے سے نکل کر ہمارے سامنے آ گئے ایک نوجوان خوش شکل ڈاکٹر جس کا رنگ سورج سے دہکتا تھا ----

ڈاکٹر نیامت اللہ شاہ ---- غل کن کے رہنے والے تھے، نشتر میڈیکل کالج ملتان سے ہنرمند ہوئے اور اب اپنی من مرضی سے اپنے وطن کی خدمت کے لیے گل مت میں کام کر رہے تھے ورنہ ان کے دوسرے ہم وطن پاکستان کے بڑے شہروں میں عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے ---- ڈاکٹر نیامت سے مل کر مزا آ گیا ---- انہوں نے اس بے چینی اور خوف کو یکسر ختم کر دیا جو سلجوق کے لیے میرا اندر گھر بناتا تھا۔ اس کا مکمل طور پر چیک اپ کیا، مناسب دوائیں بالکل مفت عنایت کیں اور ہماری بے خبری میں ہمارے سامنے کی میز کو مشروبات اور خوراک سے بھر دیا ---- سلجوق کی آدھی بیماری ختم ہو چکی تھی اور وہ ایک مقامی کیک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا ----

غل کن میں ایک چھوٹی سی لائبریری تھی ---- اور اس میں میری چھوٹی سی کتاب "ہنزہ داستان" رکھی تھی۔ لوگ جمع ہوئے، مجھے اس قراقرمی قصبے کی چھوٹی سی لائبریری میں اپنی کتاب دیکھ کر جو مسرت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے ---- اور لوگوں نے جس محبت کا اظہار کیا اس کا کیسے ذکر کروں ---- ہم اطمینان سے پتو واپس آئے

سمیر اور عینی ہمارا انتظار کر رہے تھے اور جب سلجوق کسی سہارے کے بغیر کار سے باہر آیا تو ان کے چہرے کھل اٹھے۔

سلجوق کی صحت کی خوشی میں اس شام ہم نے "بتورا ان" میں ڈنر کیا۔
اور "بتورا ان" کیا ہے؟ ---- گل مت سے جاتے ہوئے پہلے پسو گلیشیر دکھائی دیتا ہے اور اس کے پہلو میں دبکا ہوا "شیسپر ویو ہوٹل" جس میں ہمارا قیام تھا ---- پھر پل کے پار تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر دریا کے ساتھ نیچے پتو گاؤں ہے اور اگر آپ سیدھے چلے جائیں تو ایک ڈھلوان سے اتر کر "بتورا ان" سامنے آ جاتا ہے۔ باہر سے چند کچی پکی کوٹھڑیاں اور اندر سے ایک پرسکون اور خاموش قیام گاہ جہاں بین الاقوامی حیثیت کے کئی ادیب اور کوہ پیما ٹھہرتے ہیں اور اس کی مکمل خاموشی اور اس دنیا سے باہر کی سی کیفیت کو پسند کرتے ہیں ---- یہ قدرت کے قریب تر ہے اس لیے یہاں غیر قدرتی آسائشیں بہت کم ہیں "بتورا ان" کے مالک ماسٹر حقیقت کے بہنوئی ہیں اور ان کا بیٹا امیر علی ایک باشعور اور بااخلاق نوجوان ہے جو پتو کے قیام کے دوران ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ---- وہ ہمیں اپنے ہوٹل میں دیکھ کر بے حد خوش ہوا ----

"آپ کیا کھائیں گے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بتورا ان" ان کی کوئی بھی خصوصی خوراک ----" ہم نے کہا"

"بتورا ان" کا ڈائننگ روم ایک نیچی چھت کا کمرہ تھا جس میں دو لمبی میزیں دو تین بنچ اور میزوں پر رکھے تام چینی کے جگ تھے البتہ دیواروں پر درجنوں ویو کارڈ چسپاں تھے جو ان لوگوں کے بھیجے ہوئے تھے جو چند روز کے لیے پتو کے اس ہوٹل میں آ کر اطمینان سے ٹھہرے اور اب پیرس ٹوکیو اور نیویارک وغیرہ کی گھما گھمیوں اور

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بھاگ دوڑ میں اسے یاد کرتے تے۔ باہر ہوا پھر تیز ہو رہی تھی اور ڈائننگ روم کا ٹوٹا ہوا دروازہ اس کے دباؤ سے پھولتا تھا --- امیر علی نے ایک جگ پانی کا لا کر سامنے رکھا' پانی بے حد مزیدار اور خنک تھا اور اس میں برف تھی۔

"یہاں برف کا کارخانہ ہے؟" سلجوق نے پوچھا۔

"نہیں صاحب" امیر علی مسکرانے لگا "برف تو بتورا گلیشیر میں بنتی ہے وہاں سے پگھل کر جب نیچے دریا میں اس کا نالہ گرتا ہے تو اس میں برف کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی آتے ہیں جو ہم پکڑ لیتے ہیں اور پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے بھائی ایک بیوقوف بچہ ہے۔" عینی نے فوراً بدلہ لے لیا "بھلا پسو گلیشیر کی موجودگی میں برف کے کارخانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟"

سلجوق نے اسے بری طرح گھورا۔

کھانا میز پر لگنے لگا --- سفید چاول' ابلے ہوئے آلو اور ساگ --- اور حیرت انگیز طور پر یہ بے حد ذائقے دار تھا۔ ہم اسے دیر تک کھاتے رہے اور اس کی تعریف کرتے رہے۔ امیر علی اس کی قیمت لینے سے گریزاں تھا اور پھر ہمارے اصرار کرنے پر اس نے جو کچھ لیا وہ بہت کم تھا۔ کھانے کے بعد "چو مورو" آگئی - یہ پسّو کے گردونواح میں اگنے والی ایک بوٹی اور پتے ہوتے ہیں جن کو ابال کر گرم گرم پیا جاتا ہے' ذائقہ قہوے اور جوشاندے کے آس پاس کا لیکن خوراک کو ہضم کرنے کے لیے بیحد مفید --- اتنی دیر میں چند جاپانی اور مقامی نوجوان اندر آگئے --- جاپانی فوراً میزوں پر نقشے پھیلا کر بیٹھ گئے اور نوجوان کھانے کے بارے میں پوچھنے لگے ---

امیر علی نے بتایا کہ ایک جاپانی یونیورسٹی کے اساتذہ اور طالب علم گوجال کی دور افتادہ وادی شمشال میں تین ماہ گزارنے کے لیے جا رہے ہیں اور وہاں وہ اہل

شمشال کے رہن سہن عادات و اطوار اور ثقافتی پہلوؤں کے بارے میں تحقیق کریں گے --- شمشال ابھی تک ایک نسبتاً غیر معروف وادی ہے اور اس کی بنیادی وجہ وہ طویل اور دشوار ترین سفر ہے جس کے بغیر آپ شمشال کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے۔ تقریباً تین دن کا سفر شمشال نالہ کے ساتھ بھربھری چٹانوں پر جہاں کوئی مناسب راستہ نہیں اور کئی ایسے گلیشیر جن کی مرغوب غذا وہ سیاح ہیں جو لاپروائی سے ان پر قدم رکھتے ہیں۔ شمشال کے ایک نوجوان طالب علم نے مجھے پہچان لیا اور میرے پاس آگیا۔ وہ کراچی میں زیر تعلیم تھا اس نے شمشال کے باسیوں کی مصیبتوں کا ذکر کیا کہ کس طرح وہ مناسب سڑک کی غیر موجوگی کی وجہ سے مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ اگر کوئی بیمار پڑ جائے تو ظاہر ہے صرف تین دن تو اسے شاہراہ تک لانے میں لگتے ہیں اور اس دوران مریض کے ساتھ جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ ویسے ان دنوں اہل شمشال نے اپنی مدد آپ کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے پسو سے ایک سڑک کی تعمیر شروع کر رکھی ہے۔

ماسٹر حقیقت ہمیں تلاش کرتے ہوئے "بتورا ان" آگئے

وہ حسب عادت رک رک کر دھیمے انداز میں بولنے لگے "آپ کے سفر کی منصوبہ بندی میں کیا کیا شامل ہے۔ اور آپ کتنے روز کے لیے اپنے آپ کو شمال کے حوالے کر سکتے ہیں؟"

"منصوبہ بندی کچھ یوں ہے کہ کل ہم خنجراب کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور واپسی پر پسّو میں ایک دن رات کے قیام کے بعد گل مت اور پھر کریم آباد اور وہاں سے گلگت اور واپس۔"

"آپ کل خنجراب تو نہیں جا سکتے۔" وہ اطمینان سے بولے۔

"کیوں؟ کیوں ---؟" بہت ساری آوازیں اور ان سب کے آخر میں صابر

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

قاضی کی رکتی ہوئی آواز "بٹ وائی؟"

"سوست سے آگے --- ایک مقام پر خنجراب نالے میں چٹانیں گرنے سے پانی کی سطح بلند ہو گئی ہے اور وہ سڑک پر آگیا ہے اب وہاں ایک چھوٹی سی جھیل بن چکی ہے --- اور پچھلے تین روز سے ادھر کی ٹریفک ادھر ہے اور ادھر کی ادھر ہے --- صرف کشتی کے ذریعے دوسری طرف جایا جا سکتا ہے۔"

"کاش سوزوکیاں تیر سکتیں ---" عینی کہنے لگی۔

اب کیا کیا جائے؟ ہم سب بے حد بجھے دل کے ساتھ بولے۔ ہم نے اپنی نظریں خنجراب پر جمار کھی تھیں اور اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اتنے طویل سفر کے بعد ہم درہ خنجراب پار چین میں نہیں جھانک سکتے تھے۔

"ویسے مایوس ہونے کے زیادہ ضرورت نہیں ---" ماسٹر حقیقت نے ہمارے لٹکے ہوئے چہرے دیکھ کر کہا "خیال ہے کہ ایک دو دن میں ٹریفک کھل جائے گی اتنی دیر میں آپ پسّو کے آس پاس ٹریکنگ کریں۔"

"ٹریکنگ" صابر نے چونک کر کہا "یعنی پیدل جانا ہو گا۔"

"انہی پتھروں پر چل کر صابر میاں --- پتھروں پر چلنا ہو گا ---" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "جی تو ہم کہاں جائیں گے؟"

"ہم کل ایک ایسی جھیل دیکھیں گے جو پہلے نہیں تھی اور اب ہے --- ایک نئی جھیل؟ سب لوگ متوجہ ہو گئے۔

"--- اور یہ جھیل کہاں ہے؟"

"ادھر پل کے پار دائیں طرف پسو گلیشیر کے عین نیچے۔"

"اور اس کا کیا نام ہے؟" سمیر نے پوچھا۔

"نام؟" حقیقت صاحب سوچ میں پڑ گئے "اس کا ابھی تک کوئی نام نہیں ہے --- گمنام ہے۔"

تارڑ جھیل؟

بڑے بڑے پتھروں میں سے جامنی رنگ کے پھولوں کے گچھے جھانکتے تھے اور جنگلی جڑی بوٹیوں کی تیز مہک سرد ہوا کے ساتھ پھیلتی تھی۔

سامنے شیسپر کی چوٹی صبح کی روشنی میں صاف ہو رہی تھی اور ہم گمنام جھیل کی جانب ہانپتے ہوئے چلتے تھے --- یہ سفر شمال کا پہلا ٹریک تھا یعنی پہاڑی رستوں پر پیدل چلنے کا پہلا تجربہ اور ہمارے منہ کھلے ہوئے تھے اور ان میں سرد ہوا کی ٹھنڈک سرایت کرتی تھی۔ البتہ ماسٹر حقیقت اور ہمارے دو نوجوان دوست امیر علی اور غلام احمد بڑے اطمینان سے چل رہے تھے۔ غلام احمد نے میٹرک کا امتحان دیا تھا اور اب نتیجے کا منتظر تھا۔ اس میں قراقرم کی بے خوفی تھی اور وہ ایک نہایت تمیز والا خوش شکل نوجوان تھا۔ پسّو میں ہم جہاں بھی گئے وہ ہمارے ساتھ گیا۔ اس کی رفاقت نے ہم سب کو خوشی دی۔ سلجوق ابھی کمزور تھا' اس کی خواہش کے باوجود ہم اسے ساتھ نہیں لائے تھے --- بیگم قاضی اور ننھا قاضی بھی ہمارے ہمراہ نہیں تھے۔ اور بڑا قاضی ایسے پتھروں پر نگاہ رکھتا تھا جن پر آرام کی خاطر لیٹا جا سکے۔

گمنام جھیل اتنی نزدیک نہیں تھی جتنی کہ ہم خیال کرتے تھے۔

"واہ جی واہ کیا بیوٹی فل ستون ہے۔" قاضی کہتا اور لیٹ جاتا اور سب کی خواہش کی ترجمانی کرتا اور ہم بھی بیٹھ جاتے۔ ہماری شہری زندگی کی کمزوریاں سامنے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

آرہی تھیں البتہ میمونہ ہاتھ میں ایک چھڑی لئے بوڑھی میموں کی طرح چلتی جارہی تھی۔

پتو گلیشیر ابھی بہت دور تھا۔ جھیل کا نام ونشان نہ تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اب وہاں نہ ہو جہاں تھی۔ ماسٹر حقیقت کا کہنا تھا کہ یہ جھیل صرف چند برس پیشتر وجود میں آئی تھی اور اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا اور اسی لیے یہ کسی سیاحتی گائیڈ یا نقشے پر موجود نہیں تھی۔ گلیشیر میں سے نکلنے والے ایک نالے کا راستہ بند ہو گیا اور پانی پھیل کر جھیل میں بدل گیا۔ شاید یہ ماسٹر حقیقت کا واہمہ تھا کہ وہاں پتو گلیشیر کے دامن میں ایک جھیل ہے۔ میں بھی تو دو سال پہلے ادھر سے ہو کر گیا تھا اور تب کسی نے اس جھیل کی بات نہیں کی تھی۔

سامنے بھربھری ریت اور پتھروں کا ایک ٹیلا آیا جس پر چڑھائی بہت مشکل تھی اور قدرے خطرناک بھی۔ عینی عین درمیان میں پہنچ کر لڑھکتی ہوئی نیچے آگئی۔ تب حقیقت صاحب نے ایک مظاہرہ کیا۔ انہوں نے اتنی تیزی سے اس پر چڑھائی کی کہ قدموں کو جمنے تک نہ دیا اور پھر ہم سب بھی باری باری اس پر چڑھ گئے اور سانس درست کرنے لگے تو جھیل دکھائی دے گئی۔

گمنام جھیل واقعی وہاں تھی۔

قراقرم کی سیاہ چٹانوں اور پتو گلیشیر کے نیچے وہ ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی تھی اور اب ظاہر ہوئی تھی صرف ہمارے لیے تھی اور ہم ان سیاحوں کی طرح چپ کھڑے تھے جنہوں نے پہلی مرتبہ دریائے نیل کا منبع دیکھا تھا' ماؤنٹ ایورسٹ کو دریافت کیا تھا یا ان کے سامنے ایک نیا جزیرہ تھا۔ جھیل میں ایک چھوٹی سی آبشار گر رہی تھی۔ پتو گلیشیر سے آنے والی ایک ندی اور جھیل کے پانی سرمئی رنگ کے تھے اور کروٹیں بدلتے ہماری جانب آتے تھے اور اس پار برف سے لدے ہوئے پہاڑ

ہمیں دیکھتے تھے۔ جھیل کا پانی ظاہر ہے کاٹتا تھا اور اس میں ہاتھ رکھنا ناممکن تھا شائد اس لیے کہ اسے ہم سے پیشتر کسی نے چھوا نہیں تھا---

"ابو" --- عینی ایک ریتلی سطح پر پاؤں دھرتی میرے پاس آئی "میں نے جھیل کا نام رکھ دیا ہے۔"

"کیا؟" میں نے بے دھیانی میں پوچھا۔

"تارڑ جھیل---"

میں بے اختیار مسکرا دیا "آپ اس کا یہ نام کیسے رکھ سکتی ہیں؟"

عینی بہت سنجیدہ تھی "ابو اس جھیل پر ہم سے پہلے کوئی سیاح نہیں آیا --- تو جیسے مہم جو جب کوئی نیا جزیرہ یا نیا ملک دریافت کرتے تھے تو اس کا نام رکھ دیتے تھے ہم نے بھی اس جھیل کو دریافت کیا ہے۔"

"بیٹے یہاں کے لوگ اور کئی سیاح اس سے پیشتر یہاں آتے رہے ہوں گے ہم پہلے لوگ نہیں۔"

دیکھیں ناں امریکہ بھی تو پہلے سے موجود تھا اور وہاں کے باشندے تھے اس کے باوجود --- نہیں ہم نے اس جھیل کو دریافت کیا ہے' اس کا نام تارڑ لیک ہے۔"

"یہ بہت خوب بات ہے" حقیقت صاحب کی سُنہری مُسکراہٹ جھیل پر چمکی "بچی ٹھیک کہتی ہے یہ تارڑ جھیل کہلائی جا سکتی ہے۔"

"حقیقت صاحب" میں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا "دنیا کی وہ سب جھیلیں جو میں نے دیکھی ہیں دراصل تارڑ جھیلیں ہیں اور وہ پہاڑ کوہ تارڑ ہیں اور وہ وادیاں۔ یہی تو اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ اس نے اپنی کائنات کو اپنے ہر بندے کے لیے بنایا' اسے جو کوئی بھی دیکھتا ہے یہی سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ صرف میرے لیے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بنایا گیا اور پھر ایک سیاح تو ان مناظر کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اپنے لبادے میں چھپا کر لے جاتا ہے اور بقیہ زندگی تاریک لمحوں میں انھیں دیکھتا ہے اور ان سے مسرت حاصل کرتا ہے تو یہ جھیل بھی ہم ساتھ لے جائیں گے اور جب میں ہر صبح مال روڈ کی وحشی ٹریفک میں بچوں کو سکول چھوڑنے جا رہا ہوں گا تو ہماری کار کے اندر اس جھیل کی خوشبو بھی سفر کرے گی' یہ واقعی نارڑ جھیل ہوگی۔"

غلام احمد میمونہ کو آس پاس کے پہاڑوں کے نام بتا رہا تھا۔

سمیر ریت پر ایک نقشہ بنا رہا تھا۔

میں جھیل کو ایک مختلف زاویے سے دیکھنے کے لیے اور اس کی تصویریں بنانے کے لیے ان سے پرے ہوا اور بھربھری ریت اور ٹیلوں سے پرے ہوا تو ان کی آوازیں دور ہوئیں اور ہوا کی آواز اور قریب ہوئی اور میں اس جھیل کنارے اور ان سیاہ پہاڑوں اور ان پر ٹھہری ہوئی برفوں کے درمیان جیسے اکیلا رہ گیا --- اور یہ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا کہ اس نے بنایا اور اس میں انسان نے کہیں بھی اپنے کمالات نہیں دکھائے۔ کوئی سڑک کوئی راستہ کوئی گھر کچھ نہ تھا سوائے اس جھیل کے اور ہوا کے اور ہاں اب سمیر اور عینی رنگین نقطوں کی صورت دور رینگتے تھے اور شاید وہ مجھے بلاتے تھے اور ہاتھ ہلاتے تھے اور یہ وہی لمحہ ہوتا ہے جب انسان فیصلہ کرتا ہے کہ اس نے کدھر جانا ہے بلکہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس نے واپس لوٹنا ہے یا آگے بڑھنا ہے آگے بڑھنے میں ہر چیز سے کٹ جانے کا خدشہ ہوتا ہے انسانوں اور دنیا سے اور تہذیب سے اور واپس لوٹنا زیادہ محفوظ ہوتا ہے پھر اسی زندگی کی جانب جو پہلے تھی۔ وہ ایک لمحہ بہت مقامات پر آتا ہے اور انسان واپس لوٹ آتا ہے' آگے نہیں جاتا۔ خواہش رکھتا ہے کہ آگے جائے پر جا نہیں سکتا۔

میں بھی جھیل کی مکمل تنہائی سے الگ ہو کر واپس آ گیا۔

"یہاں تو کیمپنگ کے لیے آنا چاہیے" سمیر کہہ رہا تھا --- "واہ واہ چاندنی رات میں کیا نظارہ ہوگا۔"

"اور اگر رات کے وقت یہاں ریچھ آجائے تو؟" عینی کہنے لگی۔

"یہاں ریچھ نہیں ہوتے" غلام احمد نے عینی کو تسلی دی۔

"بھائی کے بغیر مزا نہیں آتا" عینی نے سر ہلا دیا۔

وہ درست کہتی تھی سلجوق کے بغیر ہم ادھورے تھے۔ قاضی اپنا سویٹر تکیہ بنائے ایک پتھر پر دراز تھا اور سگرٹ کے کش لگا رہا تھا۔

"یار نارڑ --- اچھی جگہ ہے۔"

"ہم مخل ہوئے ہیں یہاں آکر ---" میں نے اس خاموشی کو پھر محسوس کیا جس میں صرف ہم بولتے تھے۔

"یہاں جو کچھ بھی ہے اس کے تخلیئے میں --- ان آسمان کو چھوتی سلیٹی رنگ کی بھربھری چٹانوں --- اس جھیل کی کروٹیں بدلتی سطح اور ہوا میں مخل ہوئے جو ہمارے چہروں پر پھیلتی ہے' ہوٹل ہم ان ہواؤں کے راستے میں حائل ہوئے ہیں۔"

"بل شٹ" قاضی نے کہا اور ایک سگرٹ سلگا لیا۔

ماسٹر حقیقت بہت پریکٹیکل قسم کے انسان ہیں لیکن اس جھیل کی تنہائی میں وہ بھی اپنے خواب بیان کرنے لگے --- "میں چاہتا ہوں کہ پسو سیاحوں کا مرکز بن جائے --- یہاں ہوٹل بنیں' کوہ پیما نیس آئیں اور دنیا بھر کے لوگ جانیں کہ پسو جیسا قصبہ اور کہیں نہیں ہے --- میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ یاک کاروان چلاؤں سیاحوں کے لیے --- "یہاں پر یاکوں کا ایک فارم ہو جہاں یاک کی نسل کی افزائش ہو ---"

یاکوں کا تذکرہ سن کر سمیر نے کان کھڑے کر لیے --- انکل کیا ان دنوں کوئی یاک دیکھا جا سکتا ہے؟"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"ادھر تو نہیں --- پسّو کے یاک اوپر بلندی پر چراگاہوں میں چلے گئے ہیں۔ ہمارے پسّو کے لوگوں کی ایک چراگاہ بتورہ گلیشیر کی وادی میں ہے اور اس کا نام "گویزوک پرت" ہے یعنی مارخوروں والی سرسبز ڈھلوان ہے اور پھر "یاش پرت" ہے یعنی گھوڑوں والی سرسبز ڈھلوان اور پھر "کوک بل" ہے جس کا مطلب ہے "چشمے والی چراگاہ" گوشیم بھی ایک چراگاہ کا نام ہے اور اس کا معنی ہے پھولوں کی آنکھ --- اور پھر حضرت فاطمہؓ کے نام بھی ایک چراگاہ ہے "فاطمہ بل ---"

اور یہ سب چراگاہیں کہاں ہیں؟" عینی نے دریافت کیا۔

"ادھر جو بنجر اور بلند پہاڑ نظر آرہے ہیں ان کی بلند ڈھلوانوں پر ---"

"میرے گھر والے اماں وغیرہ ابھی کل ہی مویشیوں کو لے کر فاطمہ بل پر گئے ہیں۔" غلام احمد نے بتایا۔

"ابّو کبھی ہم ان چراگاہوں تک بھی جائیں گے؟" سمیر نے میرا کندھا ہلایا" کتنا مزہ آئے گا کسی جھونپڑے میں اتنی بلندی پر --- گلیشیر کے ساتھ اور سامنے یاک چر رہے ہوں۔"

"یہ یاک جو ہے تو ادھر کا باشندہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں انہی علاقوں کا ہے لیکن کسی زمانے میں اسے سنکیانگ اور پامیر سے درآمد کیا جاتا تھا۔ یہ ادھر درّہ خنجراب کے پار سنکیانگ ہے۔ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس لیے اس کی سواری کا بہت لطف آتا ہے --- خطرناک ترین ڈھلوان پر بے خطر چلتا ہے اور پاؤں جما کر چلتا ہے بلکہ اکثر مقامات پر جہاں انسان اپنے دو پاؤں نہیں رکھ سکتا وہاں یہ اپنے چاروں پاؤں کو مضبوطی سے جما سکتا ہے۔ آپ لوگ بہار کے موسم میں آئیں تو آپ کو یاک کی سیر کرائی جائے۔"

"اب نہیں دیکھ سکتے یاک ---" عینی نے آزردہ ہو کر کہا۔

"اب اگر آپ خنجراب جائیں گے تو ہو سکتا ہے راستے میں دکھائی دے جائیں کیونکہ ادھر بلندی زیادہ ہے۔"

اور یہ جنگلی ہوتے ہیں؟"

"نہیں --- بالکل پالتو ہوتے ہیں باہر سے آنے والے البتہ انہیں پہاڑوں میں گھومتے ہوئے دیکھتے ہیں تو خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ شاید یہ جنگل کے جانور ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک میجر صاحب اپنی جیپ پر ان علاقوں میں جا رہے تھے کہ سامنے سے آٹھ دس یاک آگئے انہوں نے سمجھا شاید جنگلی ہیں اس لیے شکار کرنے کا نادر موقع ہے۔ ایک برسٹ مار کر چھ سات ڈھیر کر دیے بہت خوش ہوئے بعد میں زیادہ خوش نہیں ہوئے کیونکہ ظاہر ہے یاک کے مالک کو ادائیگی کرنا پڑی --- میرا خیال ہے کہ واپس چلیں --- ہمارے گھر میں آپ کے لیے بنائی گئی چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"خدا حافظ تارڑ جھیل" عینی نے جھک کر سرد پانیوں کو چھوا۔

جھیل میں جو پانی گر رہا تھا اس کی آواز ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

تو ہم اس کے سکون اور تنہائی میں باہر آگئے اور ہم نے محسوس کیا کہ اس ہوا میں جس میں ہم تھے کچھ اور خاموشی آئی اور ٹھہر گئی جامنی پھولوں کی جھاڑیوں کی تیز مہک پھر آئی اور اس کے ساتھ وہی افسوس بھی کہ جانے اب آنا ہو کہ نہ --- انسان شکر نہیں کرتا کہ کم از کم ایک ایک مرتبہ تو وہ سب کچھ دیکھ لیا جو دوسروں سے پنہاں تھا --- یہ چاہتا ہے کہ دوبارہ پھر آؤں اور اس کا افسوس لیے واپس جاتا ہے اس کی خوشی کو لے کر نہیں جاتا' یہی انسان ہے۔

ماسٹر حقیقت کا باغ جو ہم پچھلے سفر پر نہ دیکھ سکے تھے اب دیکھ رہے تھے ہم ان کے گھر کے برآمدے میں یاک کے بالوں سے بنے ہوئے غالیچوں پر براجمان چائے پی رہے تھے اور خوبانیوں کے بادام اور تازہ شہتوت کھا رہے تھے ان کی معمر والدہ ہنزہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کے روایتی لباس میں ملبوس سر پر رنگین ٹوپی جمائے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ان کو بہت کم دکھائی دیتا تھا لیکن ان کے چہرے پر دور سے آئے ہوئے مہمانوں کے لیے مسرت لکھی ہوئی تھی۔ ماسٹر حقیقت ان کے سامنے مودب ہو کر بیٹھے ہوئے تھے ----

میمونہ اور ثمرہ بھابھی ماسٹر حقیقت کی بیگم سے ملاقات کرنے کے لیے گھر کے اندر چلی گئیں۔ میں نے ہنر بیگ کے بارے میں دریافت کیا۔

"جب بھی گرمیوں کا موسم آتا ہے تو ہمارے گائیڈ اور پورٹر روزگار کے سلسلے میں گاؤں سے نکل کر گلگت یا سکردو چلے جاتے ہیں کیونکہ کوہ پیما ٹیمیں وہاں سے مزدور بھرتی کرتی ہیں بلکہ کچھ لوگ تو راولپنڈی چلے جاتے ہیں تاکہ جونہی یہ ٹیمیں پاکستان پہنچیں ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا جائے ---- زندگی بہت سخت ہے صاحب ----" حقیقت صاحب کہنے لگے۔

میں نے انہیں بتایا کہ پچھلے برس سکردو کے کے ٹو موٹل کے باہر اتفاقاً ہنر بیگ سے ملاقات ہوگئی تھی اور وہ ایک ٹیم کے ساتھ جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شائد وہ اس ٹیم کے ساتھ نہیں جاسکا تھا۔" حقیقت صاحب کہنے لگے۔

پورٹر۔ گائیڈ۔ ہائی پورٹر یہ سب لوگ ایک مشکل زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی روزی بھی ہم جیسے فری لانس ادیبوں اور اداکاروں کی طرح ہوتی ہے کام مل گیا تو سبحان اللہ اور نہ ملا تو بیٹھے رہے ہاتھ پر ہاتھ دھرے' اسے ہماری اصطلاح میں ہوائی رزق کہا جاتا ہے۔ ان سے پوچھیے کہ آپ کوئی کام کیوں نہیں کرلیتے تو جواب ہوگا کہ صاحب اور کوئی آتا نہیں اور پھر یاد آتا ہے کہ ٹیلی ویژن کے ایک ایم ڈی سے جب ایک اداکار نے شکایت کی کہ جناب پچھلے ایک برس سے کوئی کام نہیں ملا گھر میں آٹا بھی کم ہو رہا ہے تو موصوف نے یہی کہا کہ آپ کوئی اور کام کیوں نہیں کرلیتے؟" اور جواب بھی یہی تھا کہ صاحب اور کوئی کام آتا نہیں۔

ایسے سوال پوچھنے والوں سے کوئی ضرور پوچھے کہ انہیں کونسا کام آتا ہے؟"

چھوٹی قاضی کو بخار ہو رہا تھا ---- پتو کے واحد ڈسپنسر کے بارے میں علم ہوا کہ موصوف حسب عادت اپنے کھیت کو پانی دینے کے لیے گئے ہوئے ہیں چنانچہ ننھے مریض کو اس کے والدین کے ہمراہ چیک اپ کے لیے بھیج دیا گیا ----

ہوٹل واپسی پر میں ایک مرتبہ پھر میں پتو گلیشیر آنے والی ندی کے پل پر رکا۔

"صابر درست کہتا ہے آپ نے یہاں رکنے کی منت مانی ہوئی ہے" میمونہ بولی۔

"کیا تمہیں یہ ہوا اچھی نہیں لگتی ---- اور یہ ندی اس جھیل میں سے آرہی ہے۔"

"اسی ہماری جھیل میں سے ابو؟" ---- عینی نے کھڑکی سے باہر جھانک کر ندی کو دیکھا۔

"ہاں اسی جھیل میں سے ---- اور شاید اسی لیے میں یہاں ہمیشہ رک جاتا تھا کیونکہ جھیل کا ٹھہراؤ یہاں تک آتا تھا" میں نے گاڑی سٹارٹ کردی۔

سلجوق ہوٹل کے برآمدے میں بیٹھا تھا اور ایک جاپانی سیاح سے محو گفتگو تھا جو اپنی چھوٹی سی داڑھی اور کرتہ شلوار کی وجہ سے کسی پرانے اخبار کا کاتب لگ رہا تھا۔

"بھائی ----" عینی بھاگتی ہوئی اس کے پاس پہنچی "ہم نے ایک جھیل دیکھی اور اس کا نام تارڑ جھیل ہے۔"

"یہ ایک بیوقوف بچی ہے ----" سلجوق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟"

"سو فیصد فٹ ---- میں تو آپ کے پیچھے پیچھے آنے لگا تھا جھیل کی طرف ----"

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اس نے کہا اور پھر اپنے جاپانی دوست کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسے اپنی کوہ پیمائی اور صحرانوردی کے قصے جانے کونسی زبان میں سنا رہا تھا۔

--- میرا سفرنامہ پڑھ کر آپ اس جھیل کی جانب سفر نہ کیجئے گا --- شاید وہ اب وہاں نہ ہو۔

بتورا گلیشیر کی سیاہ برفیں

پاکستان کے شمال میں قطبین کے بعد دنیا کے طویل ترین گلیشیر یا برفانی تودے پائے جاتے ہیں --- ان کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان میں سے ایک بتورا بھی ہے --- اور بتورا ---

پسو گاؤں سے درہ خنجراب کی جانب سفر کیجئے تو ایک چھوٹے سے میدانی علاقے کے بعد پھر پہاڑ شروع ہو جاتے ہیں اور یہیں پر شاہراہ قراقرم پر واقع بتورا برج ہے --- کچھ عرصہ پہلے تک غیر ملکی سیاحوں کو اس پل سے آگے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ پل یوں بھی معروف ہے کہ اکثر ٹوٹا رہتا ہے اور اس کی ٹوٹ پھوٹ کی بنیادی وجہ بتورا گلیشیر ہے --- گلیشیر میں سے نکلنے والا تیز و تند نالہ اپنے اندر ہزاروں بھاری پتھر اور برف کے ٹکڑے چھپائے گرجتا ہوا نیچے اترتا ہے اور خنجراب نالے میں شامل ہونے سے پیشتر اس پل کی بنیادوں کو جھنجھوڑ کر جاتا ہے --- چنانچہ اب فوج نے یہاں لکڑی کا ایک عارضی پل تعمیر کر رکھا ہے --- اس بتورا برج سے ذرا ادھر ایک چھوٹی سی نہر ہے جو آب پاشی کی غرض سے بتورا کے نالے میں سے نکالی گئی ہے، ہم اس نہر کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے --- کیونکہ ہم اس عظیم گلیشیر کا دیدار کرنا چاہتے تھے --- اس یک روزہ ٹریک کے لیے غلام احمد ہمارا گائیڈ تھا --- صابر قاضی کو بتورا کا لفظ اچھا نہیں لگا تھا اور وہ ذرا آرام کرنے کے لیے پسو میں ہی ٹھہر گیا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

تھا البتہ اس کی نمائندگی کے لیے چھوٹی عنزہ ہمارے ہمراہ تھی جسے ہم ہنزہ عنزہ کہتے تھے ---

آس پاس بھربھری چٹانیں تھیں --- بھربھری اور نیم سیاہ --- قراقرم کے لفظ کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ اس کا ماخذ ترکی زبان ہے اور معانی "سیاہ بھربھری چٹانوں" کے ہیں --- اور یہ قرین از قیاس ہے کہ ثقافتی حوالے سے یہ علاقہ ترکستان کے قریب ہے --- اس کے علاوہ یہ بھی روایت ہے کہ جب چینی سیاح فاہیان منتاکا پاس کے راستے داخل ہوا تو اس نے ان پہاڑوں کو قراقرم سیاہ پہاڑ کہا تھا ---

نہر کے کنارے چلتے ہوئے بچے (جو اتنے بچے تو نہیں ہیں لیکن میں ان کو بچے کہہ سکتا ہوں) کبھی کبھار جھکتے اور پانی میں ہاتھ ڈال کر اس کی یخ بستگی کا اندازہ کرتے --- ظاہر ہے بتورا گلیشیر کا پانی اپنے آپ کو چھونے کی اجازت نہیں دیتا۔

وہ مقام آیا جہاں سے یہ مختصر نہر بتورا کے نالے سے الگ کی گئی تھی۔

اب راستہ مشکل ہونے لگا' چڑھائی اتنی زیادہ نہ تھی لیکن پتھر اتنے بڑے بڑے تھے کہ ہم ان پر آہستہ آہستہ چھپکلیوں کی طرح رینگ کر چڑھتے اور پھر لوھکتے ہوئے دوسری جانب اتر جاتے --- اور یہ بے حد تھکا دینے والا اور گھٹنوں کو بھڑا دینے والا عمل تھا --- اور ہاں ہمارے ساتھ بتورا نالہ بہہ رہا تھا --- اب مسئلہ یہ ہے کہ اگرچہ بہہ رہا تھا لیکن یہ بہہ نہیں رہا تھا --- کچھ اور کر رہا تھا --- یہ جوں جوں قریب آتا تھا ڈر آتا تھا --- اس کے اندر ایک گونج تھی جو ہزاروں پتھروں اور برف کے ٹکڑوں کے آپس میں بجنے اور پہاڑ سے اترنے اور ایک دوسرے سے ٹکرانے کی گونج تھی اور اس میں دہشت تھی کہ انسان کے قدم روک دیتی تھی کہ آگے نہ جاؤ --- آگے پتہ نہیں کیا ہے --- اور اس ٹکراؤ سے جو آواز آتی تھی وہ بے وقت

ڈائنامیٹ پھٹنے کی ذرا پوشیدہ گونج کی طرح تھی --- اور ہم پتھروں پر چڑھتے اور اترتے اس نالے کے قریب ہوتے گئے اور جب بالکل ساتھ ہوئے تو کنارے کنارے چلنے لگے لیکن اب ہم بات نہیں کر سکتے تھے۔ بات کرنے کا یا چنگھاڑنے کا اختیار بتورا نالے کے پاس تھا اور ہم کنارے کے ساتھ باقاعدہ چل تو نہیں رہے تھے بلکہ اونچے نیچے پتھروں اور سنگریزوں اور ریت کے قطعوں میں لرزتی ٹانگوں اور تھکے جسموں سے چلتے تھے اور حیرت انگیز طور پر بے حد پیاسے تھے ---

ایک پتھر کے سائے میں دم لینے کے لیے رکے تو ہم سب نے ہانپتے ہوئے غلام احمد سے دریافت کیا کہ بھئی آپ کا بتورا کہاں ہے --- کب نظر آئے گا؟"

"وہ کب کا نظر آ رہا ہے" اس نے سامنے اشارہ کیا "دیکھیں۔"

ہم نے دیکھا لیکن وہاں تو کچھ نہ تھا سوائے ایک سیاہ اور ہیبت ناک شکل کے پہاڑ کے --- ہم نے پھر غور سے دیکھا کہ شاید برف کی سفیدی کہیں جھلک رہی ہو --- لیکن وہاں ماسوائے سیاہی کے اور کچھ نہ تھا۔

"آپ کو نظر آ رہا ہو گا کیونکہ آپ کے تعلقات ہوں گے بتورا سے --- ہمیں تو دکھائی نہیں دے رہا ---"

وہ سامنے تو ہے --- وہ پھر بولا۔

"بھائی جی اے یعنی غلام احمد ---" سلجوق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "وہ سامنے تو صرف ایک سیاہ رنگ کی چٹان ہے بہت بڑی۔"

"وہی تو بتورا گلیشیر ہے ---" وہ کہنے لگا۔

"گلیشیر اور سیاہ رنگ کا؟"

"جی ہاں --- یہ گلیشیر کا سامنے کا حصہ ہے جسے ہم منہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اس پر ریت اور چھوٹے چھوٹے پتھر جمع ہوتے رہتے ہیں اور اسے سیاہ کر دیتے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہیں۔"

عینی نے ایسے سر ہلایا جیسے اس نکتہ کو صرف وہ سمجھ سکتی ہو "اچھا تو یہ سامنے جو بہت بڑی کالی چٹانیں ہیں یہ سب برف ہے۔"

"جی" غلام احمد نے سر ہلایا "لیکن یہ ابھی بہت دور ہے --- ہمیں چلنا چاہیے"

ہم پھر چلنے لگے --- بتورا نالے کے چھینٹے پھوار کی طرح ہمارے چہرے کو بھگوتے تھے --- پانی کی گرج اور گڑگڑاہٹ میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا کیونکہ ہم اس کے قریب آرہے تھے۔

"انکل کیا ہمیں تھوڑی سی برف مل جائے گی؟" عنزہ نے مجھ سے دریافت کیا "میں اس کے ساتھ تصویر اتروائوں گی ---"

"بیٹے اگر ہم اس بتورا کے قریب پہنچ گئے تو تھوڑی سی برف کی بجائے آپ بے شک پورے گلیشیر کے ساتھ تصویر اتروا لینا ---"

اب ہمیں ذرا احتیاط سے چلنا پڑ رہا تھا کیونکہ بتورا نالہ اتنا قریب تھا کہ ہم یہاں سیر سپاٹا نہیں کرسکتے تھے۔ اس کی تیزی کا بیان ناممکن ہے لیکن جس بہاؤ میں پہاڑ بہہ نکلیں وہاں اگر انسان گر جائے تو زیادہ سے زیادہ چند سیکنڈ --- اور پھر --- نہ نام نہ نشان ---

یکدم راستہ ختم ہوگیا --- ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بمشکل چڑھے تو بتورا ایک ہیبت ناک دیو کی طرح نظر آنے لگا۔ سیاہ برف کے اس عظیم پہاڑ میں کہیں کہیں چٹانیں بھی اٹکی ہوئی تھیں --- ہمارے سامنے ایک چٹان دھوپ کی گرمی سے نرم پڑتی سیاہ برف سے الگ ہوئی اور نالے میں گر کر پانی ہوگئی۔ جہاں سے نالہ نکل رہا تھا گلیشیر کا وہ حصہ کم نظر آرہا تھا لیکن ہم بچوں کے ہمراہ مزید قریب ہونے کا خطرہ مول

نہیں لے سکتے تھے --- لیکن میلوں طویل اس برفانی تودے میں سے جنم لینے والا نالہ جب برف کی تاریکی میں سفر کرتا پہلی بار سورج کی روشنی میں آتا تھا تو اس کا غضب یا شاید اس کی مسرت دیکھنے کے قابل تھی۔ یہاں پانی بھی برف کی طرح مجسم لگتا تھا اور اس کا شور اتنا تھا کہ ہم اشاروں سے باتیں کر رہے تھے اور بچے اپنی خوشی سے چیخ چیخ کر نڈھال ہو رہے تھے۔ وہ پانی کو ہاتھ لگانا چاہتے تھے لیکن اس کی انہیں اجازت نہ تھی --- بتورا کے پانی کھیلنے کے لیے ہرگز نہیں تھے۔

عینی چیخی اور مجھ تک ایک مدہم سی آواز آئی "ابو برف"

میں اس کے قریب ہوا "ہاں بیٹا سامنے بتورا ہے تو برف تو ہوگی۔"

"نہیں ابو ادھر دیکھیں نالے میں برف --- اور اس کے ڈھیر ---"

اور تب ہم نے غور کیا کہ بتورا گلیشیر کے ٹکڑے نالے میں بہتے جاتے تھے اور کنارے کے ساتھ ایک چھوٹی سی چٹان کی اوٹ میں ایک ایسا مقام تھا جہاں نالے کی تیز لہر آتی اور برف کے بے شمار چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چھوڑ کر واپس چلی جاتی ---

"ابو یہاں سے تو برف لے لیں؟"

"پلیز انکل ---" عنزہ بھی دوہائی دے رہی تھی۔

"میں لاتا ہوں" غلام احمد آگے ہوا اور چٹان کا سہارا لے کر پانی پر جھکا اور برف کا ایک ٹکڑا نکال لایا --- لیکن بچے یہ ایڈونچر خود کرنا چاہتے تھے چنانچہ میں ان کے ہاتھ پکڑ . اور وہ جھک کر برف نکال لیتے --- یہ قدرتی آئس بوکس بہت پسند کیا گیا ---

بچے برف کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ میمونہ ایک پتھر پر چھتری لگائے گلیشیر کو دیکھ رہی تھی --- لیکن میرے دل میں خوف تھا --- نالے کا بے پناہ شور اور گڑگڑاہٹ --- بتورا کی سیاہی اور پھر اس کے وسیع وجود میں پڑی ہوئی دراڑیں جو

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کسی مردہ چہرے پر ابھری سلوٹوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں بلکہ بتورا مجھے ایسا ہی لگا جیسے ایک بہت بڑا مردہ چہرہ ہو جو سکڑ کر سیاہ ہو گیا ہو اس میں غضب نکل رہا ہو۔۔۔

سورج ذرا نیچے ہوا تو جیسے ہم اس گونج اور شور کی لپیٹ میں آگئے اور یکدم ہمیں احساس ہوا کہ جیسے ہم بتورا کی گرفت میں ہیں اور ہمیں جلد از جلد اس برفانی عفریت سے الگ ہو کر واپس جانا چاہیے۔ بچے آئس بوکس میں سے آئس نکال نکال کر کھا رہے تھے اور مگن تھے۔

"فاطمہ ہل کی جانب راستہ یہیں سے جاتا ہے" غلام احمد کہنے لگا "اس وقت میری والدہ بہنیں مویشیوں کو چراگاہ سے واپس لا رہی ہوں گی۔"

شام کے آنے کے ساتھ خنکی نہ صرف آئی بلکہ گلیشیر کی قربت کی وجہ سے بے حد برفیلی آئی --- اور ہم آہستہ آہستہ بتورا نالے کے شور سے پرے ہونے لگے --- اور پرے ہونے سے ہمارے اندر کا خوف کم ہوا--- جب ہم شاہراہ قراقرام پر واپس پہنچے تو لگا کہ گھر پہنچ گئے ہیں اور اپنی نیلی کار میں سوار ہوئے تو محسوس ہوا کہ اپنے کمرے میں داخل ہو گئے ہیں۔

"بتورا بہت خوبصورت گلیشیر ہے جناب ---" غلام احمد کہنے لگا "لیکن اسے ٹھیک طرح سے دیکھنے کے لیے چراگاہوں میں جانا پڑتا ہے --- کبھی آپ وقت نکال کر آئیں میڈم کے ساتھ تو آپ کو اوپر لے چلیں گے اپنے خاندان کے پاس، وہاں ایک دو ماہ گزاریں اور واپس آجائیں ---" ہم نے واپسی پر پسو کے باہر کار روک لی --- ایک وسیع میدان کے ساتھ دریا بہہ رہا تھا اور غلام احمد کا کہنا تھا کہ پسو کا نیا گاؤں اس میدان میں دریا کے کنارے آباد کیا جائے گا --- دریا کے دوسری جانب شمشال نالے کا درہ تھا اور نالہ بھی اسی دریا میں آکر ملتا تھا اور پھر پرسکون ہوتا تھا ---

سورج غروب ہونے کو تھا اور ہم بھی پرسکون ہو کر پسو کو لوٹتے تھے۔

مارخون کی رات میں --- ہیلو!

"خنجراب پاس؟" ماسٹر حقیقت کی سُنہری مُسکراہٹ ماند پڑ گئی۔ "مشکل ہو گا --- خنجراب نالے کا پانی ابھی تک شاہراہ قراقرم پر ہے۔ آپ وہاں سے کیسے گذریں گے؟"

"ہم لاہور سے نکلے تھے تو خنجراب کے لیے نکلے تھے۔ اب اگر ہم وہاں پہنچ نہیں سکتے تو اس کی جانب سفر تو کر سکتے ہیں اور جہاں بھی شاہراہ بند ہوئی ظاہر ہے وہیں سے ہم واپسی کا نقارہ بجا دیں گے --- لیکن ہم اس کی جانب سفر ضرور کریں گے۔"

میں سلجوق کی مدد سے کار کی چھت پر سامان باندھ رہا تھا اور ماسٹر حقیقت ہمیں دو چار روز مزید پسو میں قیام کا مشورہ دے رہے تھے --- لیکن یہ میرے لیے ممکن نہ تھا --- مجھے اگلے ہفتے صبح کی نشریات کی میزبانی کے لیے اسلام آباد واپس پہنچنا تھا اور ہر صورت پہنچنا تھا۔

"واپسی پر ملاقات ہو گی ---" میں نے ماسٹر حقیقت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا بلکہ ہماری کوشش ہو گی کہ ہم آج پسو واپس آجائیں۔"

"یہی بہتر ہو گا ---" ماسٹر حقیقت نے اپنی سنہری مسکراہٹ کا آزادانہ استعمال کیا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

میں ڈرائیور کی نشست پر بیٹھنے کو تھا کہ سلجوق نے کھانس کر کہا "ابّو میں چلاؤں؟"

"ہم دنیا کی بلند ترین شاہراہ پر سفر کرنے کو ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوتا ---" وہ عینک درست کرتا ہوا کار میں بیٹھ گیا۔

ایک مرتبہ پھر ہم پتو گلیشیر سے آنے والی ندی کے پل پر سے گزرے --- پھر پسو کا گاؤں چند دکانیں' پھر بتورا ان --- اور ان کے بعد ایک مختصر میدان جہاں سے پسو اور اس کے گرد نواح کے پہاڑ نہایت شاندار دکھائی دیتے ہیں۔ اور پھر تھوڑی سی چڑھائی کے بعد ہم بتورا برج عبور کر رہے تھے ------ پسو تک شاہراہ قراقرم پر کسی حد تک رونق رہتی ہے لیکن اس کے آگے صرف وہی ٹریفک چلتی ہے جو عام طور پر چین کو جاری ہوتی ہے اور چونکہ آبادی بھی کم ہے اس لیے شاہراہ کا یہ حصہ بالکل ویران ہے۔ سلجوق بڑی مہارت سے کار چلا رہا تھا۔ میں باہر کے منظروں میں تھا کیونکہ وہ پہلی بار میری نظروں کے سامنے آ رہے تھے۔ ہریالی کم تھی اور پتھر بہت تھے --- مارخون کا قصبہ آیا تو کچھ اطمینان ہوا --- مارخون سے سوست زیادہ دور نہ تھا۔ دائیں ہاتھ پر ایک نو تعمیر کردہ ہوٹل نظر آتا تھا۔ سیاحوں کی آمدورفت کی وجہ سے حکومت ان علاقوں کے مکینوں کو بڑی فراخدلی سے تعمیری قرضے فراہم کر رہی ہے تاکہ وہ ہوٹل اور ریستوران وغیرہ بنائیں۔

سوست ایک خاص آب و ہوا اور ماحول کا سرحدی قصبہ تھا۔ عین درمیان میں کسٹم کا بیریئر تھا اور دونوں جانب ہوٹل' کسٹم کے دفاتر' پولیس اور امیگریشن کی چوکیاں --- ہم نے بے حد پرمسرت ہو کر ان لوگوں کو دیکھا جو امیگریشن کے لیے ایک قطار بنائے کھڑے تھے --- کیونکہ اگر وہ چین جا رہے تھے تو خنجراب جایا جا سکتا تھا --- میں معلومات کی غرض سے امیگریشن کے دفتر کی جانب گیا اور وہاں مجھے یوں

محسوس ہوا جیسے بے شمار اور کم عقل بھیڑیں کھڑی ہیں انسان نہیں ہیں۔ یہ لوگ چین کے مسافر تھے اور سبحان اللہ کیا مسافر تھے --- ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوئے تھوکتے ہوئے اور آوازے کستے ہوئے' ان میں کچھ سیاح بھی تھے جو بے حد شرمندہ سے کھڑے تھے۔ یہ پاکستانی بھائی جو چین جا رہے تھے صرف پاکستان کی نیک نامی کی تجارت کرنے جا رہے تھے --- بہرحال امیگریشن کے ایک صاحب غیاث نام کے اپنا کاؤنٹر چھوڑ کر باہر آ گئے۔ سلام دعا کے بعد پوچھنے لگے کہ جی ہمارے لائق کوئی خدمت؟ میں نے عرض کیا کہ خنجراب جانا چاہتے ہیں۔

"آپ آج نہیں جا سکتے۔" وہ کہنے لگے۔

"کب جا سکتے ہیں"

"پہلے آپ میرے ساتھ چائے پیجئے پھر بتاؤں گا۔" چنانچہ غیاث صاحب ہمیں ایک ہوٹل میں چائے کے لیے لے گئے۔

"یہ کیسے مسافر ہیں جو چین جا رہے ہیں --- کیا نیک نامی ہو گی ہماری۔"

"غیاث صاحب بھی ذرا افسوس میں ہو کر بولے "جناب ہم کیا کریں --- پاسپورٹ حکومت دے دیتی ہے ویزا چین والے دے دیتے ہیں تو ہم انہیں کیسے روک سکتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر سمگلر ہیں اور چین جا کر بہت دنگا کرتے ہیں۔"

ایک پاکستانی دوست اسی راستے کاشغر گئے اور وہاں اکثر چینیوں نے انہیں "گھسرے" کہہ کر پکارا۔ یہ دوست بے حد رنجیدہ ہوئے کہ یہ چینی بھائیوں کو کیا ہوا ہے۔ چینی بھائیوں کو یہ ہوا تھا کہ پچھلے برس چند پاکستانی حضرات اپنے ہمراہ ناچنے والے گھسرے یعنی ہیجڑے لے گئے اور انہیں کاشغر کے بازاروں میں نچا نچا کر چینیوں سے رقم وصول کرتے رہے۔ اس روز بھی چین جانے والوں میں سے چند "حضرات" کچھ زیادہ مرد نہیں لگ رہے تھے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ایک قریبی میز پر ایک صاحب چترالی ٹوپی اوڑھے کندھے جھکائے بیٹھے تھے۔ غیاث صاحب نے تعارف کروایا تو معلوم ہوا کہ وہ خنجراب نیشنل پارک کے وارڈن ہیں۔

"آپ جنگلی جانور دیکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں" انہوں نے ذرا بیزاری سے پوچھا۔

"اگر نظر آجائیں دیکھ لیتا ہوں لیکن ایک مارخور کے لیے دس دن کا سفر کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"مارخور تو آپ کو درہ خنجراب کے راستے میں نالے کے قریب نظر آجائیں گے --- اگر آپ صبح سویرے وہاں پہنچ جائیں ۔ سورج نکلنے کے بعد وہ نہیں ہوں گے۔"

"اور ہم بھی وہاں نہیں ہوں گے کیونکہ ہم دیر سے اٹھتے ہیں۔"

وارڈن صاحب نے ہمیں مختلف جانوروں اور ان علاقوں کی تفصیل بتائی جہاں وہ پائے جاتے ہیں --- میں داستانوی برفانی چیتے میں دلچسپی رکھتا تھا لیکن --- وہ تو کہیں اوپر تھا برفوں میں --- اور شاہراہ قراقرم تک کہاں آتا تھا۔

غیاث صاحب نے ہماری راہنمائی کے لیے چند بس ڈرائیور طلب کر لئے --- اور ان سے سڑک کی تازہ ترین صورت حال کے بارے میں پوچھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جس مقام پر خنجراب نالے کا پانی شاہراہ پر آیا تھا وہاں سے آپ صبح سویرے گزر سکتے ہیں لیکن ذرا مشکل کے ساتھ کیونکہ ابھی تک وہاں کیچڑ ہے --- البتہ دوپہر کے بعد وہاں پانی چڑھنے لگتا ہے اور پھر راستہ بند ہو جاتا ہے ---"

"ڈرائیور حضرات کا خیال تھا کہ فی الحال وہاں سے ٹرک اور بسیں تو گذر جائیں گی لیکن سوزوکی ذرا مشکل ہے۔"

"آپ یوں کریں جی ---" غیاث صاحب نے میری مایوسی بھانپ کر میرے کندھے کو تھپکا۔ اس وقت ظاہر ہے آپ جا نہیں سکتے وہاں پانی ہو گا۔ آپ اسی علاقے میں رات گزاریں اور صبح سویرے خنجراب کے لیے روانہ ہو جائیں اور --- ہر صورت دوپہر سے پہلے اس مقام سے گزر کر واپس آجائیں جہاں پانی آتا ہے ---"

"بس جی ہم یوں ہی کریں گے" میں جیسے پھر سے جینے لگا --- خنجراب کے آس پاس پہنچ کر وہاں سے واپس چلے جانے کا خیال مجھے خوفزدہ کرتا تھا اور اب --- ایک صورت نکل رہی تھی ۔ "البتہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم ذرا سوست سے آگے تک ہو آئیں --- ایسے ہی۔"

"انہوں نے بیریئر اٹھوا دیا اور ہم سوست سے آگے روانہ ہو گئے ---

سوست کے بعد خدا آباد کا نو تعمیر قصبہ شروع ہو جاتا ہے جو بالآخر سوست کی جگہ سرحدی چوکی بنے گا ------ ویرانی پھر قریب آگئی اور ہم سوچ رہے تھے کہ واپس چلیں --- اور پھر پہاڑوں کے درمیان میں ایک پٹرول پمپ کے آثار نظر آئے --- یہ پاکستان کا آخری پٹرول پمپ تھا اور علی آباد کے بعد ادھر واحد جگہ تھی جہاں سے آپ کو پٹرول مل سکتا تھا --- ہم نے سوچا کہ اگلی صبح خنجراب جاتے ہوئے ٹینکی فل کرائیں لیکن اس جگہ پر ایک اور مسئلہ ہو گیا --- میری کار کا ٹائر بیٹھ گیا۔ اسے تبدیل تو کر لیا لیکن اب یہ دھڑکا تھا کہ اسے جلد از جلد پنکچر لگوا لیا جائے۔ اگر پھر پنکچر ہو گیا تو پھر کیا کریں گے ---

"فکر کی کونسی بات ہے سوست میں واپسی پر پنکچر لگوا لینا" صابر قاضی نے ہاتھ لہرا کر کہا۔

"ہاں فکر کی کونسی بات ہے۔" میں نے کہا اور کار سٹارٹ کر دی۔

سوست پہنچ کر معلوم ہوا جی نہیں سوست ایسے قصبے میں جہاں بے شمار ٹریفک

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

گزرتی ہے رکتی ہے --- وہاں پنکچر لگانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ کو واپس علی آباد ہنزہ جانا ہوگا --- یا پھر مارخون میں بھی ایک شخص کے بارے سنا گیا ہے کہ وہ بھی پنکچر لگایا کرتا ہے۔ جب ہم مارخون کے قریب پہنچ رہے تھے تو فیصلہ یہ ہوا کہ پسو جا کر رات گزارنے کی بجائے کیوں نہ انہی علاقوں میں ٹھہرا جائے تاکہ اگلی صبح ہم جلد از جلد خنجراب کے لیے روانہ ہو جائیں --- یہاں سے گزرتے ہوئے ہم نے ایک نئے ہوٹل کی عمارت کو سراہا تھا "گرین لینڈ ہوٹل" --- چنانچہ رک گئے - ہوٹل والے ہمیں دیکھ کر اس طرح خوش ہوئے جیسے ہم ان کی جان بچانے کو آئے ہوں ہوٹل کا مالک --- نہایت سادہ مہربان سا شخص تھا۔ اس نے حکومت سے قرضہ حاصل کر کے یہ ہوٹل بنایا تھا اور اس پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر دیا تھا۔ سامان اور کمرے وغیرہ بہت عمدہ تھے۔ نئی رضائیاں اور بیڈ شیٹ اور صاف ستھرے غسل خانے۔ ان کے علاوہ ڈائننگ روم اور وہاں پر وی سی آر اور فلمیں --- ہم نے مالک سے درخواست کی کہ باباجی باقی سب کچھ منظور ہے لیکن وی سی آر ذرا دور رکھنا ہم اس سے دور رہنے کے لیے یہاں آئے تھے اور یہ یہاں بھی موجود ہے۔ مالک ذرا حیران ہوا کہ کیسی نعمت کو جھٹلا رہے ہیں۔

ایک شخص پنکچر لگانے والے کے گھر روانہ کر دیا گیا اور ہوٹل کا مالک شام کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر اپنے آپ کو تازہ دم کیا اور باہر آ گیا۔ اتنی دیر میں رات ہو چکی تھی۔ قراقرم کے اس ناآشنا گاؤں مارخون کے باہر ایک ہوٹل کے برآمدے میں جب بیٹھا تو سامنے تاریکی میں پتہ نہیں کیا کیا تھا اور خنجراب نالے کا ہلکا سا شور کیونکہ وہ خاصا دور تھا۔ سڑک سے پرے کھیتوں کے قریب۔

"ہاں جی کیا ہو رہا ہے؟" قاضی صاحب اپنے کمرے سے برآمد ہوئے اور ذرا

موڈ میں تھے۔

"یار بڑا مزیدار ہوٹل ہے۔ اس ویرانے میں گھر سا آرام --- یہیں رہ جاتے ہیں دو چار دن' بعد میں ہنزہ کیا جانا ہے۔" واقعی وہ ہوٹل ایک گھر کی طرح تھا --- ہم دونوں برآمدے کی خنکی سے بچنے کے لیے کار میں جا بیٹھے ---

"ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟" قاضی نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"ہائیں --- تمہیں کیا ہوا ہے؟" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"بس عجیب تنہائی ہے اس علاقے میں۔ یہاں اسی قسم کے سوال پوچھنے کو جی چاہتا ہے۔ ویسے ہم کیوں ہیں؟"

"کون کیوں ہیں؟"

"ہم اور کون ---"

میں سمجھ گیا کہ قاضی اب اپنی دانشوری کے موڈ میں ہے اس لیے میں نے کار کا ڈیک آن کر دیا اور وہاں چین کی سرحد کے قریب دنیا کی چھت کے آس پاس مغربی موسیقی سننا بھی ایک پر لطف تجربہ تھا۔

قاضی صاحب کی بیٹی عنزہ باہر آئی۔ اندھیرے میں پارک کی ہوئی کار اسے نظر نہ آئی اور وہ پھر اندر جانے لگی۔

"کیا بات ہے بیٹے؟" قاضی نے پکارا۔

اس نے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی کہ ابو کی آواز کدھر سے آئی ہے اور پھر "امی بلا رہی ہیں۔" کہہ کر اندر چلی گئی۔ صابر اٹھا اور گنگناتا ہوا کار سے باہر نکل گیا۔

کہیں پہاڑوں میں کسی کار یا جیپ کی ہیڈ لائٹس چمکیں اور پھر بجھ گئیں۔

میں اس اندھیرے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اور ایک گیت ڈیک کی روشنی میں سے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

میری طرف آتا تھا۔

"ہیلو--- کیا تم مجھے تلاش کر رہی ہو؟"

پتہ نہیں تم اس وقت کہاں ہو؟"

اور پتہ نہیں تم اس وقت کیا کر رہی ہو؟"

شاید تمہیں کوئی پیار کر رہا ہے---

اور شاید تم میری طرح اداس بیٹھی ہو---

ہیلو--- کیا تم مجھے تلاش کر رہی ہو؟"

میں--- دھوپ کو تمہارے بالوں میں چمکتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔

پتہ نہیں تم اس وقت کہاں ہو؟"

درّہ خنجراب، سولہ ہزار دو فٹ بلند

مارخون میں ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ ہم خنجراب جانے کے لیے نکل آئے۔ ہمیں بارہ بجے سے پیشتر شاہراہ کا وہ حصّہ عبور کرکے واپس آنا تھا جس پر دوپہر کے بعد جھیل بنتی تھی۔ بچوں نے سویٹر پہن کر رکھے تھے کہ صبح کی آمد سے پیشتر خنکی آچکی تھی۔ میرا ایک ٹائر پنکچر شدہ حالت میں اب بھی کار میں پڑا تھا کیونکہ پچھلی شب یہ اطلاع ملی تھی کہ چین کی سرحد سے اس طرف اور ادھر علی آباد تک کے درمیان میں واحد پنکچر لگانے والا گلگت جا چکا تھا۔ اب مجھے خنجراب کے سفر کے لیے یہ خطرہ مول لینا تھا کہ اپنے آپ کو متبادل ٹائر کی غیر موجودگی میں وہاں تک لے جاؤں--- ہاں صابر قاضی کی کار تقویت دیتی تھی کیونکہ وہ میرے آگے پیچھے رہتی تھی اور ایمرجنسی کے موقع پر مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔

ہم سوست پہنچے تو یہ سرحدی آبادی ابھی بیدار ہو رہی تھی اور یہیں پر "جرمن" کے ساتھ میری پہلی ملاقات ہوئی---

"جرمن" ہنزہ کے طول و عرض میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ اس کے بارے میں بہت ساری کہانیاں مشہور ہیں اور ان کہانیوں میں سچائی کا عنصر کہاں تک موجود ہے یہ میں نہیں جانتا لیکن وہ یقیناً ایک ایسا شخص ہے جس کی موجودگی میں آپ مختلف محسوس کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک عرصہ تک یورپ میں مقیم رہا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اور وہاں ایک خونی جھگڑے کے نتیجے میں مخالفین نے اس کا بازو توڑ دیا --- اور اب وہ اس بازو کو سنبھالے ہنزہ میں گھومتا ہے۔ اس کے مختلف کاروبار ہیں --- سوست میں اس کا ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے اور وہ اسی ہوٹل کے باہر اس سویر کھڑا گلگت جانے کے لیے کسی ویگن کا انتظار کر رہا تھا --- میں نے اس اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ وہ جس ہوٹل کے سامنے کھڑا تھا اس کا نام "جرمن ہوٹل" تھا اور اس کی شکل بھی قدرے جرمن سی لگ رہی تھی ---

"جی ہاں مجھے ہی جرمن کہتے ہیں" میرے استفسار پر اس نے بتایا "ویسے میرا نام تو ابراہیم ہے اور جب مجھ سے لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا تم "ہنزہ داستان" والے آئی بی یا ابراہیم ہو تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

"اگر آپ وہ والے ابراہیم نہیں ہیں تو پھر آپ کو برا کیوں لگتا ہے؟"

"بس یہی برا لگتا ہے کہ جب میں میں وہ نہیں ہوں تو لوگ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں نہ آپ وہ کتاب لکھتے اور نہ مجھے مصیبت پڑتی ---"

میں نے اسے بتایا کہ خنجراب جانا ہے اور ٹائر پنکچر ہے تو کیا بندوبست ہو سکتا ہے۔ اس نے اونگھتے ہوئے دو صاحبوں کو کچی نیند سے جگایا اور وہ میرے پنکچر شدہ ٹائر میں سائیکل کے پمپ کے ساتھ ہوا بھرنے لگے لیکن یہ تجربہ ناکام ہو گیا۔ میں نے جرمن امداد کا شکریہ ادا کیا اور کار میں بیٹھ گیا ---

سوست کا کسٹم بیریئر عبور کر کے ہم خدا آباد کی طرف روانہ ہو گئے --- قاضی کی کار میں پٹرول کم تھا لیکن وہ آخری پٹرول پمپ پر نہ رکا اور کشتی خدا پر چھوڑ دوں اور خنجراب ہم آ رہے ہیں فراٹے بھرتا ہوا چلا گیا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا لیکن پہاڑوں کے پیچھے تھا اور شاہراہ ابھی سائے میں تھی ہاں کہیں کہیں جہاں پہاڑوں کی بلندی کم ہوتی وہاں دھوپ درمیان میں سے گزر کر سڑک پر آ جاتی --- ٹریفک ابھی

شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے ہر سو مکمل ویرانی تھی اور کاروں کے انجن کی آواز پہاڑوں میں گونجتی تھی۔

آخری پٹرول پمپ کے بعد پہاڑ قریب آ گئے اور ہم جیسے کسی درے میں سے گزرنے لگے۔ خنکی اور تنہائی اس صبح کے سفر خنجراب کی اب تک میرے وجود میں ٹھہری ہوئی ہے --- سامنے شاہراہ پر پتھروں کا ایک ڈھیر پڑا تھا --- ہم آگے نہیں جا سکتے تھے۔

"اب کیا کریں؟" میں نے صابر سے پوچھا۔

"کیا کرنا ہے واپس چلیں؟" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"نہیں یار ---"

"تو پھر یہ سڑک خود ہی صاف کر لیتے ہیں --- آؤ بچو ---" اس نے پانچ بچوں کو جمع کیا اور ایک دو تین کے نعرے کے بعد وہ سب پتھروں کو اٹھا اٹھا کر ایک طرف پھینکنے لگے --- اور واقعی یہ بات حیرت انگیز تھی کہ پانچ منٹ کے اندر اندر بچوں نے وہ لینڈ سلائیڈ صاف کر دی اور ہم پھر روانہ ہو گئے ---

میرا خیال ہے کہ سوست سے خنجراب تک کا حصہ شاہراہِ قراقرم کا خوبصورت ترین حصہ ہے۔ اس میں مکمل ویرانی ہے اور اس کی لمحہ بہ لمحہ بلندی میں ایک بدن میں سنسنی دوڑانے والی کیفیت ہے --- دور قراقرم کی ایک بلند چٹان میں سے دو تین آبشاریں ہزاروں فٹ نیچے بہتے خنجراب نالے میں گر رہی تھیں۔ یہیں پر ایک ویران اور چھوٹی سی سڑک سفر کی حسین وادی کو جا رہی تھی --- ایک دو چیک پوسٹس سے بھی گزر ہوا۔ فوج کے سپاہی ان غیر آباد اور نامہربان علاقوں میں کیسے زندگی بسر کرتے تھے' وہ ہمیں ہاتھ ملاتے تو جیسے ان سرسبز میدانوں اور رواں دواں نہروں اور کنووں کو ہاتھ ہلاتے جو وطن میں تھے اور جنہیں چھوڑ کر وہ پاکستان کے اس حصے میں زندگی

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

بسر کرتے تھے --- ہم نے رک کر سڑک کی حالت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی صلاح دی کہ آپ درے تک پہنچ کر جلدی سے واپس آجائیے گا۔ یہیں پر خنجراب نیشنل پارک کی چیک پوسٹ تھی --- جہاں مارخور کے سینگ پڑے تھے اور ایک بورڈ پر پارک کے بارے میں تفصیل درج تھی --- یہاں بھی نام پتہ درج کیا گیا۔

پارک سے کچھ دور وہ علاقہ شروع ہو گیا جس کے بارے میں ہمیں خبردار کیا گیا تھا۔ دراصل یہاں پر شاہراہ اور خنجراب نالہ بالکل ساتھ ساتھ تھے اور برف کے پگھلنے کے بعد جب پانی چڑھتا تھا تو وہ سڑک کو بھی ڈھانپ لیتا تھا اور یہ عمل بارہ بجے کے بعد شروع ہوتا تھا۔ --- سڑک ظاہر ہے خاصی ٹوٹ پھوٹ چکی تھی اور اس پر کیچڑ اور پتھروں کا ایک ملغوبہ سا جمع تھا۔ ٹریفک یکطرفہ تھی فوج کے جواب بلڈوزر چلا رہے تھے اور ایک چٹان پر چند کشتیاں بھی موجود تھیں تاکہ پچھلے پہر جب یہ علاقہ جھیل میں بدلتا ہے تو آرپار جانے میں سہولت ہو --- ہم یہاں سے گزر گئے آسانی سے تو نہیں البتہ خیریت سے گذر گئے --- اور اب ہمیں اطمینان ہوا کہ بالآخر ہم اپنے سفر کے اختتام پر پہنچ جائیں گے اور خنجراب کی چوٹی تک پہنچ جائیں گے ---

دھوپ اب واضح ہو گئی تھی اور آس پاس کے برفانی پہاڑ نیلے آسمان سے الگ ہو کر چمکتے تھے --- وہاں اس شاہراہِ قراقرم پر اس سویر اتنی ویرانی اور تنہائی میں سفر کرنا ہمیں زندگی سے بھر رہا تھا۔ پھر ایک قدرے ہموار علاقہ آیا --- سڑک کے ساتھ ساتھ خاصے فاصلے پر پہاڑوں کے پہلو میں نالہ خنجراب تھا اور اس کے کنارے خانہ بدوشوں کی ایک بستی تھی --- معلوم نہیں یہ لوگ اتنی بلندی پر کس طرح گزراہ کرتے تھے --- حسب معمول ہم آس پاس کے منظر میں سانس لینے کے لیے رکے تو احساس ہوا کہ خنجراب کی ہوا شروع ہے اور اس میں برفانی کاٹ ہے چنانچہ فوراً گرم

کپڑوں کا بیگ باہر نکالا گیا اور پہلی بار پورے بازو کے سویٹر اور جیکٹیں اور ٹوپیاں وغیرہ زیب تن کر لی گئیں --- یہاں سے یکدم بلندی شروع ہو جاتی ہے اور سٹیرنگ ہم وقت حرکت میں رکھنا پڑتا ہے --- چند گلیشیر تو دکھائی دیتے تھے لیکن وہ خنجراب نالے کے پار تھے۔ اب خنجراب نالے کے ادھر برف کے وہ حصے نظر آنے لگے جو ابھی پگھلے نہیں تھے --- اور تب ایک موڑ کو موڑتے ہوئے عینی نے یکدم چیختی ہوئی آواز میں کہا "ابو رک جائیے --- وہ"

"کیا وہ!" میں نے اسے ڈانٹا اور پھر ادھر دیکھا جدھر اشارہ کرتے ہوئے "وہ" کہہ رہی تھی اور وہاں ایک بلند چراگاہ کی گھاس پر ایک یاک کھڑا ہمیں دیکھ رہا تھا --- یہ ہم سب کا پہلا یاک تھا --- اور یہ وہی یاک تھا جو انگریزی حروف تہجی میں وائی کے لفظ کی عزت برقرار رکھے ہوئے ہے کیونکہ اگر یاک نہ ہوتا تو پھر وائی سے کونسا لفظ بنتا میں نے فوری طور پر کار روکی اور بچے کود کر باہر آ گئے' انہوں نے سڑک سے اوپر جانے کی کوشش کی تاکہ یاک کو قریب سے دیکھ لیں لیکن ہوا یہ کہ ایک تو وہ بری طرح پھسلے اور ادھر یاک صاحب انہیں دیکھ دوڑ لگا دی۔ یہ ایک سیاہ رنگ کا خوب پلا ہوا اور ایسا یاک تھا جس نے ایک عرصے سے حجامت نہیں بنوائی تھی اور نہ ہی ہو چکا تھا' تھوڑا سا بھاگنے کے بعد رکا اور ہمیں بھی اتنی ہی دلچسپی سے دیکھنے لگا جتنی دلچسپی سے ہم اسے دیکھ رہے تھے۔ --- یہاں بچوں نے محسوس کیا کہ بلندی ہے اور ذرا اس بھاگ دوڑ سے سانس پھولنے لگتا ہے۔ ہمیں علم تھا کہ درہ خنجراب کی سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر اکثر سیاحوں کو سر چکرانے لگتا ہے۔ ناک میں سے خون شروع ہو جاتا ہے اور بیہوشی کی نوبت بھی آجاتی ہے --- اس لیے ہم ہر ایمرجنسی کے لیے تیار تھے اور طرح طرح دوائیاں ساتھ لے کر آئے تھے۔ یاک کی چند تصویریں اتارنے کے بعد ہم پھر کار میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

عینی نے پھر شور مچا دیا۔

"اتّو ---- وہ"

"کیا پھر کوئی یاک ہے؟" میں نے اسے ڈانٹا۔

"نہیں یہ تو کوئی اور وہ ہے۔" وہ کہنے لگی۔

اور یہ واقعی کوئی اور وہ تھا ---- بلکہ ایک نہیں درجنوں وہ تھے۔

ایک گلہری نما خرگوش سے بڑی جسامت کا بڑا کیوٹ سا جانور جو سڑک سے تھوڑی دور ایک ٹیلے پر بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ بہت سارے اور بھی بیٹھے تھے۔ میں نے کار روکی تو وہ بھاگتے ہوئے ادھر ادھر غائب ہو گئے ---- بچے اس کرتب دکھانے والے سویٹ خرگوش گلہری اور کھلونا نما ریچھ قسم کے جانور کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ اب وہ صرف اسے دیکھنا چاہتے تھے اور اگر ممکن ہو سکے تو ایک عدد پکڑ کر واپس لاہور لے جانا چاہتے تھے میں نے انہیں بتایا کہ خنجراب نیشنل پارک کے جانوروں کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم ان کا شکار تو نہیں کھیل رہے بلکہ ان کو دوست بنا کر گھر لے جانا چاہتے ہیں ---- ذرا آگے گئے تو وہاں ان بھورے رنگ کے جانوروں کا ایک گروہ بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اچھلے اور اپنے رنگ کے پتھروں میں غائب ہو گئے وہ نہایت تیز رفتار تھے اور انہیں پکڑنا تقریباً ناممکن تھا ---- یہ مارموٹ تھے۔

ہم جب سے مارخون سے روانہ ہوئے تھے اس شاہراہ پر واحد مسافر تھے اور اب ایک پھٹ پھٹ کی آواز آئی اور کیا دیکھتے ہیں کہ نیچے نالہ خنجراب کے قریب ایک موٹر سائیکل سوار کوئی وردی زیب تن کئے چلا آرہا ہے ---- یہ کیا چیز ہو سکتی ہے، جب وہ چیز قریب آئی تو معلوم ہوا کہ ایک عدد جاپانی ہے جو شکل سے دوسری جنگ عظیم کا کوئی کامی کازی پائلٹ لگتا ہے اور سیاہ گول عینکیں چڑھائے پھٹ پھٹ

چین کی طرف جا رہا ہے پتہ نہیں کہاں سے آیا تھا اور کہاں جا رہا تھا ----

ایک موڑ پر کچھ پہاڑ سامنے آئے جو چھوٹے چھوٹے پھولوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک اور موڑ پر سڑک کے ساتھ ساتھ برف کی تہہ شروع ہو گئی۔

ایک چھوٹے سے پل کے پار کچھ ایسے بلند پہاڑ نظر آئے جن پر شاید چاندی برس رہی تھی کیونکہ ان پر سفیدی کا ایک چمکیلا اور خوبصورت چھڑکاؤ تھا ---- اور یہ چھڑکاؤ باریک برف کا تھا کیونکہ وہاں سامنے ہماری نظروں کے سامنے ان پہاڑوں پر برف باری ہو رہی تھی۔ اور پھر ایک چھوٹا سا سنگ میل سڑک کے ساتھ نظر آیا جس پر خنجراب زیرو کلومیٹر اور بلندی سولہ ہزار دو فٹ درج تھی ----

یہ دنیا کی بلند ترین شاہراہ تھی اور دوسری جانب چین تھا۔

میں نے کار اس طرح پارک کی کہ وہ آدھی پاکستان میں تھی اور آدھی چین میں ----

کار کی عافیت سے باہر آنے پر معلوم ہوا کہ سولہ ہزار دو فٹ بلندی کیا ہوتی ہے اور اس بلندی پر ایک میدانی بندے کا کیا حشر ہوتا ہے ---- آسمان صاف تھا لیکن یوں لگتا تھا کہ سرد اور برف میں لپٹی ہوئی کوئی شے اترتی ہے اور ہمارے جسموں میں چھید ڈالتی جاتی ہے ---- ہمارے ہاتھ جیبوں میں سے نکلتے تو بغلوں میں جا گھستے ---- شدید اور ناقابل برداشت سردی کی وجہ سے سب کچھوے ہو رہے تھے۔ گردنیں نیچی کئے اور کندھے اوپر اٹھائے سردی کی شدت سے بچنے کے لیے ---- البتہ چھوٹا قاضی یعنی چھ ماہ کا علی مزے میں تھا اور وہ شاید درہ خنجراب پر پہنچنے والا سب سے کم عمر پاکستانی تھا۔

درّہ خنجراب میری امیدوں سے کئی کلومیٹر آگے تک خوبصورت اور شاندار تھا ---- برف کی ایک خوش نما دنیا جہاں صرف ہم تھے ---- اور ہمارے سامنے پہاڑوں پر

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

برفباری جاری تھی۔ عینی نے ہوٹل سے چلتے وقت ایک کاغذ پر "تارڑ خاندان یہاں تھا" کے الفاظ مارکر سے لکھ کر اسے جیب میں ڈال لیا تھا --- وہ اس نے چین کی جانب ایستادہ سرخ ستاروں والے ستون کے اوپر چپکا دیا۔

"جب ہم اگلی مرتبہ خنجراب آئیں گے تو اسے دیکھیں گے ---"

کاغذ کا وہ ٹکڑا اس لمحے پھڑپھڑایا اور تیز ہوا' اسے بے بس کرتی اونچائی پر لے گئی۔

چین کی جانب سے ایک بڑا ٹرک نمودار ہوا اور اس میں سے چند چینی مزدور کدالیں تھامے باہر نکلے اور شاہراہ کے کناروں کو ہموار کرنے لگے --- بچے بھاگتے ہوئے ان کے پاس گئے اور انہیں ساتھ لے آئے تاکہ چینیوں کے ساتھ تصویریں اتروا کر غیر ممالک میں جانے کا ثبوت مہیا کیا جا سکے۔ وہ قدرے مفلوک الحال تھے اور ان کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے ہمارے بچے ان کی نسبت خاصے دراز قد تھے ---

میں نے محسوس کیا کہ مجھے سانس لینے میں تھوڑی سی دشواری پیش آ رہی ہے اور ذرا تیز چلنے سے دنیا قدرے گھومتی ہے اور رنگین ہوتی ہے --- بلندی مجھ پر اثرانداز ہو رہی تھی --- اور ہمیں بارہ بجے سے پیشتر وہ سیلابی حصہ عبور کرنا تھا ---

"کار میں کار میں ---" میں نے نعرہ لگایا لیکن میری آواز زیادہ بلند نہ ہو سکی اس بلندی پر آواز مزید کیا بلند ہوتی --- بچے اس منظر میں اور اس لینڈ سکیپ میں جیسے ہمیشہ سے رہتے تھے وہ بڑے اطمینان سے گھوم رہے تھے اور واپس نہیں جانا چاہتے تھے ---

یہ ایک وسیع دنیا تھی برف کی اور بلندی کی اور چین کی جانب برف کے چھوٹے چھوٹے تالابوں کی اور پاکستان کی جانب الپائن پھولوں سے ڈھکی ہوئی

ڈھلوانوں کی اور یہاں ہم اکیلے تھے اور کوئی نہ تھا اس لیے یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا تھا --- میں نے کار کا رخ پاکستان کی جانب موڑا --- یہاں سے واپسی کا سفر شروع ہو رہا تھا --- اور ہم سب ایک خاص لمحے میں لاہور کے لیے اداس ہو گئے کہ ہمارا شہر اور اس میں ہمارا گھر --- دور تھا --- ان شمال کی وادیوں اور دروں اور دریاؤں کے پار --- کتنا دور تھا۔

واپسی پر کار بے آواز ہو کر اترنے لگی۔ بچے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے تھے --- براؤن رنگ کا ایک مارموٹ سڑک پر بیٹھا تھا اور اس نے ٹانگیں اٹھا کر سب کو سلام کیا اور بھاگ گیا۔

ہم ایک پھولوں بھری ڈھلوان کے قریب رکے تاکہ تصویر اتار سکیں لیکن کیمرے میں فلم ختم ہو چکی تھی۔ خنجراب نالے کے ہموار حصے کے ساتھ جو خانہ بدوشوں کا ڈیرہ تھا وہاں سے ایک بوڑھا بکری کے دو بچے اٹھائے چلا آ رہا تھا ہمیں دیکھ کر اس نے رفتار تیز کر دی اور سر ہلانے لگا۔ میں نے کار روک لی۔ جانے وہ کون سی زبان بولتا تھا لیکن اس نے بڑی آسانی سے یہ بتا دیا کہ وہ کار پر سوار ہو کر نزدیکی بستی گل تک جانا چاہتا ہے۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ اس کے لیے تو جگہ تھی لیکن اس کے بکری کے بچوں کے لیے گنجائش نہ تھی۔ اس نے کار میں سوار ہونے کی کوشش کی تو بکری کے بچوں نے شور مچا دیا اور اس کے ساتھ میرے بچوں نے شور مچا دیا کہ ابو یہ مینگنیاں کر رہے ہیں --- چنانچہ ہم اس بیچارے کو لفٹ نہ دے سکے ---

یہ علاقے انتہائی پرکشش تھے اور اگر ادھر رات گزارنے کا کوئی بندوبست ہوتا تو ہم ٹھہر جاتے --- اور واپسی کا یہ سفر افسوس لیے ہوئے تھا --- جب ہم سیلابی مقام پر پہنچے تو پانی چڑھنا شروع ہو چکا تھا اور جھیل میں آئے ہوئے درخت اور جھاڑیاں کم دکھائی دے رہے تھے --- ہم نے سڑک کے خراب حصے کو عبور کیا تو جان

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

میں جان آئی۔ اس مقام پر صابر قاضی نے انتہائی اطمینان سے اطلاع دی کہ اس کا پٹرول کسی لمحے ختم ہو سکتا ہے --- صابر کا کمال یہ ہے کہ وہ بدترین صورت حال میں اپنے آپ کو پرسکون رکھتا ہے' کیسے رکھتا ہے یہی تو اس کا کمال ہے۔

ایک بڑے گلیشیر کے اوپر ایک آبشار گر رہی تھی اور اسی موڑ پر یکدم ایک صاحب سامنے آئے اور میں نے مشکل سے بریک لگائی --- پورے سفر کے دوران یہ واحد "شے" تھی جو ہمارے راستے میں آئی۔ یہ ایک کچھ حواس باختہ امریکی سیاح تھا جو سامان کا تھیلا اٹھائے سوست کی جانب سے چلتا آ رہا تھا اور اس ویرانے میں چلتا آ رہا تھا۔

"ہائے ---" اس نے دانت نکال دیئے "چین سے آ رہے ہو؟"

"خنجراب سے" بچوں نے جواب دیا "اور تم کہاں جا رہے ہو؟"

"چین --- اگر خوش نصیبی نے میرا ساتھ دیا تو"

"اکیلے چلتے ہوئے آپ کو ڈر نہیں لگتا؟" عینی نے پوچھا۔

"کس سے لٹل لیڈی؟ --- دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے ڈرا سکے ---" وہ ہنسا۔

"اور آج رات کہاں قیام کا ارادہ ہے؟ ---"

"جہاں رات ہو گی وہاں --- سلیپنگ بیگ میرے پاس ہے اور یہاں میں نے چند اچھی غاریں بھی دیکھی ہیں جن میں رات گزاری جا سکتی ہے ---"

ہم نے اس آزاد روح کو دو بسکٹ پیش کیے اور سفر بخیر کہہ کر کار سٹارٹ کر دی --- میں نے کار کے آئینے میں دیکھا تو وہ ذرا دور ہوتا ہوا ایک سیاح تھا جو قراقرم کی اس ویران بلندی پر ایک چھاؤں میں آتی ہوئی چٹان کے سائے میں چلتا جا رہا تھا --- یہ شخص کیا محسوس کرتا ہو گا اس مکمل تنہا اور نامانوس آہٹوں کے ویرانے میں؟

یہ جب چلتا ہو گا تو کیا سوچتا ہو گا --- کس کے بارے میں سوچتا ہو گا ---

بچوں کے ماتھوں پر پسینہ نمودار ہونے لگا --- انہوں نے سویٹر اتار دیئے۔ سوست گزرا اور ہم مارخون پہنچ گئے۔ گرین لینڈ ہوٹل کا سادہ طبیعت مالک ہمارا منتظر تھا اور اس نے ڈائننگ روم میں ہمارے لیے ایک شاندار طعام کا بندوبست کر رکھا تھا --- وہ چاہتا تھا کہ ہم ایک رات اور ٹھہر جائیں لیکن مارخون میں خنجراب کی خواہش کے سوا کچھ نہ تھا اور وہ پوری ہو چکی تھی ---

مارخون سے کھانا کھانے کے بعد ہم واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے ہم نے تھوڑی دیر کے لیے پسو ٹھہرنا تھا اور پھر گل مت میں رات بسر کرنا تھی --- لیکن پسو میں ہمیں زیادہ دیر ٹھہرنا پڑا --- ماسٹر حقیقت ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

"چلئے گھر چلیں" ان کے سنہری دانت دھوپ میں چمکے۔

"فی الحال ہمیں گل مت جانے دیں۔ تین بج چکے ہیں" میں نے معذرت چاہی۔

"گل مت زیادہ دور نہیں اور میں نے آپ سب کے لیے دوپہر کے کھانے کا بندوبست کر رکھا ہے۔"

"لیکن جناب --- یوں ہی ہم تو کھا کر آئے ہیں" صابر نے احتجاج کیا۔

ماسٹر حقیقت کے کمرے میں مسودوں اور کتابوں کے درمیان اور ایک قدیم خوشبو میں دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے سجے تھے --- اور ان کے ذائقے میں ترکستان کی مہمان نواز روایت تھی۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے باوجود ہم نے اس پرتکلف دعوت کو ایسے کھایا جیسے بہت دنوں سے کچھ نہ کھایا ہو۔ ★

ہم پسو سے نکلے تو ہم نے اسے بار بار دیکھا اور اس کے لیے ابھی سے اداس ہوئے کیونکہ شمال میں یہ ہمارا پسندیدہ ترین قصبہ تھا --- یہ ہمیں بہت اپنا سا لگتا تھا

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اور اس کے پہاڑوں اور برفانی تودوں نے ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا تھا ---- اور پھر یہاں تارڑ جھیل بھی تو تھی۔

★ آج جب کہ میں اس کتاب کے ایک نئے ایڈیشن کے لئے پروف پڑھ رہا ہوں ---- ماسٹر حقیقت مجھے بہت یاد آئے ---- چند برس بعد دماغ کی شریان پھٹنے سے ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ شاہراہ قراقرم کے عین اوپر پتو کے قبرستان میں دفن ہیں ---- پتو میں اب میرے لئے وہ کشش نہیں رہی ---- میرے لئے پتو دراصل ماسٹر حقیقت تھے۔ تارڑ ۱۰ اکتوبر ۹۰ء

گل مت سے قمریس تک

پتو سے گل مت دور نہ تھا ---- ہم نے "مارکوپولوان" میں قیام کرنا مناسب جانا ---- ہم اس قصبے کو پہلے دیکھ چکے تھے جب سلجوق علیل ہوا تھا ---- ویسے پچھلی بار جب ان علاقوں میں آئے تو گل مت کو دیکھ کر بے حد پریشان ہوئے کیونکہ دو چار گھر اور ایک آدھ سرکاری عمارت اور پھر گاؤں کہاں ہے؟ اور گاؤں اوپر پہاڑی پر تھا ---- پولوگراؤنڈ کے اوپر گل مت تھا تنگ گلیاں اور مٹی کے مکان جن کے اندر دن تاریک اور خاموش تھے۔ مونا کو بہت ساری خواتین نے گھروں کے اندر آنے کی دعوت دی اور وہ ہر گھر میں جھانک کر "شکریہ" کہتی اور باہر آ جاتی ---- ہوٹل کے قریب ایک ٹوٹے ہوئے دروازے پر "میوزیم" لکھا ہوا تھا۔ ہم نے دستک دی تو پہلے ایک بزرگ خاتون نے اوپر سے جھانکا پھر ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا "میوزیم ٹکٹ پانچ روپے" ہم نے حساب لگایا تو چالیس پچاس روپے کا نسخہ تھا، ہم نے اندر جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ وہاں کوئی قابل دید شے نہ تھی ----

ہوٹل کے پھاٹک کے سامنے جو شہتوت لگے ہوئے تھے ان سے میٹھے شہتوت میں نے آج تک نہیں چکھے ---- اور پچھ لوگ نے اس درخت کو خالی کر دیا۔

اور اگلی صبح ہم قمریس گئے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

شمالی علاقوں میں آبادیاں یا تو دریا کے کنارے پر واقع ہوتی ہیں اور یا کسی گلیشیر کے اختتام پر جہاں پانی کی فراوانی ہو۔ گل مت کے اوپر ایک برفانی تودے کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور قمریس اس کے آس پاس بلند ترین قصبہ تھا اور ایک رپورٹ کے مطابق وہاں سے ایک مسحور کن منظر دکھائی دیتا تھا۔

قمریس کی مہم صبح سویرے شروع ہوئی۔ یہ کوئی ٹریکنگ کا تجربہ نہ تھا لیکن ایک باقاعدہ راستہ ہونے کے باوجود چڑھائی بیحد دشوار اور منہ کھول کر لمبے لمبے سانس لینے والی تھی --- گل مت سے ذرا اوپر ہوئے تو پہلی بار ایک چشمے کے کنارے رکے --- سامنے ایک مکان کے باہر چند خواتین ہمیں دیکھتی تھیں چنانچہ میمونہ اور بیگم قاضی فوراً ان کے قریب گئیں اور پھر ان کے گھر کے اندر چلی گئیں کافی دیر بعد چائے وغیرہ پی کر باہر آئیں اور ان کی مہمان نوازی کی تعریف کی --- اس دوران ایک ہیرو ٹائپ نوجوان میرے قریب آکر بیٹھ گیا اس کے گھنگھریالے بال ماتھے سے لٹکتے ہوئے ناک تک آئے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر بچوں ایسی معصومیت تھی۔

"میرا نام علی امان ہے اور میں ہنزہ گوجال کا واحد آرٹسٹ ہوں --- اداکاری کر کے دکھاؤں --- ؟"

مجھے مسکراتا دیکھ کر وہ ذرا جھینپا "میں سچ کہتا ہوں تارڑ صاحب --- میں اداکاری کر سکتا ہوں --- اور گا بھی سکتا ہوں --- ذرا سنئے ---"

اس نے میری اجازت طلب کرنے کی بجائے "ذرا سنئے" کہہ کر میرے لیے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے --- علی امان اپنی زبان میں کوئی لوک گیت الاپنے لگا اور اس کی آواز میں ایک گہری مٹھاس تھی ---

"تم واقعی اچھا گا لیتے ہو ---" میں نے کہا۔

"تو پھر آپ مجھے ٹیلی ویژن پر چانس دلا دیں گے --- ؟" اس نے خوش ہو کر کہا --- اور پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر کلانچیں بھرتا ہوا کھیتوں اور پتھریلی دیواروں کو پھلانگتا وہ ایک ایسے گھر کے اندر گیا جو دور سے بڑا آئیڈیل لگ رہا تھا --- سیب اور خوبانی کے چند درخت' ہرے بھرے کھیت اور پس منظر میں برف پوش چوٹیاں --- تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پوٹلی تھی " میری جانب سے آپ کو تحفہ ---"

پوٹلی میں خوبانی کے بادام اور خشک شہتوت تھے۔

ٹیلی ویژن کے ناظرین نے بعد میں اسی نوجوان کو موسیقی ۸۹ء کے پروگرام میں ہنزہ کے روایتی لباس میں گاتے دیکھا اور پسند کیا --- لیکن وہ ٹیلی ویژن پر میری وجہ سے نہیں بلکہ اپنے ٹیلنٹ کی وجہ سے پہنچا۔

قاضی اپنے بیٹے کو اٹھائے ہوئے چل رہا تھا اور میرے بیٹے خود چل رہے تھے لیکن اس کے باوجود چڑھائی مجھے ہر موڑ پر بیٹھنے پر مجبور کر دیتی --- نیچے سے ایک نوجوان لڑکی جو شہری لباس میں ملبوس تھی اور ایک مرد چلتے ہوئے آئے اور ہم سے سلام دعا کی --- ہم نے بتایا کہ ہم قمریس جا رہے ہیں۔

"ہم بھی قمریس جا رہے ہیں" مرد نے کہا اور اس کا نام نور امان تھا۔ "کیونکہ وہاں ہمارا گھر ہے --- میری ہمشیرہ کریم آباد کے ایک ادارے میں تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اب چھٹیوں میں گھر واپس آئی ہے --- اگر آپ اوپر تک پہنچ گئے تو ہمارے گھر آئیے گا ---" وہ دونوں مُسکرائے اور بڑے آرام سے چڑھائی چڑھنے لگے --- انہوں نے راستہ چھوڑ کر جو شارٹ کٹ اختیار کیا تھا ہم نے بھی اسی کو اپنا لیا --- یہ اگرچہ دشوار تھا لیکن مختصر تھا اور سایہ دار تھا --- اوپر سے گلیشیر کے پانی کی چند نالیاں آ رہی تھیں اور تیز دھوپ میں ٹھنڈک دیتی تھیں۔ --- نیچے وادی ہنزہ لمحہ بہ لمحہ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

پھیلتی جا رہی تھیں اور اس کا منظر وسیع تر ہوتا چلا جاتا تھا۔ اب دریائے ہنزہ۔ قراقرم ہائی وے اور برفانی پہاڑ ایک تصویر کی طرح غیر حقیقی لگ رہے تھے۔ دوپہر کے قریب ہم قمریس پہنچ گئے۔

گلیشیر کے نیچے موسم کی شدت سے بچاؤ کی خاطر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور بند ڈربہ نما مکان۔ کہیں کہیں پھلدار درخت اور تنگ گلیاں ----

نورامان گوجال کے مخصوص ترکستانی طرز کے گھر میں رہتا تھا۔ دو تین دروازوں کے اندر برفیلی ہواؤں سے بچاؤ کے لیے کھڑکیوں اور روشندانوں کے بغیر چوبی ستونوں والا ایک بڑا کمرہ جس کے ایک حصے میں خوراک پکائی جاتی ہے۔ ایک حصے میں مہمانوں کو بٹھایا جاتا ہے اور ذرا بلند حصہ سونے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نورامان کی ہمشیرہ نے روایتی مہمان نوازی کے طریقے سے سب مہمانوں کے ہاتھ دھلائے اور پھر چائے کے برتن سجائے --- ہم نے دہی کی فرمائش کی تو اس کا ایک جگ آ گیا --- قمریس چونکہ ہنزہ کے کمرشل قصبوں سے دور ہے اس لیے وہاں ابھی تک قدیم مہمانداری کی روایات باقی ہیں ---

نور امان کے ماں باپ اردو نہیں جانتے تھے لیکن ان کے چہروں پر جو محبت لکھی ہوئی تھی اسے ہم بخوبی پڑھ سکتے تھے۔

نور امان کے گھر سے نکل کر ہم نیچے اترنے لگے تو ایک نیلی آنکھوں اور گوری رنگت کی صحت مند لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی "تم لاہور سے آئے ہو؟"

"ہاں ------" مونا نے سر ہلا کر کہا "ہم لاہور سے آئے ہیں۔"

"وہاں میرا بھائی بھی ہے --- اس کو سلام کہنا۔" یہ کہہ کر وہ بھاگتی ہوئی اور بے تحاشہ مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔ اسے یقین تھا کہ اسکا سلام اس کے بھائی تک پہنچ جائے گا کہ لاہور شہر آخر قمریس سے کتنا بڑا ہو سکتا ہے ----

نیچے قراقرم ہائی وے کے سیاہ فیتے پر ایک جیپ رینگ رہی تھی --- ادھر دریائے ہنزہ جیسے ٹھہرا ہوا تھا اور ادھر گل مت کے مکان تھکے ہوئے کوہ پیماؤں کی طرح ڈھلوان پر آرام کر رہے تھے۔ پولو گراؤنڈ قصبے کے درمیان میں ایک مٹی رنگ قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی اور اس کے قریب مارکوپولو ان کے ایک کمرے میں کریم آباد کی روانگی کے لیے ہمارا سامان کاروں کے روف کیریئر پر بندھا ہوا تھا ---- ہم نیچے اترنے لگے۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

گُڈبائے مسٹر ہاپر!

میری آنکھوں میں نیند کی بوجھل مستی مجھے بے اختیار کرتی تھی۔

آنکھیں کھولتا تو لمبی گھاس ان پر جھکی دکھائی دیتی --- اور اس گھاس میں سے خوبانیوں سے سجا ہوا ایک درخت جھانکتا اور اس کے پیچھے راکاپوشی کی سفیدی جھکتی چلی آتی۔ ہوا میں سستی اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ تھی۔

سلجوق ایک خوبانی کو ایسے دیکھتا تھا جیسے وہ ایک زرد ہیرا ہو --- قاضی میرے قریب لیٹا سگرٹ پی رہا تھا اور الائچی چبا رہا تھا۔ ثمر بھابھی چھوٹے قاضی کی پیٹھ تھپک رہی تھی۔

"بھائی اتنی خوبانیاں نہ کھاؤ ورنہ پھر بیمار ہو جاؤ گے" عینی نے بڑوں کے سے رعب کے ساتھ کہا۔

"یہ ایک بیوقوف بچی ہے ---" سلجوق نے خوبانیوں سے بھری ہوئی ایک شاخ اپنے سامنے جھکا رکھی تھی اور چن چن کر کھائے چلا جا رہا تھا۔ "میں خوبانیاں کھانے سے نہیں بلکہ چیریاں کھانے سے بیمار ہوا تھا ---"

قراقرم ہائی وے کے اوپر یہ ایک ڈھلوان کھیت تھا۔ خوبانی کے درختوں میں چھپا ہوا اور گیلی گھاس والا --- ہم دوپہر کا کھانا کھا کر ذرا استراحت فرما رہے تھے --- گل مت سے روانگی کے بعد پہلا سٹاپ علی آباد تھا جہاں کے اکلوتے پنکچر لگانے

والے سے ٹائر کو پنکچر لگوایا گیا۔ اس دوران ایک بہت ہی غصیلے صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حکومت اور پنجاب کے خلاف ایک طویل لیکچر دیا اور جب میں نے یہ گزارش کرنا چاہی کہ پنجاب تو میں بھی ہوں تو --- لیکن انہوں نے میرا نکتہ نظر سننے سے انکار کر دیا۔ ذرا دکھ ہوا کہ لوگ سبھی کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں اپنے اور پرائے میں تمیز نہیں کر سکتے۔

کریم آباد جو قراقرم ہائی وے سے تقریباً چھ سات کلو میٹر کے فاصلے پر تھا ابھی ہمارا انتظار کر سکتا تھا۔ ابھی ہم نے ان پراٹھوں اور انڈوں کے ساتھ انصاف کرنا تھا جو مارکوپولو ان کے باورچی نے خصوصی طور پر ہمارے لیے تیار کیے تھے --- اور انصاف کرنے کے لیے اس جگہ کی تلاش نے بہت وقت لے لیا --- اور اب یہاں لمبی اور گیلی گھاس میں چہرہ چھپائے میں اونگھ رہا تھا اور راکاپوشی گھاس کے تنکوں سے الگ الگ ہوتی تھی --- جیسے اس کی برفوں میں سے سبزندیاں نیچے اتر رہی ہیں۔

ہوا میں سستی اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ تھی۔

خانہ بدوشی کا اپنا لطف ہے اور اہل خانہ بدوش یعنی اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر گھومنے کا بھی ایک الگ مزا ہے۔ میں نے سوچا --- پہلے ایک منظر پر صرف میری آنکھیں ہوتی تھیں اور اب ہم سب کی آنکھیں اسی ایک منظر کو الگ الگ زاویوں سے دیکھتی اور پرکھتی تھیں ---

"یہ درخت تو خالی ہو گیا ابو ---" سمیر نے آخری ٹہنی کی آخری خوبانی نوش کرتے ہوئے اعلان کیا۔

"آؤ یار اب چلیں ---" قاضی نے اٹھ کر ایک انگڑائی اور ایک جمائی لی "اٹس گیٹنگ لیٹ ---"

کریم آباد تک جانے والی ذیلی سڑک پر پتھر ہی پتھر تھے جو ابھی کوٹے جانے تھے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اور ان پر تارکول بچھنا تھا چنانچہ دونوں سوزوکیاں اس پر ہچکیاں لیتی اچھلتی ہوئی چلتی تھیں اور اس خدشے کے ساتھ چلتی تھیں کہ ابھی سائیلنسر الگ ہو گا یا اگلا حصّہ پچھلے حصّے سے الگ ہو گا۔ یہ طے تھا کہ کریم آباد کے گھروں کے راستے میں کوئی کہکشاں نہ تھی پتھروں پر چل کر ہی جانا پڑا تھا۔ کوئی بھی ہوش مند ڈرائیور اس سڑک پر اپنی کار نہ چلاتا لیکن میں اور قاضی پراٹھوں' انڈوں اور راکاپوشی سے مست ہو چکے تھے اور نشے میں چلتے تھے۔

کریم آباد سے دو تین کلو میٹر ادھر ایک پہاڑی پر چھوٹا سا ایک گاؤں حیدر آباد نام کا ہے جس کے پس منظر میں راکاپوشی کا حسین ترین روپ ہے۔ شام ڈھلے اس گاؤں کے مکانوں اور جماعت خانہ کے پیچھے ہلکی سرخی میں ڈوبتے برفانی نقوش دل کو روکتے تھے اور ہم اس منظر کو اپنے اندر سنبھالنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے رک گئے۔

کریم آباد پہنچے تو اندھیرا چھا چکا تھا --- کریم آباد جو پہلے بلتت تھا --- اسی بلتت میں میں اور سلجوق بہت دن گزار چکے تھے اور راستے جانتے تھے۔ اس کی خاموشی سے رواں نہروں کو' قدیم قلعے کے درودیوار کو' التر گلیشیر کے درے' التت کے قدیم گاؤں' پولو گراؤنڈ' ہنزہ۔ ان کے برآمدے سے نظر آنے والے مناظر اور اس کے باشندوں کو --- ہم ان کے لیے اجنبی نہ تھے اور وہ ہمیں پہچانتے تھے۔ میں پچھلے برس نانگا پربت کے بیس کیمپ کو جاتے ہوئے ایک شب کے لیے کریم آباد بھی آیا تھا اور اس لیے آیا تھا کہ اس شب پرنس کریم آغا خاں کی تاجپوشی کی سالگرہ کی خوشی میں جشن ہونا تھا اور پوری وادی میں چراغ جلنے تھے --- ہمارا ارادہ تھا کہ ہم وہ چراغاں دیکھ کر واپس جائیں اور اس چراغاں میں ابھی چھ روز باقی تھے۔

اگلی صبح جو بھی کمرے سے نکل کر "راکاپوشی ان" کے برآمدے میں آیا حیرت

زدہ ہوا کہ یہاں سے ہنزہ کا سب سے معروف اور پرشکوہ منظر دکھائی دیتا تھا --- ایک سرسبز ڈھلوان کے اوپر قصبے کی بلند ترین جگہ پر لاماسیری نما ہنزہ کا قدیم قلعہ اور اس کے پس منظر میں پرہیبت پہاڑ اور التر گلیشیر ---

"یار جلدی سے ایک تصویر اتار دو ---" صابر نے اپنا کیمرہ نکال کر مجھے تھما دیا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ یہ منظر کہیں نہیں جائے گا ---" میں نے کہا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" صابر نے مکمل متانت سے سوال کیا "ہو سکتا ہے یہ چلا جائے --- اور اگر یہ نہیں جائے گا تو کل ہم جائیں گے گلگت کیونکہ ادھر تو گرمی بہت ہے۔ رات کو پنکھا چلا کر سونا پڑا ---"

"یہ تم ہمارے ساتھ دغا کر رہے ہو ---" میں نے ہراساں ہو کر کہا کیونکہ صابر کے ہمراہ ایسے دور دراز علاقوں میں انسان اطمینان سے چلتا تھا۔ اس کی طبیعت کا ٹھہراؤ اور بنیادی اچھائی سفر کی صعوبتوں کو کم کرتے تھے ---

"بس یار --- میں یہاں سے گلگت جاؤں گا اور پھر وہاں سے ڈیش ماروں گا اسلام آباد کے لیے --- سوری"

اس روز ہم التت گئے اور اس کے قدیم قلعے کو باہر سے دیکھ کر لوٹ آئے کیونکہ اسے دیکھنے کا ٹکٹ ہمارے لیے بہت زیادہ تھا --- اور شاید وہ تھا بھی غیر ملکی سیاحوں کے لیے۔ ہنزہ میں اب غیر ملکیوں کو زیادہ توجہ دی جاتی ہے ---- شام کو بازار کی سیر کی کہ اب وہاں پکی سڑک تھی اور اس پر موٹر سائیکل دوڑتے تھے۔ ہنزہ کے ڈرائنگ روم میں چند بابوں کے ہمراہ بیٹھے اور ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوئے --- سامنے وہ پن چکی تھی جس پر وہ کھڑکی تھی ---

اگلی صبح بے وفا قاضی اینڈ کمپنی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اور ہم نے اپنے آپ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کو بہت تنہا محسوس کیا --- لیکن ہم نے چراغاں کی رات تک ٹھہرنا تھا --- اور یہ دن ہم نے بہت آرام سے گزارے --- دن کے وقت دھوپ تیز ہوتی اور ہم بستر میں پڑے اونگھتے رہتے۔ شام کو باہر نکلتے --- کسی نہر کے کنارے چلتے ہوئے کسی اجنبی منظر میں جا نکلتے --- اور جہاں بھی جاتے راکاپوشی ہمارے ساتھ چلتی --- اور پھر بازار میں سے کھانا کھا کر واپس ہوٹل چلے جاتے --- اس دوران غیر ملکی سیاحوں کا ایک گروپ وہاں آ ٹھہرا اور سلجوق اور سمیر نے ان میں سے معمر ترین بابوں کو اپنا دوست بنا لیا۔ یورپ میں بوڑھوں کو باتیں کرنے کے لیے کرائے پر لوگ لینے پڑتے ہیں --- اور یہاں ان کی باتیں مفت میں سنی جا رہی تھیں۔ اور اس دوران ہم ہاپر گئے۔

اور ہاپر کیا ہے؟

جیپ کریم آباد سے نیچے شاہراہ ریشم پر واقع گنیش کی عمودی اترائی پر ایسے اترتی تھی کہ اس کا بونٹ دکھائی نہیں دیتا تھا اور وہ اترنے سے زیادہ گرتی چلی جاتی تھی۔ ایسی ڈھلوان پر اگر بریک لگانے کی کوشش کریں تو ٹائر اسی رفتار سے گھسٹتے چلے جاتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ چل نکلے تو پھر چل سو چل --- میں اور سلجوق پچھلے سفر میں اسی راستے سے پیدل اوپر آئے تھے۔

شاہراہ ریشم پر پہنچ کر جیپ ہموار ہوئی اور پھر دریائے ہنزہ کے دیدہ زیب چینی پل کے پار ہوئی اور پھر اس نے ہنزہ کی مقدس چٹانوں کے قریب شاہراہ کو چھوڑا اور ایک ویران اور خشک راستے پر بلند ہونے لگی۔

بائیں جانب ایک قبرستان کے آثار تھے۔ تھوڑی سی مسافت کے بعد ہم کریم آباد کے بالمقابل تھے اور یہاں سے التر گلیشیر کا ایسا وسیع اور تفصیلی منظر سامنے آتا ہے جسے کریم آباد سے مکمل طور پر دیکھنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ آپ اس کے دامن

میں کھڑے ہوتے ہیں اور یہاں آپ اس سے کئی کلومیٹر کے فاصلے پر برابر کی بلندی پر دیکھتے ہیں۔ حیرت انگیز طور پر یہاں ایک چھوٹا سا صحرا ہے اور جیپ کے ٹائر ریت میں پھنس کر آہستہ ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں سے جیپ التر گلیشیر کے منظر سے منہ موڑ کر ریاست نگر جانے والی تنگ اور خطرناک روڈ پر رینگنے لگتی ہے۔ پورا پہاڑ بالکل خشک ہے اور نیچے دریائے نگر تک ایک ایسی ڈھلوان ہے جس پر جیپ کے ٹائروں تلے آئے ہوئے چھوٹے پتھر بھی لڑھکتے ہوئے رفتار پکڑتے پانیوں کے اندر گم ہوتے ہیں۔ میں نے متعدد بار ڈرائیور سے "ذرا احتیاط سے ---" کی درخواست کی حالانکہ وہ احتیاط سے نہ چلا رہا ہوتا تو ہم روڈ پر موجود نہ ہوتے۔

میں چلتی ہوئی جیپ سے نیچے دریا کی طرف نہ دیکھتا۔ اس سے نظریں چراتا --- اور میرے دل میں وہی خدشہ تھا جو پورا خاندان مل کر سفر کرے تو ہوتا ہے --- میرا حلق بالکل خشک تھا۔ مونا بچوں کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کتنی دور ہے یہ ہاپر؟" مونا نے پوچھا۔

"بس جی وہ سامنے نگر کا پل ہے۔ اس کے پار نگر کا قصبہ ہے اور اس سے پرے ہاپر وادی اور گلیشیر ہے ---" ڈرائیور نے بتایا۔

"اور برپو کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"برپو کے لیے اسی روڈ پر آگے جانا پڑتا ہے۔ دو دن کی مسافت کے بعد آتا ہے --- ویسے ہاپر جاتے ہوئے شائد ہسپر کی ایک جھلک دکھائی دے جائے۔"

برپو' اور ہسپر کا شمار دنیا کے بڑے گلیشیرز میں ہوتا ہے اور بے شمار ٹریکر صرف کوئی ایک گلیشیر پسند کر کے اس پر سفر کرتے ہیں۔

نگر کے پل کو پار کر کے ہم پھر عمودی چڑھائی پر بلند ہوئے اور یہاں سے نگر کی ریاست شروع ہو گئی۔ یہاں ہنزہ کی نسبت کھیتی باڑی کے لیے زیادہ زمین تھی اور

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

لوگ محنت کش اور مطمئن دکھائی دیتے تھے۔ چونکہ یہاں تک صرف ایک تنگ اور کچی اور پرخطر سڑک آتی ہے اور اگر بارش ہو جائے تو بقیہ دنیا سے رابطہ مکمل طور پر کٹ جاتا ہے اس لیے سیاح ادھر بہت کم آتے ہیں۔ نگر کی لینڈ سکیپ ہنزہ کی نسبت شاندار تو نہیں لیکن اس میں ایک ٹھہراؤ اور معصومیت ہے۔ ہنزہ اگر شوخ ہے تو نگر کا حسن باوقار ہے--- اگر سیاح نگر کی وادی میں نہیں آتے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے نگر کی نہیں--- یہاں بھی سرو کے درخت اور خوبانیوں سے بھرے ہوئے باغ ہیں اور اتنی بلندی پر سرسبز کھیت ہیں۔ گلیشیرز کا پانی یہاں بھی ایک ہلکے شور کے ساتھ ہر سو رواں رہتا ہے۔ نگر کے باشندے شیعہ مسلمان ہیں اور ہنزہ والوں کی نسبت زیادہ بنیاد پرست ہیں۔ یہاں بہت کم عورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ ایک مقام پر سامنے سے جیپوں کا ایک قافلہ آتا دکھائی دیا تو ہمارے ڈرائیور نے اپنی جیپ سڑک پر سے اتار کر انہیں راستہ دیا۔ معلوم ہوا کہ نگر کے دو باشندے حج اور زیارات سے واپس آئے ہیں اور انہیں جلوس کی صورت میں گھر لایا جا رہا ہے--- حج کی سعادت حاصل کرنے والے ہاروں سے لدے بیٹھے تھے اور ان کے دوست نعرے لگا رہے تھے--- ایک وسیع چراگاہ میں ایک نہایت نکیلا گھوڑا چر رہا تھا۔ اس نے گردن اٹھا کر سب کی طرف دیکھا---

نگر کو عبور کر کے ہم ایک مرتبہ پھر ایک خشک پہاڑ پر تھے اور یہاں اتنی دھول تھی کہ ڈرائیور کو راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ دھول کم ہوئی تو ایک ندی آئی جس میں سے ہماری جیپ باآسانی گزر گئی اور دوسری جانب ہاپر کی وسیع اور ہموار وادی تھی جس میں درخت بہت کم تھے اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک سرسبز کھیت تھے۔ اگر اس وادی کے پس منظر میں بلند پہاڑ اور برف نہ ہوتی تو اس پر پنجاب کا گمان ہوتا۔ وادی کے درمیان میں کھیتوں کی ہریاول کو کاٹتا کچا راستہ تھا جس پر ہماری

جیپ دوڑتی تھی اور میں نے اس وادی کی وسعت پر آنکھیں رکھیں اور رب کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنا ایک اور شاہکار مجھے دکھایا--- مجھے کہاں معلوم تھا کہ کہیں ریاست نگر کے پیچھے ہموار سرسبز میدان کی ایک وادی ہے جس کا نام ہاپر ہے---

وادی سے پرے ہم سے تقریباً دس بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان جو سفید لکیر نظر آ رہی تھی وہ برپو گلیشیر کا آغاز تھا اور ہاپر گلیشیر اس خشک پہاڑی کے پیچھے تھا جس کی جانب ہماری جیپ جا رہی تھی اور جس پر ایک ریسٹ ہاؤس کی عمارت نظر آ رہی تھی اور اس کے قریب اطالوی طرز کے سن شیڈ نصب تھے جو دور سے رنگ برنگے کھمب لگ رہے تھے۔ کھیتوں کے خاتمے پر راستہ خشک پہاڑی میں چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد جیپ ویران ریسٹ ہاؤس کے قریب ایک عارضی ہوٹل کے پاس جا رکی۔

نگر کے دو باشندوں نے یہاں ایک چھپر ڈال کر باہر "ہلٹن ان۔ ہاپر گلیشیر" کا بورڈ لگا رکھا تھا۔ تین چار سن شیڈز کے نیچے میزیں اور کرسیاں تھیں۔ دو غیر ملکی بڑے اطمینان سے چائے پی رہے تھے اور یورپی مشترکہ منڈی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ قریب ہی تین خیمے نصب تھے جن میں سے دو آباد تھے اور ایک کا پردہ گرا ہوا تھا۔ یہ "ہلٹن ان" کا رہائشی علاقہ تھا۔ تیس روپے ایک شب کے' چارپائی اور سلیپنگ بیگ مہیا کیا جاتا ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ ہاپر گلیشیر کے دہانے پر رہائش کا اتنا اعلیٰ انتظام ہے تو ہم یقیناً وہاں ایک شب گزارنے کے ارادے سے آتے اور جیپ ڈرائیور کے ساتھ اس کے مطابق پروگرام بناتے---

"اور ہاپر کہاں ہے؟" عینی نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر کہا۔

"واقعی ہاپر کہاں ہے؟" سلجوق نے بھی سر ہلایا۔

"کم از کم میرے پاس نہیں ہے---" میر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اعلان

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

کیا۔

"ہاپر اودھر ہے صاحب --- اس ٹیلے کے پیچھے --- میرے پیچھے پیچھے آیئے ---" ڈرائیور نے کہا اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے بلکہ چڑھنے لگے۔ اور پھر ہاپر کابل کھاتا ہوا منجمد دریا ہمیں نظر آگیا جو ہمارے قدموں کے عین نیچے سینکڑوں میٹر کی گہرائی میں لیٹا ہوا تھا۔

"احتیاط سے بھئی ---" میں نے بچوں کو پیچھے رہنے کا اشارہ کیا۔

ہم جس مقام پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے تھے وہاں سے پہاڑ ایک بھربھری دیوار کی صورت نیچے گلیشیر تک جاتا تھا۔ میمونہ نے غیر شعوری طور پر ہتھیلیاں بچوں کی جانب کر رکھی تھیں جیسے انہیں پھسلنے سے روک رہی ہو --- گلیشیر جس برفانی پہاڑ سے نیچے آ رہا تھا اس کا نام ہم نہ جان سکے اگرچہ وہ ہمارے سروں پر اڈا ہوا تھا۔

"کتنی دہشت ناک چیز ہوتی ہے یہ گلیشیر ---" میمونہ آگے ہو کر جھانک رہی تھی "ایک اودھر بتورہ کی سیاہ بو تھی دیکھی تھی اور ایک یہ یہاں پہاڑ ہے اژدھے کی مانند ---"

"لیکن اس میں سے اتنا شاندار نالہ نہیں نکلتا ---" سمیر اپنی پتلی کمر پر ہاتھ جمائے کھڑا تھا "اور یہاں شور بھی نہیں ہے خاموشی ہے --- ہاں تھوڑی سی آواز ہے۔"

"یہ گلیشیر کے پہلو بدلنے کی آواز ہے ---" میں نے کہا۔

"ہیں؟ گلیشیر سویا ہوا ہے؟" عینی نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ایک بیوقوف لڑکی ہے ---" سلجوق نے انگلی سے اس کی جانب اشارہ کیا۔

"خیر اتنی بیوقوف بھی نہیں ہے --- گلیشیر دراصل خوابیدہ دریا ہی تو ہوتے ہیں ---" میں نے عینی کا موڈ بدلتے دیکھ کر کہا۔

"ابو اگر ہم نیچے جا کر گلیشیر دیکھنا چاہیں تو؟ --- پاس جا کر ہاتھ لگانا چاہیں تو؟" سمیر بولا۔

"بہت دیر لگے گی صاحب ---" ڈرائیور جو درجنوں بار سیاحوں کے ساتھ بادل نخواستہ نیچے جا چکا تھا ناک چڑھا کر بولا "اور ہمیں شام تک واپس پہنچنا ہے --- ویسے بھی نیچے جا کر کیا دیکھنا ہے۔ بس برف بہت ہے ---"

"ویسے نیچے جا کر ذرا قریب سے دیکھنا تو چاہیے ---" میمونہ نے ذرا رعب سے کہا۔

"راستہ بھی خطرناک ہے --- اودھر دیکھیے بالکل اترائی ہے اور ---"

"ٹھیک ہے یہیں سے دیکھ لیتے ہیں --- بچو پیچھے ہو جاؤ ---"

ہم نے اس بلند مقام پر معلق ہو کر چند تصاویر زبردستی مُسکراتے ہوئے کھنچوائیں --- یہ عجیب گلیشیئر تھا' روپوش اور خاموش۔ جب تک اس کے سر پر نہ کھڑے ہو جاؤ یہ دکھائی بھی نہیں دیتا تھا۔ گلیشیئر کی مخالف سمت میں جدھر سے ہم آئے تھے ایک نہایت شان اور فخر والا منظر تھا۔ اس بلندی سے ہاپر کی سرسبز وادی میں وہ کچا راستہ ایک لکیر کی صورت نظر آتا تھا جس پر ہم یہاں آئے تھے۔ پس منظر میں بلند برفپوش چوٹیاں۔ اور پھر ہاپر کی جانب ویران اور کھنڈر نما ہاپر گاؤں۔ اور پرے وہی برپو گلیشیر کی لکیر --- ایسے منظر پہلے بھی دیکھے تھے لیکن اتنی وسعت اور بلندی والے کبھی نہ دیکھے تھے۔

نیچے "ہلٹن ان" کے کچے کمرے کے سامنے رنگ برنگے سن شیڈ ہوا میں پھڑپھڑا رہے تھے اور ہماری نیلی جیپ ایک ڈبی کی طرح دکھائی دیتی تھی اور ریسٹ

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہاؤس پر ایک کھلونا گھر کا گمان ہوتا تھا۔ ہم نیچے اترنے لگے۔

سن شیڈ کے سائے میں بیٹھ کر جو چائے ہم نے پی وہ اس دورے کی بہترین اور سب سے شاندار منظر والی چائے تھی اور بچوں نے مشروبات کی جو بوتلیں نوش کیں وہ اس دورے کی گراں ترین تھیں کیونکہ راولپنڈی سے شاہراہِ قراقرم کے راستے ہنزہ اور پھر وہاں سے جیپ کے ذریعے بوتلیں یہاں پہنچانا واقعی ایک کارنامہ تھا اور اس کارنامے کے لیے دس روپے فی بوتل زیادہ نہ تھے --- معلوم ہوا کہ ساٹھ فیصد بوتلیں عالمِ وجد میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور چالیس فیصد بخیریت پہنچتی ہیں۔

چند بچے اور ایک پاؤں گھسیٹتا ہوا بوڑھا ہمارے پاس آ گئے۔

"پریشس سٹونز؟" اسنے کہا جو مجھے "پرشاٹون" سمجھ میں آیا۔

"انگریزی نہیں سمجھتے نا" اس نے خوش ہو کر پوچھا "پتھر --- روبیز --- ڈائمنڈز"

"ہیرے جواہرات!" سمیر کی آنکھیں پہلے سے بھی بڑی ہو گئیں "کہاں ہیں؟"

بابے نے اپنے غلیظ لبادے میں سے چند پتھر نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ ان پتھروں میں کہیں کہیں کچے روبی دکھائی دے رہے تھے۔ پھر اس نے ایک بہت ہی خفیہ چیز ہمیں دکھائی "سونا مکھی" اس نے سرہلاتے ہوئے بتایا۔ یہ سونے کی چمک والا ایک پتھر تھا لیکن بہت ہلکا --- سمیر اس کے ساتھ بھاؤ تاؤ کرنے لگا۔ سلجوق ان خیموں کی جانب چلا گیا جن میں چند غیر ملکی چارپائیوں پر دراز ہو کر ناول پڑھ رہے تھے۔

"یہاں رات رہنا چاہئے تھا" میمونہ نے چائے کی چسکی لے کر کہا --- "کتنی الگ تھلگ اور چپ چاپ جگہ ہے --- آپ کو یاد ہے ہم اپنے ہنی مون کے لیے نتھیا گلی گئے تھے ---"

"ہاں ---" میں نے سرہلایا۔ "مجھے یاد ہے ---"

وادی کے درمیان میں سے دو جیپیں دھول اڑاتی چلی آ رہی تھیں --- بچے اور وہ بوڑھا اپنے "پرشاٹون" جیب میں ڈال کر نیچے اتر گئے۔ ان جیپوں میں کسی سفری ادارے کے تحت طے شدہ ٹور میں شامل سیاح تھے۔ ان سیاحوں کا تعلق ہسپانیہ سے تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے رکے، چائے پی اور پھر تصویریں اتارنے کے بعد واپس روانہ ہو گئے۔

"چلیں صاحب ---" ہمارے ڈرائیور نے موقع غنیمت جان کر کہا "نہیں تو شام پڑ جائے گی۔" اور میں نے دل میں کہا کہ ہو جائے شام --- یہ شام تو ہو جائے۔ تیرا خیمہ خالی پڑا ہے۔ ادھر پاپر گلیشیر کے کنارے اس وادی میں رات کیسی ہو گی --- شہری رات سے تو مختلف ہو گی۔

"ہاں میرا خیال ہے چلنا چاہئے ---" میمونہ نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا ---

"ابھی نہیں جانا ابو ---" سمیر کو بلایا تو وہ وہیں سے سرہلاتا ہوا بولا --- وہ اسی بوڑھے کے ساتھ "پرشاٹون" کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

ڈرائیور نے اپنی نشست پر بیٹھ کر ہارن پر ہاتھ رکھا --- اور یہ آواز پاپر کی وادی میں دور تک گئی اور پھر فوراً ہی واپس آ گئی --- یہ کوچ کا نقارہ تھا۔

"ابو کیا یہ گلیشیر انگریز ہے؟" عینی نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے کہا --- "پاپر انگریزوں کا نام لگتا ہے --- گڈ بائے مسٹر پاپر ---" اس نے نہایت سنجیدگی سے ہاتھ ہلایا۔

ہاں گڈ بائے پاپر ---

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

ہنزہ کی رات میں دیئے جلتے تھے----

التر گلیشیئر اور اسکے آس پاس کے پہاڑ سائے میں آچکے تھے۔ کہیں ایک بڑے پتھر کے قریب گھاس کا ایک قطعہ تھا اور میں اسے بہت غور سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ تصویر دھندلانے لگی اور میں نے دوربین آنکھوں سے ہٹا دی---- میرے سامنے کلیم اللہ بیگ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا مجھے دیکھتا تھا "نظر آئے؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔"

"اس پتھر کے پاس وہ ہیں---- اگر بہت غور سے دیکھتے رہو تب نظر آئیں گے"

بلتت کے پرانے قلعے کی پتھریلی چار دیواری پر بیٹھے ہوئے میں نے ایک مرتبہ پھر دوربین آنکھوں سے لگائی اور اپنی تمام تر توجہ گھاس کے اس ٹکڑے پر مرکوز کر دی---- وہ منظر ہلتا تھا اور کبھی صاف ہوتا تھا اور کبھی دھندلاتا تھا اور پھر اس منظر کے اندر کوئی شے حرکت میں آئی۔

"میرا خیال ہے کہ کچھ ہے----" میں نے کہا۔

"کم از کم پانچ مارخور ہیں بڑے اور ان کے بچے ہیں---- صاف دکھائی دے رہے ہیں۔"----

پر مجھے وہ صاف دکھائی نہیں دیتے تھے۔ کلیم اللہ بیگ ایک گہرا اور دلچسپ شخص تھا' اس کو بھانپنا بہت مشکل تھا۔ وہ تقریباً ہر شام مجھے قلعے کے قریب ملتا اور اس کے ہاتھ میں دوربین ہوتی۔ "میں مارخور دیکھ رہا تھا---- آج التر گلیشیر سے وہ نیچے آگئے ہیں----" وہ کہتا۔

"بیگ صاحب آپ کے مارخور آپ کو مبارک ہوں------" میں نے اس کی دوربین لوٹاتے ہوئے کہا "مجھے تو کچھ نظر نہیں آیا----"

"اگر آپ کو وہاں کچھ نظر نہیں آیا تو ادھر آیئے" وہ اٹھ کھڑا ہوا---- قلعے کے برابر میں ایک کچی شکستہ چھت تھی "یہ جگہ میں نے خرید لی ہے----"

اور اس وقت میرا جی چاہا کہ میں کلیم اللہ بیگ کے ساتھ ایک سودا کروں---- بس یہی کہ اس رقبے میں سے ایک کمرہ بنانے کے لیے مجھے جگہ دے دو اور مجھ سے وہ سب کچھ لے لو جو میں نے آج تک حاصل کیا ہے---- قلعے کے برابر یہاں سے ایک جانب التر کا عالی شان اور پرہیبت گلیشیر اور درہ تھا اور دوسری جانب کریم آباد کی چھتوں سے پرے راکاپوشی تھی اور اس مقام سے صرف آپ کی تھی۔

"ادھر آئیں" وہ مجھے چھت پر لے گیا اور ایک جگہ جھک کر کہنے لگا "ادھر دیکھیں----"

میں نے قریب جا کر دیکھا کہ چھت میں ایک تنگ سا ایک روشندان جس طرح پنجاب کے دیہاتی گھروں میں ہوتا ہے۔ میں نے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک تاریک اور بوسیدہ کمرے کے اندر کچھ تھا----

"کیا ہے؟" میں نے کلیم اللہ سے دریافت کیا۔

"وہی جو التر گلیشیر پر دکھائی نہیں دیتے تھے------مارخور"

"مارخور؟" میں نے مسکرا کر کہا اور پھر روشندان پر جھک گیا---- ہاں کمرے

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

میں اندھیرے میں دو مارخور کھڑے تھے۔ ان دونوں کے سینگ اتنے شاندار تھے کہ میں دیر تک ان کے ڈیزائن میں کھویا رہا۔ وہ حیرت ناک حد تک پر پیچ اور شاہانہ تھے۔

"انہیں میں نے شکار کیا تھا اور پھر بس بھر کر یہاں اپنے کمرے میں کھڑا کر دیا ---"

اور شاید تب مجھے احساس ہوا کہ وہ زندہ نہیں تھے --- اور اس کے باوجود وہ مارخور اب بھی میرے تصور میں زندہ ہیں۔ وہ پتہ نہیں کہاں تھے کس گھاس سے بھری ڈھلوان پر کھڑے وہ قدرت کا ایک شاہکار لگ رہے تھے جب انہیں مارا گیا --- کمرے کے اندر ان کی بوسیدہ کھال کی ہلکی سی بو تھی۔ لکڑی کے دو ستون تھے جو گرنے والے تھے --- اور جو کی سوکھی ہوئی بالیاں تھیں جو شہتیروں سے لٹک رہی تھیں۔

آج جشن کی رات تھی --- وادی ہنزہ میں چراغاں ہونا تھا۔ راکاپوشی کے سفید معبد کی سیڑھیوں پر دیئے جلتے تھے۔

نیچے بازار کی طرف سے میمونہ' سلجوق' سمیر اور عینی جیسے خواب میں چلتے آ رہے ہوں۔ مدھم اور دھیرے دھیرے چڑھائی چڑھتے ہوئے --- میں شام سے پہلے ہی قلعے پر آ گیا تھا اور ان کی آمد کا منتظر تھا۔

یہاں میں نے "جرمن" کو ایک مرتبہ پھر دیکھا۔ وہ ایک اطالوی سیاح خاتون کے ہمراہ تھا' خاتون پر بالائی بوجھ بہت تھا۔ جرمن نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور پھر اس بوجھ کی طرف دیکھا ---

"ہیلو ابّو ———" عینی ہانپتی ہوئی اوپر آ گئی ---

سورج ڈوب چکا تھا اور وادی ہنزہ پر جو سفیدی کا شائبہ تھا وہ راکاپوشی کی

برفوں کا تھا۔ چھتوں پر سوکھتی خوبانیوں اور شہتوتوں کو اکٹھا کر کے روشندانوں میں ڈالا جا رہا تھا نیچے کمرے کے فرش پر چادریں بچھی تھیں اور یہ میوے ان پر ڈھیر ہوتے جاتے ---

"ورفع ---" میمونہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنا سانس درست کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کلیم اللہ بیگ قریب ہی تھا' وہ اور قریب ہوا "انہیں بھی مارخور میوزیم دکھا دیجیے ---"

اس بار وہ ہمیں کمرے کے اندر لے گیا --- مارخور جیسے میری جانب شکائت آمیز نظروں سے دیکھتے تھے۔ التر میں بھی ایسا ہوا تھا' ان کا دیکھنا عجیب تھا۔ جیسے وہ انسان ہوں اور جانور بنا دیئے گئے ہوں۔

راکاپوشی کی سفیدی بھی کم ہو گئی۔

بازار میں اور جماعت خانے میں خوب سجاوٹ کی گئی تھی۔ جھنڈیاں۔ آغا خان کی تصویریں' رونق بھی تھی۔ عورتیں اور مرد اپنے امام کی تاجپوشی کی سالگرہ منانے کے لیے گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔

اور پھر دور وادی میں ایک گھر کے درودیوار تاریکی سے الگ ہو کر جھلملانے لگے --- آہستہ آہستہ کریم آباد کے مختلف گھروں میں دیئے جیسے خود بخود جلنے لگے ---

"ابّو ادھر دیکھیں --- ابّو ---" عینی بار بار کہتی۔

ہم سب قلعے کی دیوار پر بیٹھے اپنے قدموں میں پھیلے بلتت اور وادی ہنزہ کی وسعت کو تک رہے تھے۔ چراغاں جنگل کی آگ کی طرح تھا' پھیلتا جاتا تھا۔

اور پھر یہ دیئے اور روشنی کے الاؤ جیسے اردگرد کے بلند پہاڑوں پر بھی ظاہر ہونے لگے۔ دور دراز کی گھاٹیاں اور گلیشیر کے قریب کی چٹانیں روشن ہو رہی تھیں

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

اور یہ ایک خوابناک اور ناقابل یقین منظر تھا کہ پوری وادی میں جگہ جگہ روشنی ہو رہی تھی ---

"ادھر ادھر ---" سمیر نے ان پہاڑوں کی جانب اشارہ کیا جہاں قیمتی پتھروں کی کانیں واقع ہیں --- وہاں سینکڑوں دیئے جل رہے تھے اور ان کی روشنی سے "یا علی" کے حروف ظاہر ہو رہے تھے۔ اسی طرح ایک پہاڑ پر آگ کی مدد سے ایک تاج بنایا جا رہا تھا ------ مبارکباد کے لفظ کئی گھاٹیوں میں دکھائی دیتے تھے۔ پھر التر کی بلندی سے جیسے آگ کے گولے تیزی سے نیچے آنے لگے۔ پھر ایک اور پہاڑی سے بھی الاؤ نیچے آتے گئے۔

اس جشن کے لیے مختلف ٹیمیں تیل اور پرانے کپڑے لے کر صبح سویرے بلندیوں کے لیے روانہ ہو چکی تھیں۔ وادی کے پہاڑوں میں پہنچ کر اب وہ چراغاں کر رہے تھے۔ آگ کے گولے دراصل وہ ٹائر تھے جنہیں آگ لگا کر بلندی سے لڑھکایا جا رہا تھا۔

کل صبح ہماری واپسی تھی --- اور یہ چراغاں گویا ہمارے لیے ایک عظیم الوداع تھا۔ --- میرا حلق خشک ہو رہا تھا اور اسی لمحے موتا کہنے لگی "پیاس محسوس ہو رہی ہے ---" اور بالکل اسی لمحے ولی اللہ بیگ ایک تھیلا اٹھائے چڑھائی پر جھکا اور چلتا ہمارے پاس آگیا "آپ کے لیے ٹھنڈی بوتلیں لایا ہوں ---"

یہ پتہ نہیں اس رات کا طلسم تھا یا کیا تھا کہ اس لمحے میری سب سے بڑی خواہش بس یہی تھی کہ بلتت کے قدیم قلعے کی دیوار پر بیٹھے ہوئے کسی ٹھنڈے مشروب کا ایک گھونٹ مل جائے --- صرف ایک گھونٹ ---

"نہیں نہیں ------" میں نے سر ہلایا اور میرا حلق مزید سوکھ گیا۔

"کیوں نہیں تارڑ صاحب --- آپ نے ہمارے علاقے کی اتنی تعریف کی ہے

--- لوگ آپ کی کتاب پڑھ کر یہاں آتے ہیں تو ہم آپ کے لیے اتنا بھی نہ کریں ---" اس نے تھیلے میں سے بخ بوتلیں نکال کر ان کے ڈھکن اتارنے شروع کر دیئے ---

نیچے سے چند لڑکے آئے اور قلعے کی دیواروں اور پتھروں پر مٹی کے تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے رکھ کر انہیں آگ لگا دی --- الاؤ کی روشنی میں پوری عمارت جیسے مسمار ہونے کو ہو --- وہ ایسے حرکت کرتی تھی سیاہ آسمان میں جیسے بدھ مت کا کوئی راہب خانہ سینما کی سکرین پر خراب پروجیکشن کی بنا پر ہلتا ہوا دکھائی دے ---

ہم سب کے چہرے بھی جھلملاتے تھے۔

آس پاس کے پہاڑوں پر جلتے الاؤ مدھم ہو کر بجھنے لگے اور تاریکی اپنی جگہ لینے واپس آنے لگی --- چھتوں پر جو چراغ جلتے تھے وہ بھی ایک ایک کر کے بجھنے لگے۔ ہوا میں ٹھنڈک زیادہ ہو رہی تھی ---

کل صبح ہماری واپسی تھی ------ لیکن واپسی سے پیشتر ہمارا ارادہ تھا کہ ہم راکاپوشی کے بیس کیمپ تک ضرور جائیں ---

اب چراغ کم کم تھے۔ جیسے اکا دکا جگنو گرمیوں کی شب میں --- راکاپوشی کی برفوں کی بجھتی ہوئی سفیدی بتدریج تاریکی میں ڈوبتی وادی ہنزہ پر پھیلنے لگی --- ہم آخری چراغ بجھنے سے پیشتر قلعے کی دیوار سے اٹھے اور نیچے اترنے لگے ---

ہم راکاپوشی کے اتنے قریب ہو رہے تھے کہ اس کے گلیشیر میں سے نکلنے والے چھوٹے چھوٹے ندی نالے جب پتھروں کی رکاوٹ سے ٹکراتے تو ان کے چھینٹے بھی ہمیں نظر آتے ---

"کیا ہم درست راستے پر جا رہے ہیں؟" میں نے اپنے گائیڈ علی سے پوچھا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"ہاں صاحب ---" اس نے سر ہلایا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہم راستہ بھول چکے ہیں ---" سلجوق بولا۔

"ہاں صاحب ---" گائیڈ علی نے پھر گہرے یقین کے ساتھ سر ہلایا۔

سمیر نے اپنی ٹوپی کا زاویہ درست کر کے راکاپوشی پر ایک نظر ڈالی اور گائیڈ علی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا "ہم درست راستے پر جا رہے ہیں --- یا نہیں؟"

گائیڈ علی نے نہایت خوشی دلی سے سر ہلایا۔ "ہاں صاحب ---"

آج صبح ابھی سورج التت پر تو ابھرتا تھا لیکن بلتت ابھی سائے میں تھا کہ ہم وہاں سے نکلے اور اس ارادے سے نکلے کہ کار راکاپوشی کے سائے میں اس خیمہ جاتی ریستوران کے قریب پارک کریں گے اور پھر وہاں سے اللہ کا نام لے کر پل کے ساتھ نالے کے پہلو میں سے جاتے ہوئے راستے پر چلیں گے اور شاید دوپہر تک راکاپوشی کے بیس کیمپ تک پہنچ جائیں گے۔ وہاں پوٹلیوں میں بندھی ہوئی خوراک تناول کریں گے اور پھر پچھلے پہر تک واپس شاہراہ پر پہنچ کر گلگت چلے جائیں گے --- لیکن ہماری منصوبہ بندی کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ ریستوران کے مالک نے ایک عدد گائیڈ ہمارے ہمراہ کر دیا تھا جو گلگت میں پڑھتا تھا اور بہت کم اردو جانتا تھا اور مزے کی بات یہ کہ وہ بھی پہلی مرتبہ راکاپوشی کی طرف جا رہا تھا چنانچہ اس نے جو کچھ بھی پوچھا جاتا وہ انتہائی معصومیت سے "ہاں صاحب ---" کہہ دیتا ---

"علی کیا اس راستے پر چلیں؟" ——— "ہاں صاحب ---"

"علی اگر میں اس پتھر پر پاؤں رکھوں تو کیا سینکڑوں میٹر نیچے بہتے نالے میں جا گروں گا؟"

"جی صاحب ---"

"کیا ہم دوپہر تک راکاپوشی کے بیس کیمپ تک پہنچ جائیں گے؟"

"جی صاحب ---"

تو اس قسم کے تجربہ کار اور جہاں دیدہ قابل اعتبار گائیڈ کی معیت میں ہم دنیا کی حسین ترین چوٹیوں میں سے ایک چوٹی کے بیس کیمپ تک ٹریک کر رہے تھے۔

پل کے ساتھ ایک راستہ اوپر جاتا تھا۔ یہاں گلیشیئر اور چشموں کا پانی کھیتوں میں بہتے ہوئے آواز دیتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ ہم بلند ہوتے گئے۔ شاہراہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تقریباً دو گھنٹے تک ہم سائے میں چلتے رہے پھر سورج بلند ہوا اور ہمارے سروں پر چمکا --- جہاں کہیں پانی نظر آتا ہم صحرا میں بھٹکنے والے مسافروں کی طرح وہیں لیٹ جاتے اور اپنا چہرہ اس میں ڈبو دیتے --- راکاپوشی کی سفیدی اب آنکھوں کو چبھتی تھی۔ بچے تھک رہے تھے۔ بچوں کی ماں بار بار سانس درست کرتی تھی اور بچوں کا باپ سب سے پیچھے پیچھے چھڑی ٹیکتا آتا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ دوپہر تک اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں برف کے ساتھ درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا تھا --- وہاں یقیناً پانی بھی تھا اور ہم ادھر آرام کر کے شام تک واپس آ سکتے تھے --- جہاں ہم تھے وہاں اب آبادی کے کوئی آثار نہ تھے اور صرف ان برفانی تودوں کا ملبہ تھا جو سردیوں میں اوپر سے گرتے تھے۔ نالے کا شور ہم تک نہیں پہنچتا تھا --- اور ہم بے حد احتیاط سے چل رہے تھے۔ بلکہ جھکے ہوئے گہرے سانس لیتے ایک ایک قدم مشقت سے اٹھاتے آگے بڑھ رہے تھے ---

جب بھی سر اٹھا کر دیکھتے راکاپوشی اور نزدیک آ جاتی۔

پھر بھربھرے پتھروں کی ایک ایسی چٹان راستے میں آئی جس پر کوئی راستہ نہ تھا --- اور اس کا زاویہ اتنا عمودی تھا کہ اس پر ہاتھ رکھنے سے پتھر کھسکتے تھے۔

"یہاں تو راستہ ہی نہیں ہے ———"

"جی صاحب ---" گائیڈ نے فوراً کہا۔

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

"لیکن بکریوں کی مینگنیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ اس لیے جہاں بکریاں جا سکتی ہیں وہاں ہم جا سکتے ہیں---"

"جی صاحب---"

میں جھکا اور بدن کو چوکنا کر کے چٹان پر چڑھنے لگا--- پتھر کھسکتے تھے اور میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ بچوں کو اس راستے پر لانا حماقت ہو گی--- اوپر جا کر میں نے اشارہ کیا کہ آپ لوگ براہ کرم وہیں رہیں جہاں کہ ہیں--- میں نے راکاپوشی کے سائے میں درختوں کے اس جھنڈ کو حسرت سے دیکھا جہاں اس کا بیس کیمپ تھا اور جہاں ہم پہنچنا چاہتے تھے اور پھر نیچے اترنے لگا۔ نیچے اترنا اتنا آسان نہ تھا اور متعدد بار میں یوں پھسلا کہ مجھے اپنے اوپر کوئی اختیار نہ تھا۔ اور اس خوفزدہ مُسکراہٹ پر بھی کوئی اختیار نہ تھا جو میرے ڈرے ہوئے چہرے پر ٹھہری ہوئی تھی--- مہم کی ناکامی کا اعلان کر کے ہم نیچے اترنے لگے--- لیکن اس سے پیشتر ایک چٹان کے سائے میں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا--- اور راکاپوشی گلیشیر کا پانی پیا جو خاصا کڑوا تھا۔

قراقرم ہائی وے کے پل کے قریب جب ہم نے اپنی نیلی کار کی جھلک دیکھی تو یوں لگا جیسے اپنے گھر کو دیکھ لیا ہو۔

گلگت کے راستے میں سڑک کے دونوں طرف آبادیوں میں اور باغوں میں خوبانیاں سکھائی جا رہی تھیں۔ ہر آبادی کے باہر بچے پکی ہوئی سنہری خوبانیوں کی طشتریاں لئے کھڑے ملتے۔ اگرچہ یہ خوبانیاں انتہائی رس بھری اور خوش ذائقہ تھیں لیکن ہم ایک دوپہر میں کتنی خوبانیاں کھا سکتے تھے--- بچوں کے چہرے اور خوبانیوں کے چھوٹے چھوٹے سورج---

"چناران" گلگت میں خاموشی تھی کیونکہ بجلی نہیں تھی---

ہاں ابّو---بوڑھے کو گھر جانے دیں!

اگلے روز نیم تاریک سویر میں ہم گلگت سے نکل آئے---

ایک طویل سفر کا خاتمہ ہو رہا تھا لیکن اس کے باوجود چہروں پر تھکن نہ تھی، طمانیت تھی--- پچھلے پہر چار بجے کے قریب ہم بشام پہنچے تو وہاں بادل اترے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی جاری تھی۔ میں نے کار سوات جانے کے لیے شانگلا پاس کی جانب موڑ دی--- سڑک تنگ تھی اور بارش کی وجہ سے پھسلن ہو رہی تھی--- تھوڑی ہی دیر میں بادل گھنے اور سیاہ ہوئے اور ہولے ہولے گرجتے ہوئے ان میں سے پانی زیادہ گرنے لگا---

میں نے کار واپس موڑ لی--- بچوں کے ساتھ اس موسم میں میں شانگلا پاس کے راستے سوات جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا--- اور بچے بہت خوش تھے کہ وہ ایک اور شب بشام کے موٹل میں شیر دریا سندھ کے کنارے گزاریں گے۔

اور اس کمرے کا دروازہ بھی دریائے سندھ پر کھلتا تھا--- ایک چھوٹا سا ٹیرس جہاں سے پتھروں کے درمیان میں سے ایک راستہ نیچے دریا تک جاتا تھا--- نیم سبز پہاڑوں کے درمیان میں بہتا اور ایک اندر کی گونج سے محسوس ہوتا سندھ--- اس کی رواں سلیٹی چادر کے نیچے جیسے ہزاروں بے چین بدن کروٹیں لے رہے تھے--- اس پر پھوار پڑ رہی تھی--- ہم اپنے آپ کو سنبھالتے نیچے کنارے تک چلے گئے---

www.urdufans.com or www.allurdu.com [rfi]

سلجوق اور سمیر ایک پتھر پر بیٹھے پتہ نہیں کس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ یمنی خاموشی سے دریا کی سطح کو دیکھ رہی تھی --- ہاں سفر کی تھکن تو تھی --- یہیں سے سفر کا آغاز ہوا تھا ---

"گھر کو مقفل کر کے آ گئے تھے اب پتہ نہیں اس کا کیا حال ہے ---" مونا ابھی سے فکر مند ہو رہی تھی "پتہ نہیں پودوں کو پانی دینے کے لیے مالی باقاعدگی سے آتا رہا ہے یا نہیں --- زینیا تو سوکھ گئے ہوں گے۔"

"ابّو ---" سمیر میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا "ابو بوڑھے کو گھر جانے دیں۔"

"کون سے بوڑھے کو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہی بوڑھا جو یہاں سے بہت دور سندھ کے کنارے آج سے پندرہ روز پیشتر مچھلیاں پکڑ رہا تھا اور اس کی کنڈی کے ساتھ آپ کی چپل اٹک گئی تھی --- اور ابّو وہ بوڑھا ابھی تک دریا کے کنارے بیٹھا دوسری چپل کا انتظار کر رہا ہے --- آپ پھینکیں گے تو وہ گھر جائے گا۔"

"ہاں ابو بوڑھے کو گھر جانے دیں ———" یمنی بھی میرے پاس آ گئی "دوسری چپل سندھ میں پھینک دیں۔"

مجھے اپنی مسکراہٹ پر اختیار نہ تھا "لیکن وہ دوسری چپل تو --- پتہ نہیں کہاں ہے۔"

"یہاں ہے ---" سمیر نے ہاتھ فضا میں بلند کر دیا اور واقعی اس کے ہاتھ میں میری دوسری چپل تھی جو اس نے پتہ نہیں کیسے اب تک سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ شاید اسی لمحے کے لیے ---

"ہاں ابو بوڑھے کو گھر جانے دیں ---" سلجوق بھی شرارت میں شریک ہو گیا۔

"ادھر لاؤ ---" میں نے سمیر کے ہاتھ سے چپل لی "ایک --- دو --- تین" اور گھما کر اسے سندھ کی کروٹیں بدلتی چادر پر پھینک دیا' وہ گری اور گئی ---

"اب تو بوڑھا گھر چلا جائے گا ---؟"

"ہاں ابّو --- آئیں آپ بھی گھر چلیں۔"